ناموسِ اسلام

حصہ دوم



مکتبہ اسلامیہ مشن ٹرسٹ
پوسٹ بکس ۴۸۸ - اکرم روڈ - پاک نگر - لاہور

بار دوم	سنہ ۱۹۷۱ء
تعداد اشاعت	ایک ہزار
طابع	مینجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان لاہور
مطبع	تعلیمی پریس لاہور
کتابت	اصغر قریشی طاہر رقم
قیمت کاغذ سفید	آٹھ روپے

ناشر

مکتبۂ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ اکرم روڈ پاک نگر لاہور

پوسٹ بکس نمبر ۴۸۵

پیش لفظ

جناب خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب مرحوم وہ مایۂ ناز شخصیت تھے جن کو ان کے زمانہ کے لوگ ہی نہیں بلکہ آئندہ نسلیں بھی خراج عقیدت پیش کرتی رہیں گی۔ وہ سادات (خلفائے پٹیالہ) کی شمع علم اور مسلمانانِ ریاست کے مُنفرد فرد تھے۔ ان کی شخصیت تقدس اخلاص و ہمدردی کا مجسمہ تھی۔ ان کی بزرگی کا احترام اور اعتراف مسلمان، ہندو و سکھ یکساں کرتے تھے۔ آپکا حلقۂ ارادت نہایت وسیع تھا۔ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کی محبت کو سرمایۂ زندگی سمجھتے تھے۔ محرم میں ان کی تقاریر والہانہ دلچسپی سے سنی جاتی تھیں اور ہمیشہ پسندیدگی کا اظہار اور تاثیر کا اقرار ہوتا تھا۔ موصوف نے جو خدمت دین و ملت انجام دی وہ ہماری تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہے گی۔ عبادتِ الٰہی کے بعد ذکرِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام انکا فریضہ و وظیفہ ہوتا تھا۔ ہر وقت ان کی پیروی کی تلقین فرماتے رہتے تھے اور قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیتے تھے۔ "انجمن وظیفہ سادات و مومنین" رجسٹرڈ کی کارکن کمیٹی کے از ابتدا تا تقسیم ملک ممبر رہے۔

ان کی زندگی کا بڑا مشغلہ مطالعہ و کتب بینی رہا اور آپ نے اپنی محنت و جانفشانی کا نچوڑ ناموسِ اسلام حصہ اوّل و دوم تصنیف فرمائیں۔ ہر دو کتب فضائل و معرفت اور محبت و مودّتِ اہل بیت کا سرچشمہ ہیں اور مستند کتبِ اسلام (سنّی و شیعہ) کا عطر ہیں۔ یہ خصوصیت ہے کہ حوالے انھوں نے جس کتاب سے دیے ہیں ان کو اصل کتاب میں دیکھ کر درج کیا اور ایسی تمام کتب ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں جو بوقت تقسیم ملک ضائع ہو گیا۔

خلیفہ صاحب مرحوم علم و فضل و ریاضت اور جوشِ تبلیغ کے لحاظ سے غیر معمولی شخص تھے مطالعہ میں محنت و مشقّت کے عادی تھے اور ٹیپالہ سے آنے کے وقت تک انکی محنت و سعی کا سلسلہ جاری رہا اور مرحوم کو اپنی ایک تصنیف جو زیر ترتیب تھی اس کے ضائع ہونے کا بیحد قلق و صدمہ تھا۔ اور یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے اس کتاب کے افادیت سے بھرپور مقامات کی نشاندہی کی جائے۔ بس یہ کہنا کافی ہے کہ یہ محبت و ولائے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام کا نظر نواز اور روح افزا گلدستہ ہے میں وثوق و خلوص سے کہتا ہوں کہ پڑھنے والوں کے لیے اک "مشعلِ راہ" اور "مینارۂ ہدایت" ہے۔

خلیفہ صاحب مرحوم کے بھتیجے سید سعادت حسین نے یہ اپنا اہم فریضہ سمجھا کہ وہ اپنے آبأو اجداد کی تصانیف اعجاز التنزیل مصنّفہ وزیر الدولہ مدبّر الملک خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب مرحوم (اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی ردّ میں لاجواب کتاب) اور ناموسِ اسلام حصہ اول مصنفہ خلیفہ سیّد محمد ہاشم صاحب مرحوم (امام حسینؑ علیہ السّلام کے حالات پر ایک عمدہ دستاویز ہے جس میں قرآن و حدیث کے آئینہ میں امام پاک کی عظمت واقعہ کربلا کے اسبابُ نتائج اور شہدائے کربلا کی بے نظیر قربانیوں کی دلدوز اور ایمان افروز تفصیلات کے ساتھ شبہات و اعتراضات کی مدافعت کی گئی ہے) کو دوبارہ چھپوانے کا انتظام کریں۔ الحمد للہ وہ اپنی سعی پیہم میں امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ رجسٹرڈ لاہور کے تعاون سے کامیاب ہوئے۔ اعجاز التنزیل اور ناموسِ اسلام حصہ اوّل ۱۹۶۱ء اور ۱۹۷۰ء میں علی الترتیب شائع ہوئیں اور اب ناموسِ اسلام حصہ دوم شائقین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

ہر حساس دل اور علم دوست مسلمان سے توقع ہے کہ وہ ان کتب کو پڑھکر افادہ حاصل کریگا اور اپنے حلقۂ اثر میں پڑھنے کی تلقین کریگا اور نیز خلیفہ صاحب مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھ کر خود بھی ثواب حاصل کریگا۔

(جسٹس) السیّد جمیل حسین رضوی

عرضِ ناشر

خداوند قادر و کریم کے فیضِ عمیم اور امام زماں قائم آلِ محمد علیہ و آبائہ السلام کی تائید و برکت سے کتاب مستطاب ناموسِ اسلام حصہ دوم زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئی۔ عظیم کتاب شہیدِ انسانیت پر کثیر اخراجات کے باعث کتاب ہذا کی اشاعت بظاہر مشکل تھی مگر حلالِ مشکلات نے اپنے فضلِ عمیم سے اس سعادت سے ہم کنار فرمایا۔ الحمد للّٰہ علیٰ احسانہ۔

مولف مغفور خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب اس تالیفِ منیف کے لیے ہماری تحسین و آفرین کے حقدار ہیں جنھوں نے اپنے وسیع مطالعہ کا ثمرہ بحسن و خوبی آپ کے سامنے اک روح پرور سدا بہار گلدستہ کی شکل میں پیش کرتے ہوئے حمایتِ آلِ محمدؑ کا حق ادا کر دیا ہے۔

قرآن حکیم، احادیثِ رسولؐ، ائمۂ اسلام، محدثین، مورخین، متقدمین و متاخرین کے ساتھ ساتھ مغربی مصنفین سے بھی استفادہ فرماتے ہوئے جہاں جہاں سے ایسے پھول ملے ہیں جن سے آلِ محمدؑ کی عظمت کی خوشبو آتی ہو اور وہ تمام کانٹے بھی جو صفحاتِ قرطاس پر حامیانِ بنی امیہ نے بکھیرے ہیں انکی کاٹ کے بعد سب چن کر بڑے سلیقے سے جمع کر دیے ہیں۔ مستند حوالجات نے کتاب کی قدر و قیمت میں بے حد اضافہ کر دیا ہے۔

قبیلہ بنی امیہ کے وہ لوگ جو بعالم مجبوری اسلام میں داخل تو ہوئے کراہت سے اور نکل گئے خوشی سے انھوں نے اقتدار پہ غاصبانہ قبضہ کرنے کے بعد تعلیماتِ اسلام کو بگاڑنے اور پیغامِ اسلام کی حقیقی روح کو فنا کر کے جاہلیت کو اسلام پہ غالب کرنے کے لیے جو سازشیں کیں اس کتاب میں ان کا تفصیلی تذکرہ بھی ملے گا اور محافظِ اسلام وارثِ انبیاءؑ

فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ بھی ملے گا جس نے اپنے مقدس خون سے چمنِ اسلام کو سدا بہار بنا کر دوست و دشمن سے یہ اقرار لے لیا کہ ؏

سر سبز دین ہو گیا خونِ حسینؑ سے

اس کتاب کے حصۂ اول نے جو مقبولیت حاصل کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مطالعہ اور کتب بینی کا شوق بیدار ہو رہا ہے جو اشاعتی اداروں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔ ہم بجا طور پر ابنائے قوم سے امید رکھتے ہیں کہ حصہ دوم کی قبولیت اور پذیرائی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔

آخر میں ہم خلیفہ سعادت حسین صاحب کے شکر گزار ہیں کہ موصوف نے اس اشاعت کے لیے مبلغ پانچ سو روپے کی گرانقدر امداد فرمائی ہے۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔

مسلمانوں میں کتب بینی کی اہمیت اور مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لیے امامیہ مشن اپنے ممبران کو مشن کی مطبوعات پر بیس فیصدی اور لائبریریوں[1] کو پچاس فیصدی رعایت سے مطبوعاتِ مشن مہیا کرتا ہے۔ شائقین زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں۔

خیر اندیش :-

(الحاج خواجہ) حبیب علی پی۔سی۔ایس ریٹائرڈ

مینجنگ ٹرسٹی امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ لاہور

---

[1] صرف ان لائبریریوں کو جو "امامیہ مشن لائبریری" کے نام سے معروف ہیں پچاس فیصدی رعایت دی جاتی ہے باقی لائبریریوں کے لیے پچیس فیصدی رعایت مقرر ہے۔

فہرست مضامین

اسلام اور حسینؑ

دنیا کب بنی؟ کیسے بنی اور کیونکر آباد ہوئی اور اس میں بسنے والے شروع میں کس ڈھنگ سے رہتے تھے؟ ان باتوں کا مفصل جواب تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ اس وقت ہمارے پاس تو تاریخی اور مذہبی معلومات کا سرمایہ فقط اتنا ہے کہ اس کے اوراق ظالم اور مظلوم کے انسانوں سے رنگین ہیں۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی چند اللہ کے نیک اور پاک بندوں کا ذکر بھی آجاتا ہے۔ جو اپنے قول اور کردار سے ظالموں کو روکتے رہے ہیں۔ مظلوموں کو سنبھالتے رہے ہیں اور آپس میں مل جُل کر رہنے کے قانون بناتے اور اس پر عمل کرتے رہے ہیں مگر چند دن بعد دنیا اور دنیا کے بندے پھر ان قاعدوں کو چھوڑ کر یا توڑ مروڑ کر اپنی من مانی کارروائیاں کرگزرتے ہیں۔

آج سے چودہ سو برس پہلے کی دنیا کا نقشہ اگر سامنے رکھا جائے تو عجب دو رنگی دنیا نظر آتی ہے۔ ایک طرف تو دنیا کے مختلف ممالک اپنی تہذیب، تمدن، معاشرت فلسفہ اور ایجادات سے جگمگ جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر دوسری طرف چند امراء کے سوائے ہر ملک میں عام خلق خدا پریشان و سرگرداں پھرتی ہے۔ کہیں پتھر کے دیوتاؤں کے سامنے انسانی خون بہایا جا رہا ہے۔ کہیں اللہ کے بندوں کو شودر کہہ کر بھیڑ بکری کی مانند ذبح کیا جا رہا ہے۔ کہیں آتشکدوں کی روشنی میں اندھیر۔ انسانوں کو اپنی عیش پرستی اور ہوس رانی کی قیمت قرار دیا جا رہا ہے۔ کبھی اپنے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لیے آدمیوں کو کیڑوں اور مکوڑوں کی طرح مسل کر پھینک دیا جاتا ہے اور کوئی اُف تک نہیں کرسکتا۔ کوئی اٹھتا ہے اور ایک خونخوار جماعت تیار کرکے اللہ کی زمین

کو فتح کر کے اس کے بندوں کو غلام بناتا چلا جارہا ہے۔کسی کی جنبشِ ابرو انسانوں پر قتلِ عام کا فرمان جاری کر کے انسانی خون کا دریا بہا رہی ہے۔ اپنی ہم جنس عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھ کر اتارا اور پہنا جارہا ہے۔ اگر کہیں غیرت نے جوش مارا تو زندہ بیٹیوں کو دفن کر دیتے ہیں اگر آنکھیں بند کر کے تصور کریں تو انسان نہیں بلکہ بھیڑیے ایک دوسرے کو بھنبھوڑتے دکھائی دیں گے۔ انسانیت کے درد و محبت کے بجائے ان کے چہرے جھوٹ، فریب، مکاری، دغابازی، خیانت، ظلم و جور کے آئینہ دار نظر آئیں گے۔

غرض کہ جب ان پاپوں کا پیالہ چھلکنے لگا تو بحرِ قدرت سے پھر ایک بار گھنگھور گھٹا اٹھی اور صحرائے عرب میں موسلا دھار برسی۔ یعنی اللہ کے پاک بندے اور رسول حضرت محمدؐ صلعم دنیا میں تشریف لائے جنھوں نے بچپن، شباب، زندگی کا محبوب حصہ انھیں لوگوں میں گزارا اور ان جھوٹوں سے صادق، بات بات پر خیانت کرنے والوں سے امین اور ظلم کے پتلوں سے مہربان کا لقب پایا۔

آخر وہ وقت آپہنچا کہ آپ نے عرب کے سامنے اعلان فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور تمام دنیا کے لیے رحمت کا پیغام لایا ہوں۔ سنو اور غور سے سنو، اس خونخوار زندگی سے باز آجاؤ جس سے تم خود بھی ہر وقت پریشان رہتے ہو۔ دیکھو ہزاروں اور لاکھوں خدا نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر وقت ان خداؤں میں جھگڑا رہتا اور کل کائنات ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی بلکہ اس دنیا اور دنیا کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا پالنے والا اور پھر واپس بلا لینے والا وہی ایک قدرت والا مالک ہے جس نے ہر چیز اور ہر جاندار کو پیدا کیا۔ انسان کو بہتر اور بہترین ترکیب پر بنایا اور وہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ اس نے اپنے فضل اور کرم سے تمھاری بھلائی کے لیے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں اس کا پیغام تم تک پہنچاؤں۔ وہ بہت سیدھا اور صاف پیغام ہے اس کو سنو۔ فقط اسی مالک حقیقی کو سجدہ کرو اور سب انسانوں کو اس کی

بہترین مخلوق سمجھو۔ ہر ایک سے محبت کرو۔ جیو اور جینے دو۔ کیونکہ تمھیں پھر اسی کے پاس واپس جانا ہے اور اپنے کردار کے متعلق جواب دینا ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا، تمھیں جینے کے چند قاعدے سناتا ہوں جو اللہ نے تمھارے فائدے کے لیے بصورت قانون بنا کر مجھے دیے ہیں۔ میں سب سے پہلے ان پر خود چل کر تم کو دکھاؤنگا کہ وہ کس قدر مفید ہیں اور انسانوں کو کیسے پیار اور محبت سے رہنا بسنا اور جینا سکھاتے ہیں۔

وہ قاعدے یہ ہیں کہ سب سے پہلے اللہ کو ایک جانو اور مجھے اس کا رسول مانو۔ میں کوئی بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ میرا ہر قول اور عمل اسی کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اس پر یقین کرو اور دن میں پانچ وقت فقط اسی کو سجدہ کرو اور مل جُل کر مسجد میں برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تاکہ تم ہر وقت اپنے آپ کو خدا کے سامنے حاضر سمجھو اور مخلوقِ خدا سے باخبر رہو۔ سال بھر میں ایک مہینہ برابر روزے رکھو۔ سب کچھ ہوتے ساتے دن بھر فقط اپنے اللہ کی خوشنودی کے لیے بھوکے اور پیاسے رہو اور اپنے غریب بھائیوں کی بھوک پیاس کی تڑپ سے آشنا ہو جاؤ۔ عمر بھر میں کم از کم ایک دفعہ مکہ معظمہ میں جس کو اللہ نے اپنا گھر کہہ دیا ہے جمع ہو کر حج ادا کرو تاکہ اپنے مالک کے حکم کی اطاعت کا جلوہ دیکھو اور اپنے دور دراز سے آنے والے بھائیوں کے حالات سے واقف بھی ہو جاؤ۔ ہمیشہ سچ بولو خواہ کتنا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، زبان پر سچ جاری رکھو۔ کسی پر ظلم نہ کرو۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ کسی کا مال نہ مارو۔ رشوت نہ کھاؤ۔ سود نہ لو۔ اپنی محنت سے پاک کمائی حاصل کرو۔ خود کھاؤ بال بچوں کو اس کمائی سے پالو۔ اپنے ماں باپ کی خدمت کرو۔ اپنے ہر طرف کے ہمسایہ کا خیال رکھو اور ان کی مدد کرو۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اس میں شریک کرو۔ یتیم، لاوارث، اپاہج، ضرورتمند لوگوں کو اپنی آمدنی میں سے حصہ دو۔ اولاد خواہ بیٹا ہو یا بیٹی محبت سے پالو، لکھاؤ، پڑھاؤ، کچھ کام سکھاؤ۔ آپس میں اگر کسی بات پر اختلاف ہو تو مجھ سے پوچھ لو اور جو کچھ میں کہوں اس کی اطاعت کرو اور میری اطاعت

خدا کی اطاعت ہے۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم آسان اور دل میں اُتر جانے والی تھی۔ "جیو اور جینے دو۔" کے زرّیں قاعدے اس میں پوشیدہ تھے۔ نیک دل لوگ جوق در جوق اسی دین میں آنے شروع ہو گئے مگر بد اور بدباطن لوگوں کو یہ امن کوش طریقہ ایک آن نہ بھایا۔ ان کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ نظام پھیل جائے گا اور قائم ہو جائے گا تو ہم اپنی درندوں والی زندگی اور عیش و عشرت کی کامرانی نہ کر سکیں گے۔

یہ سوچ کر انھوں نے حضور کی مخالفت شروع کی۔ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں عدم تعاون کیا۔ کھانا پینا بند کیا۔ جگہ جگہ جھوٹ فریب کے جال بچھائے اور آخر قتل کے لیے تیار ہو گئے مگر یہ اللہ کا دین نہ مٹا سکے۔ آخر رسول اللہ مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے۔ مگر ان ظالموں نے یہاں بھی رسول اللہ کو اور مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اب جنگی صورت اختیار کر کے مدینہ پر چڑھ آئے اور بار بار آئے اور ہر دفعہ سیکڑوں جانبازوں کو شہید کر کے مشکل واپس گئے مگر یہ دین تو پھیلتا ہی گیا اور آخر وہ دن آ گیا کہ حضورؐ کی رکاب کے ساتھ دس ہزار مسلمان حج کے لیے مکہ پہنچ گئے۔ اب کفار مکہ اس خدائی فوج کو دیکھ کر عاجز آ گئے اور ان سب کافروں اور ظالموں کا سرگروہ ابوسفیان بے بس ہو گیا۔ برسوں کی دشمنی اور دلی دشمنی جو اس کو اسلام اور رسول اللہؐ سے تھی اس کا مٹ جانا تو ناممکن تھا لہٰذا دو ہی صورتیں باقی تھیں کہ اول تو خود اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر آخری جنگ کرے اور تلوار کے گھاٹ اپنے کیفر کردار کو پہنچے ورنہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہتھیار ڈال کر غلام بن جائے۔ مگر اس نے ان دونوں راستوں کو چھوڑ کر تیسرا راستہ اختیار کیا۔ یعنی جھٹ اپنے کفر اور ظلم کو پوشیدہ کر کے اپنے ساتھیوں سمیت ظاہراً مسلمان ہو گیا اور آئندہ موقع کا منتظر رہا۔ دریائے رحمت جوش

پر تھا۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ مگر ان سب کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی ان کو عام مسلمانوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ نہ ان کو مسلمانوں پہ حاکم بنایا جاتا تھا بلکہ اکثر تحفہ تحائف دے کر ان کی دلجوئی بھی کی گئی تاکہ یہ لوگ اپنے ظالمانہ انداز بھول جائیں اور یہ نہیں تو ان کی آئندہ نسلیں اسلام میں رہ کر امن و امان کی زندگی اختیار کرلیں اور سچے مسلمان بن جائیں۔

حضور سرورِ کائنات ؐ کا طریقہ کار یہ تھا کہ عام مسلمانوں کے سامنے قرآن پڑھ کر سناتے اور ان کو بتا دیتے کہ یہ یہ کام کیا کرو اور یہ یہ کام نہ کیا کرو اور انہی عام لوگوں میں سے اکثر ایسے مسلمان جو بہت ہی نیک دل تھے ان کا تزکیۂ نفس فرماتے اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے کا ان کو زیادہ موقع دیتے تاکہ ان کو اپنی ضرورتوں اور خواہشوں پر خوب قابو حاصل ہو جائے اور پھر وہ خلق خدا کے دل و جان سے کام آسکیں اور خود خسارہ اٹھا کر اللہ کے بندوں کے کام سنوار سکیں، پھر اسی گروہ سے چند افراد جو قدرت کی طرف سے خاص دل اور قابل دماغ لے کر آئے تھے ان کو علم و حکمت تعلیم فرماتے تاکہ یہ لوگ آئندہ چل کر اس نظام کے نگران ہو سکیں اور چلا سکیں اور جہاں کہیں اپنا نمائندہ بنا کر یا سرکش اور ظالموں کو دفع کرنے کے لیے فوج بھیجتے تو انھیں میں سے کسی کو سردارِ لشکر بناتے اور اس عمدہ چلن سے لوگ اصلاح پذیر ہوتے چلے جارہے تھے اور اللہ کا دین فوج در فوج پھیل رہا تھا اور شہر در شہر اور ملک در ملک اس امن و امان والے نظام سے اپنے آپ کو وابستہ کیے لیتا تھا جس میں ہر ایک امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا برابر کا شریک تھا اور اس کا مرکز رسول اللہؐ تھے۔ اسس نظام کو مکمل بلکہ اکمل کرنے کے بعد وہ وقت آگیا کہ رسول اللہؐ اس دنیا سے سفرِ آخرت فرمائیں۔ لہذا اب ضرورت تھی کہ آئندہ کوئی دوسرا شخص ان کی جگہ مرکز کو سنبھالے اور اس نظام کو اور مسلمانوں کو اس سیدھے راستے پر چلائے۔ یہ نظام

اگر سلطنت اور بادشاہی شکل کا نظام ہوتا تو بڑی آسانی تھی فوراً ایک رنگین اور زریں تخت بچھا کر اس پر جس کو رسول اللہ چاہتے زر بفتی لباس پہنا کر اور سر پر زمردیں تاج رکھ کر بٹھا دیتے اور ولیعہد بنا دیتے مگر اسلام تو تمام قسم کی شخصی اور جمہوری سلطنتوں کے خلاف ایک انقلاب تھا لہٰذا یہ نہ ہو سکتا تھا بلکہ قرآن کے حکم کے مطابق کہ تم میں جو متقی زیادہ ہے وہی اکرام و مکرم ہے خواہ اس کے کرتے میں سیکڑوں پیوند ہوں مگر حق و ناحق میں وہی تمیز کر سکتا ہے اور اسی کو اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ پسند فرماتے ہیں لہٰذا رسول اللہؐ نے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کے رسولؐ کے بعد پہلا موقع ہوگا کہیں مغالطہ نہ ہو جائے ، غدیر خم کے مقام پر لاکھوں درد مند مسلمانوں کے سامنے اونٹ کے کجاووں کا ممبر بنا کر اور اس پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے مسلمان، سب سے بڑے فدائی، سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرنے والے علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہاتھ تھام کر بلند کر دیا کہ دیکھ لو یہ سب سے زیادہ متقی اور مکرم ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس کو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ جس کا میں مولا اور آقا ہوں اس کا یہ بھی مولا اور آقا ہے۔ یہ تم کو سیدھے راستے پر ضرور لے کر چلے گا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دے گا۔ یہی وہ علیؑ ہے جس کو میں نے اپنی گود میں پالا ہے۔ اور علم و حکمت سے اس کا سینہ معمور کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس وقت کے مسلمان چوکے اور بہت بری طرح چوکے۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ رسول اللہؐ نے کھلم کھلا کسی کو جانشین نہیں بنایا۔ علیؑ ضرور مولا اور آقا ہیں مگر ضروری نہیں کہ مرکز کے نگران بھی وہی ہوں۔ اس اختلاف کی بھنک رسول اللہؐ کے کان تک پہنچی۔ وہ بسترِ علالت پر تھے مگر اس اختلاف اور اس کے نتیجے کو سوچ کر بے چین ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ کاغذ قلم لے آؤ۔ میں ایسی باتیں لکھوا دوں تا کہ تم میرے

بعد اختلاف میں پڑکر راستے سے بھٹک نہ جاؤ۔ مگر ایک صاحب نے روک دیا اور بعد انتقال رسول اللہؐ کو روکنے والے صاحب اور ان کے کچھ ہم خیال مسلمانوں نے مل کر ایک عمر رسیدہ صاحب کو منتظم چن لیا اور اس کا نام اجماع رکھا۔ پھر موقع آیا تو جنھوں نے رسول اللہؐ کو وصیتِ آخری لکھوانے سے روکا تھا انھوں نے پہلے صاحب سے اپنے نام وصیت لکھوالی اور منتظم بن بیٹھے اور اس کا نام نص رکھا۔ تیسرے نمبر پر دوسرے صاحب نے چھ معتبر آدمیوں میں جھگڑے کی لوٹ بنا کر اس نازک مرحلہ کو چھوڑ دیا اور اس کا نام شوریٰ رکھا۔ اس شوریٰ نے تو غضب ہی ڈھا دیا۔ اب تو ہر کس و ناکس، اہل دنیا اہل کے دماغ میں یہ ہوا سر سرانے لگی کہ یہ نظام ایک سلطنت ہے اور ہم بھی اس کے حاکمِ اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ چاروں چولیں درست ہونی چاہئیں غضب پر غضب یہ ہوا کہ وہ ٹریننگ کالج جس میں تزکیۂ نفس والے اور علم و حکمت والے انسان بنائے جاتے تھے وہ ٹوٹ گیا جو رسول اللہؐ کے زمانے میں تیار ہوئے تھے وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے اور زندہ بھی رہتے تو بیکار رہتے کیونکہ ان سے کام ہی نہ لیا گیا بلکہ وہی جنھوں نے فتح مکہ کے دن تلوار کی دھار کے نیچے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلام کے لباس میں خونخوار بھیڑیے وقت اور موقع کے منتظر بیٹھے تھے ان پہلے تینوں مسلمانوں کے منتظموں نے انھیں امیر، امیرِ لشکر، قاضی، گورنر، حاکم، عامل بنا دیا۔ ظاہرہ ترکیب بہت معقول اور مقبول تھی کہ اس طرح ان اشرار کے ہاتھوں مسلمان محفوظ رہیں گے اور یہ دنیا پرست دنیا سمیٹنے میں لگ جائیں گے مگر حقیقت میں یہ زہر تھا کیونکہ جب یہ صاحبِ اختیار ہو گئے اور ان میں اسلامی لچک، روحانیت اور صلاحیت موجود نہ تھی انھوں نے اس نظام کو سلطنتی بنا کر خود حکومت کے مزے لوٹے۔ رسول اللہؐ نے ان ظالموں کو بے اختیار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بٹھا دیا تھا تاکہ خلقِ خدا امن میں رہے۔ ان ظالموں نے اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں

جوڑ کر پھر قوی اور مضبوط کر لیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تیسرے منتظم صاحب کے آخری زمانہ میں عجب فتنہ اور شر برپا ہو گیا۔ خالص اور دردمند مسلمان اپنی بے لبسی اور اسلام کی بیکسی سے تڑپ اُٹھے۔ ادھر ابوسفیان والا گروہ اپنی طاقت اور زور پر اس قدر مغرور ہو چکا تھا کہ وہ مسلمانوں کی آہ و زاری کی پروا نہ کرتا تھا۔ آخر تمام ممالک اسلامیہ میں بلوے فتنے فساد اٹھ کھڑے ہوئے۔ تیسرے صاحب قتل ہوئے اور امتِ محمدی بے چرواہے کے گلّے کی مانند ہراساں پھرنے لگی اور وہ امن کا گہوارہ اور مرکز نبیؐ مدینہ منورہ ویران سا نظر آنے لگا۔ پُردرد مسلمانوں کی نگاہیں اپنے آقا کے فرمان کے مطابق علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی طرف اٹھیں اور بصد آہ و زاری ان کو راضی کیا کہ وہ اس مرکز کو سنبھالیں اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کے مطابق انسانوں کو چلائیں۔ مگر افسوس کہ وقت گزر چکا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ رسول اللہؐ کے تربیت یافتہ ختم ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ابوسفیان والے مضبوط قدم جما چکے تھے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو قدم قدم پر جنگ کرنی پڑی۔ پھر وہی وقت آنکھوں میں پھرنے لگا جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں پر آ پڑا تھا۔ مگر اللہ کے شیر نے رسول اللہؐ کے تربیت یافتہ جرنیل نے کہیں دل نہ ہارا اور سب مشکلات کو سمیٹتا صفین کے میدان میں اس منزل پر ان بھیڑیوں کو گھیر لیا جو پہلے کفر کے نام سے اور اب اسلامی لباس پہن کر اسلام کو تباہ کر دینا چاہتے تھے۔

مگر ہائے افسوس مرتے مرتے یہ ابوسفیان کا گروہ جس کے گورو گھنٹال ابوسفیان کے جگر بند معاویہ اور عمرو عاص تھے سادہ لوح مسلمانوں کو چکمہ دے گئے۔ پھر چند روز کے بعد ایک سازش کے ذریعہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کو عین نماز میں شہید کرا دیا۔ اور ان کے صاحبزادے اور رسول اللہؐ کے جگر گوشہ حسن مجتبیٰؑ کے خلاف سازشوں اور رشوتوں کے بازار گرم کر کے اسلام کی مرکزیت کو قبضہ میں لے لیا اور پورے

شہنشاہ بن کر کھلم کھلا اللہ کے نیک بندوں کو آہستہ آہستہ قتل، پھانسی اور زہر کے ذریعہ ختم کرنا شروع کیا اور بدوں اور ظالموں کو پروان چڑھانا شروع کیا تاکہ اسلام کے سچے فدائی اور اس کی روحانیت کے شیدا ختم ہو جائیں اور یہ نظام ہی درہم برہم ہو جائے اور ہم پھر اپنے آبائی طریقوں پر لوٹ جائیں اور سب کو لوٹا لے چلیں۔

معاویہ کے عہد میں ہر وقت تفتیش جاری تھی جس شخص میں اسلامی محبت کی جھلک نظر آتی، اول تو اس کو رشوت اور روپے کے زور سے خریدا جاتا ورنہ اس پر حکومت کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر تختۂ دار پر کھینچ دیا جاتا ورنہ آخری خاموشی حربہ زہر کے استعمال سے اسکو سلا دیا جاتا۔ معاویہ جب بہت حد تک کامیاب ہو چکا تو اس نے دیکھا کہ سب کام درست ہو گیا مگر رسول اللہؐ کے گھر والے ابھی باقی ہیں۔ وہ آسانی سے اسلام اور اس کی روحانیت سے منہ نہ موڑیں گے لہٰذا سب سے پہلے ہمارے آقا و مولا رسول اللہؐ کے گھر پر ہاتھ صاف کیا یعنی ان کے فرزند جگر بند حسن مجتبیٰؑ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسینؑ پر بھی طرح طرح سے جال ڈالے۔ کبھی دولت کا پھندا لگایا۔ کبھی سختی و نرمی کرکے دھمکاتا اور پھسلاتا رہا۔ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد رسول اللہؐ کے گھر والے بہت محتاط ہو گئے تھے اس لیے زہر والا حربہ تو نہ چل سکا۔

معاویہ جو کچھ چاہتا تھا اس کے سب سامان تو ضرور فراہم ہو گئے تھے مگر کھلم کھلا اسلام کا جوا اپنی اور سب کی گردنوں سے اتار کر عہدِ کفر نہ منا سکتا تھا کہ ملتا دنیا سے چلا گیا مگر اپنے اوباش، بدقماش اور رنگیلے بیٹے یزید کو سب اتار چڑھاؤ بتا گیا۔ اس فاسق و فاجر شرابی کبابی فرزند کو اپنے بعد بذریعہ وصیت ولیعہد بنایا۔ اپنے ہم خیال چند پرانے پاپیوں کو بٹھا کر شوریٰ کرا کے

بھی اس کو امیر منتخب کرایا۔ پھر عام مسلمانوں سے خوشی خوشی یا بہ ناراضی بیعت کرائی۔ تاکہ اجماع کی سنت بھی پوری ہو جائے اور پھر ساری فوج، خزانے، ہتھیار اور اختیار اس کو دے کر اس کا غلبہ بھی کرا دیا۔ اور مکمل اندھیر تو یہ تھا کہ ہر مسلمان کو بیعت کے وقت عہد کرنا پڑتا تھا کہ ہم یزید کے ہر حکم کی اطاعت کریں گے۔

جب یہ چاروں چولیں درست بیٹھ گئیں اور خلافت کی چوکی آراستہ ہو گئی تو ابوسفیان کا سپوت پوتا تختِ خلافت پر جلوہ گر نظر آیا اور فتح مکہ کے دن جس جوئے کو بالاکراہ اپنے کندھوں پر رکھا تھا اس کے اتار پھینکنے کا وقت آ لگا۔

یہ سب تو ہو گیا مگر ابھی ایک کانٹا کھٹک رہا تھا۔ یعنی رسول اللہ کے گھر والے ابھی اسی دین اور اسی چلن پر چل رہے تھے اور کچھ مسلمان بھی ڈرتے سہمتے ان کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یزید اس کانٹے سے بے خبر نہ تھا۔ شفیق باپ چلتے چلتے سب داؤ پیچ بتا گیا تھا۔ یزید نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی حاکم مدینہ کو لکھا کہ جگر گوشۂ رسولؐ ابنِ بتولؑ حسینؑ ابنِ علیؑ اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر فوراً میری بیعت لے لو۔ اگر انکار کریں تو ان کے سر اتار کر بھیج دو تاکہ یا تو دھمکی میں آ کر حسینؑ ہموار ہو جائیں کانٹا سرے سے ہی نکل جائے اور میدان صاف ہو جائے اور میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ اعلان کر دوں کہ ہم نے بنی ہاشم کا دین چھوڑ دیا اور اپنے آبائی دین پر واپس آ گئے اور یہ جیو اور جینے دو کا قصہ ہی پاک کر ڈالوں اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس پر عمل درآمد شروع ہو جائے اور اسلام کو ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دیا جائے مگر یزید پلید کا اندازہ غلط نکلا۔ جگر گوشۂ رسولؐ، فرزندِ بتولؑ، حیدرِ کرارؑ کا دلارا بیٹا حسینؑ ابنِ اسلام کی جان، عقل و حکمت کا نگہبان، صورت و سیرت میں رسول مقبولؐ کا آئینہ دار یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے پیارے نانا اور باپ کی تمام عمر کی محنت ایک آن میں کفر سے بدل دی جائے اور فقط سیاہوں کے

سفرناموں میں لکھا ہُوا باقی رہ جائے کہ عرب میں ایک دین جاری ہُوا تھا مگر پچاس سال بعد انھیں دینداروں نے خود ہی اس کو چھوڑ کر اپنا آبائی کفر اختیار کر لیا تھا۔

حسینؑ رحمۃ للعالمینؐ کا بیٹا ابرِ رحمت بن کر اٹھا اور جھوم کر اٹھا۔ اس فاسق و فاجر کی بیعت و اطاعت کو ٹھکرا دیا۔ اپنے نانا کے خدائی پیغام کو پھر دُہرایا اور سب کو سنایا اور اس اسلام نما کفر کے خطرات سے آگاہ کیا اور بتادیا کہ اللہ کا دین تو اسی اصول پر قائم اور دائم رہ سکتا ہے جو رسولِ عربیؐ نے جاری کیے تھے اور مرکز کی باگ ڈور تو متقین کے ہی ہاتھوں میں رہ سکتی ہے۔ تمہارے خود ساختہ اصول اجماع، نقص، شوریٰ اور غلبہ تو ایک بدترین فاسق و فاجر کے قدم بھی چوم سکتے ہیں مگر وہ خدائی اصول کہ تم میں وہی مکرم ہے جو متقی زیادہ ہے جو حق و باطل میں دیوار بن سکتا ہے، فاجر و فاسق کے بس کا نہیں ہے۔

حسینؑ نے اپنی مادرِ گرامی فاطمہ زہرا سیدۃ النساء کی گود میں محنت و ایثار سیکھا تھا۔ باپ کے سایہ میں فقر و فاقہ، شجاعت و قناعت کے درس لیے تھے۔ پیارے نانا رسول الثقلین سے علم و حکمت کا حصہ پایا تھا۔ چھپن سال تک رسول اللہؐ کے چلن پر چل کر زندگی گزاری تھی۔ دوربین نگاہ سے خود ساختہ زہر آگین چاروں اصول کو جانچ لیا اور سمجھ لیا کہ اب اگر ذرا بھی دیر لگی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ وہ اللہ کا شیر انگڑائی لے کر اٹھا علم و عرفان کا ترکش سنبھالا اور جن لوگوں نے صحیح زندگیاں رسول اللہؐ کے چلن پر گزاری تھیں انھیں پکارا اور میدان میں نکل آئے۔ مدینہ سے مکّہ اور مکّہ سے کوفہ ایک اللہ والوں کی پاک جماعت کو لیے جا رہے تھے۔ جگہ جگہ خطبے فرماتے اپنے باپ اور بھائی کے ضبط و تحمل کی گرہیں کھولتے پیغامِ حق سناتے، اپنی صورت و سیرت سے رسول اللہؐ کے نقش دکھاتے

چلے جا رہے ہیں۔ گویا سوتوں کو جگا رہے تھے۔ اونگھتوں کو اٹھاتے چلے جا رہے تھے بزدلوں اور سیاست سے دب جانے والوں کو بتا رہے تھے کہ دیکھو، دیکھو اپنی غفلت کا نتیجہ دیکھو۔ اسلام اور اس کی روحانیت دم توڑ رہی ہے۔

حسینؑ کے ساتھ بوڑھے بھی تھے اور جوان بھی۔ پردہ نشین عورتیں اور ننھے ننھے بچے بھی۔ مگر سب کے سب صحیح اسلامی زندگیاں بسر کرنے والے چلے جا رہے تھے اور فقط اتنی مہلت لیتے جا رہے تھے کہ دنیا اور دنیا والے جاگ اٹھیں اور دیکھ لیں کہ یہ قادر انداز جماعت اس اسلام نما کفر کو کیسے شکار کرتی ہے۔

حسینؑ ایسے نپے تلے چلے جا رہے تھے جیسے ایک تجربہ کار شکاری اپنے شکار کے پیچھے بچا بچا چلتا ہے اور موقع دیکھتا چلا جاتا ہے کہ جب اس کا شکار پوری زد میں آ جائے تو بھرپور وار سے اس کو ختم کر دے حسینؑ نے میدانِ کربلا میں دیکھ لیا کہ اجماع، نص، شوریٰ اور غلبہ کے چاروں رنگین و زریں شکار زد میں آ گئے۔ اب وہ وقت ہے کہ ایک ہی تیر سے چاروں کو بیندھ لوں اور دنیا کو دکھا دوں کہ میرے باپ اور بھائی جو مجھ سے بھی افضل تھے اور مجھ سے زیادہ دوربین اور دوررس تھے مگر ان کے سامنے یہ چاروں رنگین شکار زد میں نہ آتے تھے اس لیے اپنا ترکش خالی نہ کرتے تھے۔

میدانِ کربلا میں حسینؑ نے وہ کام کیا اور وہ کام کر کے دکھا دیا کہ اپنے اور پرائے قیامت تک اس کو بھلا نہیں سکتے۔ کفر کا بُت منہ کے بل آ پڑا اور قیامت تک کی جڑ آئیں ختم کر دیں۔ اب کسی کی کیا مجال جو رسول اللہؐ کا جانشین بن کر اسلام کو کفر سے بدلنے کا نام لے سکے۔ خواہ خود اپنی ذات سے کچھ بھی کیوں نہ کرتا پھرے مگر اصول کو بدلنے کا نام نہیں لے سکتا۔ حسینؑ نے دوبارہ اصولِ اسلام کو

قائم کر دیا اور بتا دیا کہ دین اور سیاست علیحدہ نہیں ہو سکتے ؎

ہوئی دین و دنیا میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری

اگرچہ میدانِ کربلا رسول اللہؐ کے خون اور فاطمہؑ کے دودھ سے رنگین ضرور ہو گیا مگر ایثار، قربانی اور خسارے کی سب سے بڑی مثال قائم کر کے بتا دیا کہ جب حق پر حرف آنے لگے یا حق مٹنے لگے تو یوں بچا لیا کرتے ہیں۔

حسینؑ نے ایک ایسا روشن اور بلند مینار اس صحرائے کربلا میں کھڑا کر دیا جو قیامت تک حق پر چلنے والوں اور راہِ حق تلاش کرنے والوں کو راستہ دکھاتا رہے گا۔ دنیا اور دنیا والے جب تک چاہیں اپنے خود ساختہ اصول بناتے رہیں اور اس پر چل چل کر ٹھوکریں کھاتے رہیں مگر جب راہِ حق پر چلنا چاہا گیا گے تو یہ مینار ان کو صاف اور سیدھا راستہ بتا دے گا۔ بقول ڈاکٹر اقبال ؎

مری نگاہ نہیں سوئے شام اور بغداد
کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد

نیکی اور بدی کی جنگ ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہے گی۔ بدی شکست پر شکست کھاتی ہے مگر باز نہیں آتی۔ جس طرح برا آدمی ہار کر بھی برائی سے باز نہیں آیا کرتا اسی طرح کفر کی رگِ گردن تو میدانِ کربلا میں توڑ دی گئی۔ اب کفر اپنا سر تو کبھی بلند نہ کر سکے گا مگر ہاتھ پاؤں ضرور مارے جاتا ہے اگرچہ اس کربلا والے بلند قطب نما مینار کو گرا نہیں سکتا مگر نیکی کے خواستگاروں کی توجہ اس سے ضرور ہٹانا چاہتا ہے اور یہ پرانا شکاری ہر سال نیا جال بنا کر لاتا ہے۔ کبھی اس واقعہ کو تہلکہ کہتا ہے کبھی ذکرِ حسینؑ کو بدعت بتاتا ہے کبھی وہ سامان جو اشاعتِ ذکرِ حسینؑ میں صرف ہو اس کو رفض سے تعبیر کرتا ہے اور ایسی

تصانیف کا انبار لگا دیتا ہے جس میں گٹھلیاں اور بیر اس طرح مل جائیں کہ حق و ناحق کی تمیز ہی جاتی رہے۔ غرض کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو راہِ راست سے ہٹانا چاہتا ہے مگر یہ مینارہ تو روشن ہی رہے گا اور اگلے پچھلے سب کچے چٹھے دکھا کر راہِ ہدایت بتاتا ہی رہے گا۔ اسی میدان کے دانائے راہ جناب خلیفہ سید محمد ہاشم صاحب قبلہ نے اپنی اور پرائی سب تاریخوں اور کتابوں میں غوطے لگا کر دُرِ شہوار نکالے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایک سدا بہار ہار پرو کر ناموسِ اسلام کو سجایا ہے کہ یہ کتاب بھی قمقمۂ ہدایت ہی کا کام دے گی اور رسولِ عربیؐ کے چاہنے والے خلیفۂ ممدوح کا شکریہ ادا کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

دعا کا محتاج

طاہر نبیرہ آزاد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَعَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

الحمدللہ کہ میری ناچیز تالیف "ناموسِ اسلام" المعروف بہ "شانِ حسینؑ" کا حصہ اول طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ علمائے عالی منزلت اور برادرانِ اسلامی و ایمانی نے میری اس ناچیز خدمتِ حسینی کو پسندیدگی کا شرف بخشا اور اس ہیچمدان کی عزت افزائی فرمائی۔

اس حصۂ اول میں جس طرح اسلام محمدی اور تعلیم رسولؐ کی افضلیت و برتری کو ظاہر و باہر کیا گیا ہے اسی طرح جانِ رسول حسین مظلومؑ کی شخصیت اور شان کو بھی نمایاں کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حسینؑ نے اپنے نانا کے دین اور حقیقی اسلام کو قیامت تک کے لیے زندہ بنا دیا اور دنیا کو یہ دکھا دیا کہ حقیقی اور روحانی اسلام کیا ہے اور اس ظاہری نام کے سلطنتی اور قومی اسلام کو اس حقیقی اور روحانی اسلام سے کس قدر تفاوت ہے جو خدائی دین کہلاتا ہے اور یہ کہ وہ سچا اسلام اور اصلی دین جس کی تعلیم رسولؐ نے فرمائی تھی اور جس کو خدائے جلیل نے اپنا دین (اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ) فرمایا اور جو فی الواقع حکومت و خلافتِ الٰہی اور حقیقی سلطنت و ریاستِ محمدی ہے کیونکر وہ مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے

تباہ و برباد ہوا اور کس طرح ان کے درمیان گم ہو کر رہ گیا - اسی کی خبر قرآن میں اس طرح دی گئی ہے - مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (محمدؐ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے بھی خدا کے رسول گزر چکے ہیں پس اگر محمد مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو اے مسلمانو کیا تم پھر اپنے پچھلے پیروں پلٹ جاؤ گے) رسول عربی کے بعد مسلمان کیونکر اور کس وجہ سے حقیقی اسلام اور سچی تعلیم محمدی کو چھوڑ بیٹھے ایک نہایت اہم سوال ہے لیکن اگر اسلامی تاریخ کو تحقیقی نظر سے دیکھا جائے گا تو بہت آسانی سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اس حقیقی اسلام کو مٹانے والے اور ان سچے حامیان دین کو جن کی شان میں فی صدور الذین اوتوا العلم ہے تباہ و برباد کرنے والے بنی امیہ ہیں جنھوں نے ایک دن ان لوگوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا جن کو رسول عربی نے تمام مسلمانوں کی ہدایت کے لیے کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ رکھا تھا جیسا کہ حدیث ثقلین میں ہے - ایہا الناس انی تارک فیکم الثقلین[1]

---

[1] دیکھو صحیح مسلم - ترمذی ص۱۹-۲۰ صواعق محرقہ ص۹۰ و ۱۳۶ - ارجح المطالب - خصائص کبریٰ - کنز العمال - تاریخ الخلفاء ص۱۲۲ - ازالۃ الخفاء - مسند احمد حنبل - طبرانی - اصول کافی شیعی - تفسیر صافی - حیات القلوب - اکمال الدین - مشکوٰۃ ص۵۶۰-۵۶۱ - ینابیع المودۃ علامہ قندوزی ج۳ تا ص۳۹ - تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۲۲ - خصائص کبریٰ سیوطی - ازالۃ الخفا شاہ عبدالحق دہلوی - کنز العمال - دراسات اللبیب ملا محمد معین مشہور و مستند علماء اہل حدیث از فتوحات مکیہ علامہ محی الدین عربی وغیرہ وغیرہم نے ستر سے زیادہ طریق پر یہ مسلمہ ثقلین حدیث شریف تواتر کے ساتھ بیان کی گئی ہے - دراسات اللبیب میں اسی ضمن میں کئی اور حدیثیں عصمت و طہارت ائمہ اثنا عشر و آیۂ تطہیر آیۂ مباہلہ آیۂ خمس اور وراثت جناب رسول کے متعلق بھی روشنی ڈالی ہے از ص۲۲۶ تا ص۲۴۲ - درس ششم - ہدایت السائل ص۸ صدیق حسن خاں بھوپالی -

کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتّٰی یردا علی الحوض - اور جن کے راس و رئیس کے متعلق فرمایا تھا القرآن مع العلی والعلی مع القرآن - اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مقدس ہستیوں اور دینِ مبین کے سچے حامیوں کو قتل و غارت کرنے والے اور ان سے ترکِ موالات کا بیڑا اٹھانے والے بنی امیہ اور بنی امیہ میں مخصوص آلِ ابوسفیان ہے -

تاریخیں بتا رہی ہیں، واقعات دکھا رہے ہیں اور حدیث و سیر کی کتابیں ظاہر کر رہی ہیں کہ یہ خاندان بنی امیہ اسلام کا قدیمی دشمن اور رسولِ الٰہی اور ان کی آلِ اطہار کا پکا جانی اور جان و مال و آبرو کا بدخواہ تھا - ان کی جو حالت اسلام سے قبل تھی وہی اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہی - یہی وہ لوگ تھے جو حالتِ کفر میں اسلام کے مٹانے اور چراغ ہدایت کے بجھانے میں کوشاں رہے - یہی تھے جنھوں نے اسلام کا بھیس بدل کر اسلام کی بیخ کنی کی - یہی تھے جنھوں نے حکومت و سلطنت کی ہوس میں اسلام کی نعمتِ الٰہیہ کو کفر سے بدلا - اور دینِ الٰہی کی حقیقی روحانیت و حریت کو ملیا میٹ کر کے فانقلبتم علیٰ اعقابکم کا مصداق اپنے کو ثابت کیا (دیکھو تفسیر دُرِ منثور علامہ جلال الدین سیوطی پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم ص۸۴ زیر تفسیر آیۂ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفراً) (کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا) بخاری، ابن جریر، ابنِ منذر اور ابن مردویہ جلیسے علمائے جلیل القدر نے حضرت خلیفۂ دوئم عمر ابن الخطاب سے نقل فرمایا ہے کہ جناب خلافت مآب نے اس آیۂ مجیدہ کی تفسیر میں یوں ارشاد فرمایا ہے - قال ھما الافجران من قریش بنو المغیرۃ و بنو امیہ فاما بنو المغیرۃ فکفیتموھم یوم بدر و اما بنو امیہ فمتعوا الی حین (قبیلۂ قریش سے

دو فاجر گروہ بنی مغیرہ اور بنی امیہ ہیں جنھوں نے دین الہٰی کی نعمت کو کفر سے بدلا بنی مغیرہ جنگِ بدر میں تمام ہو گئے مگر بنی امیہ ابھی تک باقی ہیں) دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس نے حضرت عمر سے اسی آیت کی تفسیر کو دریافت کیا کہ وہ فاجر و کافر کون ہیں جن کی طرف اس آیۂ مجیدہ میں ربِ جلیل نے ارشاد فرمایا ہے حضرت عمر نے فرمایا ھما الافجران من قریش اخوالی و اعمامك (یہ دونوں فاجر قبیلے قریش کے میرے ماموں زاد بھائی اور تیرے چچا زاد ہیں) یعنی بنی مغیرہ اور بنی امیہ سو ان میں سے میرے ماموں زاد بھائیوں کے قبیلے کا تو خاتمہ ہی ہو چکا مگر تیرے چچا زاد بھائیوں کا قبیلہ یعنی بنی امیہ باقی ہے۔

نیز اسی تفسیر درِ منثور سیوطی میں ابن جریر ابن منذر ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ سے بطریق صحیح حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ سے بھی اسی طرح کی روایات نقل کی گئی ہیں کہ حضرت نے بھی اس آیۂ مجیدہ کی تفسیر میں ایسا ہی ارشاد فرمایا جیسا کہ حضرت عمر نے یعنی دینِ الہٰی کی نعمت کو چھوڑ کر بنی امیہ اور بنی مغیرہ نے کفر کو پھر اختیار کر لیا۔ اصلی عبارت حدیث یہ ہے۔ عن علی ابن طالب فی قولہ تعالیٰ الم تر الی الذین بدلوا قال ھما الافجران من قریش بنوا امیہ وبنوا المغیرہ فاما بنوا المغیرہ فقطع اللہ دابرھم یوم بدر واما بنوا امیہ فمتعوا الی حین۔

بروایت ابن مردویہ علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے دینِ خدا کو کفر کے ساتھ بدل ڈالا وہ فاجر ترین قریش بنو امیہ اور بنی مخزوم قبیلۂ ابو جہل سے ہیں (تفسیر درِ منثور) نصائح کافیہ صفحہ ۲۷ پر ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خط میں معاویہ کو تحریر فرمایا۔ دخلت فی الاسلام کرھًا وخرجت منہ طوعًا (تو نے اسلام کو کراہت سے قبول کیا تھا اور پھر بخوشی اسلام سے

نکل گیا) ابن اثیر لکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام نے معاویہ سے فرمایا۔ طلیق بن طلیق حزبٌ من الاحزاب لم یزل حرباً للّٰہ ولرسولہٖ ھو وابوہ حتیٰ دخلا فی الاسلام کارھین (یعنی وہ آزاد کردہ (غلام) اور آزاد کردہ کا بیٹا ہے اور ایسے گروہ سے ہیں جو ہمیشہ خدا اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرتے رہے اور جب دونوں باپ بیٹے ظاہری طور سے مسلمان ہوئے تو کراہت کرتے ہوئے یعنی مجبوراً)

نیز خطیب نے مسور بن مخرمہ سے نقل کیا ہے کہ عمر بن خطاب نے عبدالرحمٰن بن عوف سے فرمایا۔ الحسیکن فیما نقرءُ فاقتلوا فی اللّٰہِ فی آخر مرۃٍ کما قاتلتم اوّل مرّۃٍ قال فمتی ھو ذلک قال اذا کانت بنوامیۃ الامراء وبنوالمخزوم الوزراء (کیا جس چیز کو ہم پڑھتے ہیں (قرآن مجید) اس میں یہ نہیں ہے کہ جہاد کرو یا مقاتلہ کرو۔ خدا کی راہ میں آخر مرتبہ بھی جیسا کہ دین الٰہی کے لیے پہلے تم نے جہاد کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا کہ یہ کب ہوگا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا جب بنی امیہ امیر ہو جائیں گے اور بنی مخزوم وزیر (دیکھو نصائحُ کافیہ صہ ۲۵)

صاحب نصائحُ کافیہ نے صہ ۱۰۶ پر تفسیر نیشاپوری سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ "عرب کے شریر ترین قبیلے بنی امیہ، بنی حنیفہ اور بنی ثقیف ہیں" اور نعیم نے اپنی کتاب فتن میں یوں نقل کیا ہے کہ بجالہ سے مروی ہے کہ میں نے عمران بن حصین (صحابی) سے کہا۔ حدثنی من ابغض الناس الی رسول اللّٰہ قال اتکتم حتی الموتِ قلت نعم قال بنوامیہ وثقیف وبنوحنیفہ (بتا کہ رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ بغض رکھنے والے کون ہیں؟ عمران نے کہا کیا تو مرتے دم تک اسے

پوشیدہ رکھے گا۔ میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہوگا۔ آپ کا نام ظاہر نہ کیا جائے گا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ بنی امیہ و بنی ثقیف و بنی حنیفہ ہیں)

دیکھا آپ نے یہ ہے امیر معاویہ اور بنی امیہ کا پروپیگنڈا اور خوف کہ اصحاب رسولؐ اور راویان حدیث نبوی بنی امیہ کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے۔ فضیلت کے سلسلے کی احادیث کو بیان نہیں کر سکتے۔ قتل و غارت کا ڈر اور جان و مال کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

حافظ ابو نعیم حضرت امیرالمومنین علیؑ اور ابن مسعود (رسول خداؐ کے مشہور جامع قرآن صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ لکُلّ دین آفۃ و آفۃ ھٰذا الدّین او ھٰذہ الامّۃ بنو امیّہ (ہر دین کے لیے ایک آفت ہے اور میرے دین یا امّت کے لیے بنو امیہ کا وجود آفت ہے) نصائح کافیہ ص۱۰۶

نعیم بن حماد اور حاکم نے مستدرک میں ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ انّ اھل بیتی سیقتلون بعدی من امّتی قتلاً و تشریداً و ان اشدّ قومنا لنا بُغضاً بنو الامیّہ و بنو المغیرہ و بنو المخزوم (میرے بعد میری امت کے لوگ میرے اہل بیت کو قتل کریں گے، گھروں سے نکالیں گے اور کوئی قوم ہمارے ساتھ بغض و عناد اور دشمنی کرنے والی بنی امیہ، بنی مغیرہ اور بنی مخزوم سے زیادہ نہیں ہے) نصائح کافیہ ص۱۰۶

نیز حاکم نے ابو برزہ سے نقل کیا ہے کہ انّ ابغض الاحیاء او الناس الی رسول اللہ بنو امیّہ (رسول اللہؐ کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے بنی امیہ ہیں) نصائح کافیہ ص۱۰۶۔ صاحب صواعق محرقہ نے بھی اس حدیث کو

اپنی کتاب کے ص۱۴۲ پر درج کیا ہے۔ نیز کنز العمال ملا متقی۔ تفسیر نیشاپوری تطہیر الجنان ابن حجر مکی ص۱۴۳۔

جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جس کی شان میں رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ما اظلت الخضراءُ ولا اقلت الغبراءُ ذی لھجۃٍ اصدق من ابی ذر (نہ آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ کیا ہے اور نہ زمین نے کسی ایسے شخص کو اٹھایا ہے جو ابوذر سے زیادہ سچا اور صادق کلام کرنے والا ہو) اس بزرگوار نے حضرت عثمان خلیفہ سوئم کے دربار میں حضور سرورِ عالمؐ کی جس حدیث کو بیان فرمایا ہے وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔ ابن واضح اپنی تاریخ میں اور علامہ مسعود مروّج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جب خلافت ثالثہ کے زمانہ میں حضرت ابوذر کو معاویہ کی شکایت کرنے پر شام سے واپس بلایا گیا اور معاویہ نے ان کو ایک، ایسے اونٹ پر بٹھا کر روانہ کیا جس کا پالان سخت کھُرا اور تکلیف دہ تھا جس کی وجہ سے حضرت ابوذر کی دونوں رانیں زخمی ہو گئی تھیں تو اس حالت میں مدینہ پہنچکر حضرت ابوذر نے حضرت عثمان کے دریافت کرنے پر اُن کے روبرو رسول اللہؐ کی اس حدیث کو بیان فرمایا کہ جس وقت بنی امیہ کے مردوں کی تعداد تیس تک پوری) ہو جائے گی اس وقت وہ خدا کے شہروں کو مالِ غنیمت اور خدا کے بندوں کو لونڈی غلام سمجھیں گے اور خدا کے دین کو محض مکاری اور ظاہر داری سے اختیار کریں گے (تاریخ احمدی ص۱۴۵)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ کے نفاق و عداوت اہلبیت اور حقیقی اسلام سے بے بہرگی کے متعلق وہ تمام احادیث رسولؐ جمع کی جائیں جو علمائے جلیل القدر نے اپنی اپنی کتب وسیر و حدیث میں درج فرمائی ہیں تو یقیناً ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ ان تمام احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ بنی امیہ کو اسلام سے دور

کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہ لوگ ہوا و ہوس کے بندے، جاہ و منصب کے خواستگار، خود غرضی و نفس پرستی کے شکار، عیش و نشاط کے دلدادہ، حریّت و مساواتِ اسلامی کے پکّے دشمن اہل بیتِ رسولؐ کے خون کے پیاسے، کتاب و سنت سے بے خبر، حسد و کینے سے پُر تھے۔ انھوں نے خاندانِ رسالت کے تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حسین علیہ السلام کی عظیم الشان شہادت اور دینِ اسلام میں ایک ہولناک تہلکہ کے باعث یہی عاقبت برباد بنی امیہ تھے۔

ہم اپنی اس کتاب میں بے شمار دلائل و شواہد سے یہ بات ثابت کریں گے کہ اسلام میں آج جو کچھ اختلافات نظر آ رہے ہیں وہ سب اسی بدبخت گروہ بنی امیہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ہم واقعاتِ صحیحہ کے ضمن میں اس قبیلے کے بد اوصاف اور آلِ محمدؐ کے نورانی صفات پر بھی انشاء اللہ کافی روشنی ڈالیں گے جس کے بعد ہمارے ناظرین پر بخوبی ثابت ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے۔

پہلے زمانے کے لوگوں پر منحصر نہیں اس زمانے کے محققین و مورخین نے بھی بنی امیہ کے فتنہ و فساد برپا کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب تحریکِ الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں "خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ کا دورِ فتن و بدعات شروع ہوتا ہے جنھوں نے نظامِ حکومتِ اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔" ص ۲۶

ایک دو نہیں سینکڑوں انصاف پسند مورخین و محققین اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ اسلام کے ظاہری پردے کی آڑ میں بنی امیہ نے دینِ الٰہی کو وہ عظیم الشان صدمہ پہنچایا ہے اور مسلمانوں میں وہ فتنہ و فساد برپا کیا ہے جس کے بیان کرنے کے لیے بہت سا وقت اور بڑا دفتر درکار ہے۔ بہرحال جہاں تک ہم سے ہو سکے گا۔ ان واقعات کو روشنی میں لائیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

راقم عبدہٗ الآثم

سید محمد ہاشم (مرحوم)

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ الطیّبین الطّاہرین

خلقتِ انسانی پر غور کرنے والے حضرات اور علم تشریح کے جاننے والے اصحاب بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ انسان جو موجودات عالم میں اشرف المخلوقات اور خلاصہ موجودات ہے اپنے خالق حقیقی اور صانع ازلی کی صنعتِ کاملہ کا ایک ایسا عجیب و غریب مجسمہ اور بے مثل و بے نظیر مجموعہ ہے کہ مخلوقاتِ عالم کے گوناگوں جلوے اور مصنوعاتِ الٰہی کے رنگا رنگ منظر اس میں نظر آتے ہیں۔ سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ۔

دنیا کے سب سے بڑے فلاسفر نے جو باب العلم کے لاثانی خطاب کا حقیقی مستحق ہے۔ وجود انسانی کے فلسفہ پر کس خوبی سے اپنے چند فصیح و بلیغ اور بے مثل و نظیر الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ بڑے بڑے روشن دماغ حکیموں اور عدیم المثال فلاسفروں کی موجودہ تحقیقاتِ علمی کو تیرہ سو برس پہلے کس خوبی سے بیان فرما گیا ہے۔ فرماتا ہے ؎

دواءک فیک وما تشعر — وداءک منک ولا تبصر
وانت الکتاب المبین الذی — باحرفہ یُظہرُ المضمر
اتزعم انک جرمٌ صغیرٌ — وفیک انطوی العالم الاکبر

(دیوان جناب امیرؑ)

(ترجمہ) "اے انسانِ خاکی تو نہیں جانتا کہ تیرے مرض کی دوا بھی اسی طرح تیرے اندر موجود ہے جس طرح تجھے علم نہیں کہ تیری بیماری بھی تجھی سے پیدا ہوتی ہے۔ اے انسان تو اپنے خالق کی ایک ایسی روشن کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف سے کائنات کے سربستہ راز اور توحید کے پوشیدہ اسرار جلوہ نما ہوتے ہیں۔ کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک ننھا منھا چھوٹا سا کیڑا ہے (نطفۂ انسانی میں چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جو خوردبین ہی سے نظر آسکتے ہیں۔ وہی اس زمانہ کے محققین کی رائے میں وجودِ انسانی کی اصل ہیں) حالانکہ تیرے خالق و مالک نے بڑے بڑے عالم تیرے اندر جمع فرما دیے ہیں۔"

بلاشک ایک عارفِ کامل اور ایک محقق فلاسفر اپنی چشمِ بصیرت میں اور ایک حکیم حقیقت آشنا اپنی عینِ حقیقت بین میں وجودِ انسانی کے اندر اپنے خالقِ ازلی اور صانعِ حقیقی کے انوارِ قدسیہ کا جلوہ دیکھتا ہے اور یقینِ کامل کے جام پی کر جذباتِ معرفت سے مست ہو جاتا ہے۔ اور اسی عالمِ بے خودی میں پکار اٹھتا ہے۔ لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا (اگر یہ تمام مادی پردے میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تب بھی میرے موجودہ یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی) پھر وہی حکیم روحانی اور معلمِ لاثانی حصولِ معرفتِ الٰہی کا یہ صحیح اور زرّیں اصول تعلیم فرماتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

پس یہ انسان ضعیف البنیان جس طرح روحانی اور ملکوتی صفات کا دانا ہے اسی طرح حیوانی اور شہوانی خاصیتوں سے بھی مرکب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آدمی زاد طرفہ معجونیست ! از فرشتہ سرشتہ و ز حیواں
گر کند میل ایں شود بد از اں گر کند میل آں شود بہ ازاں

جس طرح جذبۂ ملکوتی اور جوہر روحانی جو حقیقت میں انسان کامل بنانے کا اصلی جوہر اور اشرف المخلوقات بننے کا حقیقی راز ہے۔ ہر انسان کی سرشت میں ڈالا گیا ہے اسی طرح حیوانی جذبے اور شہوانی قوتیں بھی جو جسم کی بقاء کے لیے لازمی ہیں خلقتِ انسانی میں خمیر کی گئی ہیں۔ اسی طرح اخلاقِ فاضلہ کے ساتھ ساتھ اخلاقِ رذیلہ کو بھی فطرتِ انسان میں برابر کا سہیم و شریک بنایا گیا ہے۔ پس اگر انسان اس جذبۂ حیوانی اور قوائے شہوانی کو صرف تنظیم عالم اور بقائے جسمانی ہی کے لیے تحتِ جوہرِ عقل کام میں لاتا رہے تب تو انسانِ کامل کہا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔ جب اپنی ہر حرکت و سکون ہر قول و فعل میں اپنے خالق عادل کے منشاء اور حکم عدل و انصاف کے مطابق کاربند ہوگا تب ہی اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے ورنہ نہیں۔

عدالت وجہِ بقائے عالم ہے :

کون اس بات کو نہیں جانتا کہ تمام نظامِ عالم دامنِ عدالت سے وابستہ ہے یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہی عصمت و عفت کا سربستہ راز ہے۔ یہی روحانی ترقی کا زینہ ہے۔ یہی بقائے حیاتِ انسانی کا سرچشمہ ہے۔ دنیا کی بحالی اسی پہ منحصر ہے عالم کی تنظیم اسی سے وابستہ ہے۔ تمدن میں اسی سے رونق ہے۔ معاشرت میں اسی کی بہار ہے۔ دنیا کی ترقی اور آخرت کی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وجود انسانی کی عمارت دم بھر کے لیے باقی نہیں رہ سکتی بلکہ انسان عدم سے وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ اسی کی طرف کلامِ الٰہی میں یوں اشارہ کیا گیا ہے۔ ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسواک فعدلک و

فی ای صورۃ ما شاء رکبک (سورۂ انفطار) سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ اگر ایک طرف عظمت و جلال کی تجلیاں چمکتی ہیں اور قدرت و اختیار کامل کے جلوے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف محبت و رحمت کے پھول جھکتے ہیں اور علم و حکمت کے چشمے ابلتے ہیں۔ اپنی ناچیز مخلوق کو کس محبت اور پیار سے خطاب فرمایا جاتا ہے۔ (ترجمہ) "کیوں اے ہماری مخلوق انسان کس چیز نے تجھے مغرور کر دیا ہے اور کس بات پر تو نے اپنے پروردگار کے مقابلہ میں دھوکہ کھایا ہے۔ تیرا پالنے والا کریم مطلق وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے اعضاء و جوارح سے مکمل بنایا۔ پھر تیری تعدیل فرما کر تمام اخلاط و عناصر جسمانی اور اجزائے بدنی کی ترکیب میں صورتِ عدل قائم فرما کر جس صورت میں چاہا اور جو شکل مناسب سمجھی اسی پر تجھے ترکیب دے دیا۔"

پس خالقِ کون و مکان کے اس کلام معجز نظام سے بخوبی ظاہر ہے کہ انسانی خلقت کی بنیاد عدالت پر قائم فرمائی گئی ہے بلکہ اگر چشم بصیرت اور نگاہِ تدبر سے دیکھا جائے تو کائنات کے ذرے ذرے میں اس عادلِ حقیقی کے فیضِ عدالت کے جلوے یقیناً نظر آئیں گے اور جس طرح ہر ایک ہستی اپنے خالق و مالک کے وجود کی شہادت دے رہی ہے اسی طرح ہر چیز اپنی صورتِ عدلی اور ہیئتِ خلقی میں اپنی زبانِ بے زبانی سے اسی عادلِ مطلق کی حکمتِ کاملہ کے گن گاتے سنائی دے گی۔

بیشک عدالت ہی دینِ اسلام کا اصول ہے اور عدالت ہی خلافتِ الٰہیہ کا راز ہے۔ عدالت ہی دینِ محمدی کی جان ہے۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (بیشک اللہ عدل و احسان کا حکم کرتا ہے) اسی پر شاہد ہے اور حدیث اُمرتُ ان اعدل بینکم (مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے

درمیان عدل کروں) اسی پر دال ہے۔ آیۂ انک لعلیٰ خُلقٍ عظیم (اے رسولؐ تو بیشک خلقِ عظیم پر ہے) اسی کی تفسیر ہے۔ قرآنِ مجید اور فرقانِ حمید اسی کی تشریح ہے۔ یہی خلقِ محمدی ہے اور یہی کتابِ عدالت ہے اور صحیفۂ ہدایت۔

عدالت کے معنی :

علماء نے عدالت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ وضع الشئ فی محلہا (کسی شئے کا اس کے محل اور موقع پر رکھنا) بے شک اس سے زیادہ جامع و مانع الفاظ میں عدالت کی تعریف ہو بھی نہیں سکتی۔ بیشک کوئی کام، کوئی فعل کوئی شخص اور کوئی شے جس مقام، جس محل اور جس وقت کے لیے اہل اور موزوں ہے اسی وقت اور اسی مقام پر رکھا جائے تو عدالت ہے۔ یہی اس عادل مطلق کا منشاء ہے۔ یہی دین محمدی ہے۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اسی کے لیے بعثتِ انبیاء ہے اور یہی اِنّی بُعِثتُ لاُتمّم مکارم الاخلاق (میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کو پورا کردوں) کے معنی ہیں۔ امر بالمعروف اسی کی دلالت ہے۔ نہی عن المنکر اسی کی حفاظت ہے۔ پس خدا کے اس قانون کو توڑنا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ہی ظلم ہے۔ وضع الشئ فی غیر محلہا (کسی شئے کا اس کے محل کے خلاف رکھنا) کا یہی مطلب ہے۔ بیشک ان الشرک لظلمٌ عظیم (شرک سب سے بڑا ظلم ہے) کسی مخلوق کو اس خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک قرار دینا، اس کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اور اس کی ہدایت سے منہ موڑنا سب سے بڑا ظلم ہے اور عظیم ترین شرک ہے۔ دنیا کے تمام مظالم کی بنیاد اسی ظلم سے شروع ہوتی ہے۔ پس جس طرح مخلوق کا دعویٰ خالقیت اور

بندہ کا دعویٰ معبودیت شرک باللہ اور ظلم عظیم میں داخل ہے۔ اسی طرح قانون الٰہی کو چھوڑ کر اور حکم الٰہی کے خلاف جذبۂ حیوانی اور قوائے شہوانی کی پیروی کرنا اور ملکوتی اور روحانی صفات کو مغلوب کر کے اپنی نفس پرستی کے لیے دنیا کی ناجائز دولت حاصل کرنا اور بغیر استحقاق کسی نااہل ماموُر کو امیر بننے کا جھوٹا دعویٰ کرنا کسی محکوم کو حاکم بننے کا غلط شوق پیدا ہونا غلام کو آقا کہلانے کی خواہش یہ سب باتیں سراسر ظلم، قانونِ فطرت کا گناہِ عظیم اور دنیا کا بدترین اور سنگین جرم ہے۔ جو نااہل و ناقابل ہستیاں نفس پرستی کے غلبہ سے اپنی بے جا خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ قانونِ الٰہی کو توڑنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے خوگر ہیں وہی یقیناً ظالم، خدا کے گنہگار، دنیا کے مجرم اور لعنت کے مستحق ہیں۔ لعنۃ اللہِ علی الظالمین۔

حسد و ظلم کی پُردرد کہانی:

محققینِ علمِ تاریخ، زمانۂ سلف کے حالات جاننے والے اور تاریخ و سیر کی ورق گردانی کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ابتدائے عالم سے خدا کی برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ جو بغض و کینہ اور اربابِ علم و دیانت کے ساتھ مخالفت، مُصلحانِ قوم و ملک سے عداوت، رسولانِ الٰہی پر ظلم و جور، قتل و غارت، طرح طرح کی مصیبتیں، گوناگوں اذیتیں اور دنیا میں جنگ و جدال، فساد و عناد، ظلم و تشدد کے واقعات جو کچھ بھی ہوتے رہے اور جتنی ظالمانہ خونریزیاں عمل میں آئی ہیں ان سب کی بنیاد بے جا جاہ طلبی و نفس پروری اور بغض و حسد ہی پر تھی۔

آدم صفی اللہؑ

کی خلافت پر ابلیسِ لعین اور شیطانِ رجیم نے حسد کیا اور حکمِ خدا کی خلاف ورزی کر کے ہمیشہ کے لیے لعنت کا طوق گلے میں پہنا - یہی حسد تھا جس نے قابیل کے ہاتھوں سے بے گناہ ہابیل کا خون کرایا - یہ بات کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر زمانے میں ہوا و ہوس کے بندے شیطانی مجسمے اپنی عیش پرستی اور شہوت رانی کی دُھن میں پڑ کر وارثانِ ملکِ الٰہی، بزرگانِ دین اور ہادیانِ برحق سے حسد کرتے لڑتے جھگڑتے اور حکمِ خدا و رسولؐ کے خلاف فتنہ و فساد بر پا کرتے رہے ہیں۔ اور یہی وہ بدترین دُنیوی حکمران ہیں جن کے متعلق قرآن میں 'ائمۃ یدعون الی النّار' (وہ ایسے پیش رَو ہیں جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں) کہا گیا ہے - یہی وہ لوگ ہیں جو دنیا کے امن و امان کو تہ و بالا کر کے ضلالت کی راہوں میں اپنے بنی نوع کو چلاتے اور ہادیانِ برحق کے قتل و غارت پر بیڑے اٹھاتے رہے - نوح علیہ السلام نے نو سو برس تک پتھر کھائے (مجنون کا مکروہ خطاب سنا) ابراہیمؑ خلیل اللہ کو دہکتی آگ میں ڈالا گیا - سخت سے سخت مصیبتوں میں مبتلا کیا گیا - یعقوب علیہ السلام کو ان کے عزیز فرزند سے جدا کر کے اتنا رلایا گیا کہ وہ اندھے ہو گئے - یوسف علیہ السلام کو کنویں جھنکائے گئے (غلام بنا کر فروخت کیا گیا) زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا گیا - یحیٰی علیہ السلام کا سر کاٹا گیا، موسیٰ علیہ السلام کو گھر سے نکالا گیا، یوشع علیہ السلام سے بی بی صفورا نے جنگ کی - خلافت موسوی پر ان سے نزاع کیا گیا -

عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا۔ یہ سب انہی نا اہل و ظالم لوگوں کی نفس پرستی اور حُبِّ جاہ و منزلت کے کرشمے اور عدالت سے لغزش کھانے اور حسد کے جلوے تھے۔

اتنی تمہید کے بعد اب ہم عہدِ رسالت کا ذکر کرتے ہوئے بنی امیہ کی سیاہ کاریوں کو منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں اور اسی سلسلے میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں اہل بیتِ رسولؐ کے کمالاتِ روحانی اور فضائلِ نفسانی کس پایہ پر تھے۔

بابِ اوّل

عہدِ رسالت اور بنی امیہ

دین و دنیا کے مالک زمین و آسمان کے خالق رب العالمین خدائے وحدہٗ لاشریک نے اپنی سلطنت روحانی و خلافتِ آسمانی اور اپنے ملکِ عظیم کی بادشاہت اور اپنی کتابِ حکمت کی وراثت، دنیا کی رہبری و ہدایت اور امامتِ خلق کا عہدۂ جلیلہ اپنے خلیل جلیل حضرت ابراہیمؑ کو عطا فرمایا۔ دیکھو ارشادِ الٰہی انی جاعلک للناس اماماً قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین (خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا، میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انھوں نے عرض کی، اور میری اولاد میں سے بھی امام بنائے گا؟ فرمایا، میرے عہدِ امامت کو ظالم نہ پاسکیں گے۔ یعنی تمھاری اولاد میں سے امام بناؤں گا تو مگر عادلوں کو) پس جب لاینال عہدی الظالمین کی شرط کے مطابق ابراہیمؑ کی اس طیب و طاہر ذریت کو جو ظلم و شرک، کفر و رجس اور معصیت و خطا سے منزہ ہیں وراثتِ ابراہیمی کے اہل سمجھ کر بمصداق اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہٗ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے) اپنی نیابت و خلافت و رسالت و امامت کا عہدہ بخشکر سرفراز و ممتاز فرمایا تو دنیا کے عیش پرست) نااہل اور جاہ طلب لوگوں کے دلوں میں ہوا و ہوس نفسانی کے شعلے بھڑکے اور بغض و حسد کی آگ سے جل اٹھے۔ ام یحسدون الناس علیٰ

ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ فقد اٰتینا اٰلَ ابراھیم الکتاب وَ الحکمۃ واٰتیناھم مُلکًا عظیماً (سورۂ نساء)

(ترجمہ) "کیا لوگ اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی ہے۔ بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو اپنی کتاب و حکمت عطا کی تھی اور ہم ہی نے ان کو ملکِ عظیم بخشا۔"

تولیتِ کعبہ: بانیٔ کعبہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے وقت سے خانۂ الٰہی کی سرداری اور تولیت مکہ معظمہ اور کعبۂ محترمہ کی حکومت و بادشاہت ذریت طاہرۂ ابراہیمی و آلِ ہاشم و بنی عبدالمطلب میں برابر منتقل ہوتی چلی آئی ہے جیسا کہ زمانہ جانتا ہے اور تاریخیں بتا رہی ہیں۔ پس آلِ ہاشم کی یہی خداداد بزرگی مکہ کی حکومت اور خلافت الٰہیہ کی فضیلت خاندان بنی امیہ کی نظروں میں ہمیشہ کھٹکتی رہی اور ان کے بغض و حسد کی آگ کو ہمیشہ بھڑکاتی رہی بنی ہاشم ہی پر موقوف نہیں بنی امیہ تو اپنی سرداری کے سوا عرب کے کسی بھی قبیلہ کی سرداری و برتری نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اعلانِ رسالت: جب عرب کا کفر و شرک انتہائی درجہ پر پہنچ گیا اور ظلم و جور کی گھٹاؤں اور فسق و فجور کے بادلوں نے تمام دنیا کو تیرہ و تار بنا دیا تو غیرتِ الٰہی جوش میں آئی، رحمت کا بادل غارِ حرا سے اٹھا، بطحا پر جھوما، طیبہ پر برسا۔ آفتابِ رسالت نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع فرمایا۔ ہدایت کی کرنیں دنیا کو روشن کرنے لگیں۔ کفر کے بادل چھٹنے لگے اور نور کے جلوے پڑنے لگے بس بادشاہِ دین و دنیا اوّل و ما خلق اللہ نوری کی شان رکھنے والا، محبوبِ الٰہی سرکار ختمی مرتبت حضور رحمۃٌ للعالمین، ہاشم کے سپوت، عبدالمطلب کے فرزند، عبداللہ

لہ ہماری کتاب ناموسِ اسلام حصہ اول کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

کے دُرِّ یتیم، دل وجانم فدائے نامش باد۔ جن کی آمد آمد کی خبریں خدا کے برگزیدہ بندے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر از آدمؑ یا عیسیٰ مریمؑ دنیا کو دیتے اور عالم کو پیشین گوئیاں سناتے چلے آرہے تھے ؎

پیش از ہمہ شاہانِ غیور آمدہ ای — ہر چند کہ آخر لبظہور آمدہ ای

یا ختم رُسل قرب تو معلومم شد — دیر آمدہ زراہ دور آمدہ ای

یعنی سردارِ دو جہاں سرورِ انبیاء محمد مصطفٰےؐ کو بارگاہِ الٰہی سرکارِ احدیت سے بذریعہ وحی توحیدِ الٰہی دینِ محمدی ان الدین عند اللہ الاسلام کی اشاعت اظہار نبوت اور اعلانِ رسالت کا حکم ہوا۔ غارِ حرا سے اٹھے، گھر تشریف لائے۔ تبلیغ دین و ہدایتِ اسلام کا کام شروع فرمایا۔ سب سے اول زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اُمّ المومنین اور ان کے بعد ہی گود کے پالے شاگردِ رشید ابنِ عم ابن ابی طالبؑ نے فوراً ہی تصدیقِ رسالت اور اپنے ایمان کا اقرار اسلام کا اظہار فرمادیا۔ ملاحظہ ہو ارجح المطالب مولانا عبداللہ امرتسری ص۴۹۲۔ عن ابن عباس قال کان علی اول من اسلم بعد خدیجہ۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد قال ابوعمر لایطعن فی روایۃ الاحد اخرجہ عبد البرؒ فی استیعاب یعنی ابن عباس نے کہا ہے کہ جناب خدیجہ کے بعد علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اس حدیث کی سب سندیں صحیح ہیں۔ کسی کو اس کی روایتوں میں طعن و اعتراض کی گنجائش نہیں۔ علامہ عبدالبر مکی نے استیعاب میں اس کو درج کیا ہے۔ نیز شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری تقریب التہذیب ص۲۴۸ میں لکھتے ہیں۔ بس اسی کو ترجیح ہے کہ سب سے اول علیؑ اسلام لائے اور ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب جلد اول۔ چوں آنحضرتؐ را بدلائل واضح روشن شد کہ پیغمبر برحق است اول شخصے را از اشخاص کہ دعوت بخدا پرستی و توحید نمود خدیجہ بود و بے توقف بروے ایمان آورد۔ و جمیع علماء را براں

اتفاق است کہ در آخر ہماں روز علیؑ ابن ابی طالبؑ کرّم اللہ وجہہ بواسطہ آنکہ در حجر تربیت آں سرورؐ بود بوے ایمان آورد" نیز اعجاز التنزیل ص۳۹ و ۴۰۔ چنانچہ ان آیاتِ شریفہ (یا ایھا المدثر قم فانذر الخ) کے نازل ہوتے ہی آپ فرمانِ الہٰی کی بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے اس امر عظیم کا اظہار اپنے اہلبیت سے فرمایا۔ آپ کی حلیلہ جلیلہ خدیجۃ الکبریٰؓ نے جو نہایت عاقلہ بی بی تھیں اور پندرہ برس کے رات دن کے تجربہ سے انکی صفات دیانت و امانت اور راستی[1] راست بازی اور حق دوستی و حق پسندی اور غایت مرتبہ کی عقل و فہم سے بخوبی واقف تھیں بلا تامل آپ کی تصدیق کی اور ان کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی علی مرتضیٰؑ نے جنھوں نے آنکھیں کھول کر پہلے پہلے آپ ہی کے جمالِ باکمال کو دیکھا تھا اور آپ کی آغوش عاطفت میں آپ کی زبان حق ترجمان کا لعاب پی پی کر پرورش فرمائی تھی اور اسی وجہ سے لحمک لحمی[2]

---

[1] ارجح المطالب مولوی عبد اللہ امرتسری ص۴۰ اخرجہ الامام الفقیہ الحسینی الحاکی فی کتاب راحۃ ذی الصلابہ فی محبۃ الصحابہ۔

[2] ارجح المطالب ص۴۷۔ اخطب خوارزمی شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم دہلوی مترجم قرآن مجید حضرتِ علیؑ کے متعلق اپنی تصنیف امہات الامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "انؑ (علیؑ) کے حق میں پیغمبر صاحبؐ نے دمک دمی لحمک لحمی وانت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ فرمایا یعنی تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی اور یہ بھی نہ فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحبؐ کا گوشت پوست اور خون ایک تھا وہ پیغمبر صاحب کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کو پیغمبر صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ علیؑ طفلِ نوزائیدہ دودھ کے لیے روتے تھے وہ کسی عورت کی چھاتی منہ میں نہ لیتے تھے۔ پیغمبر صاحبؐ اپنی زبان ان کو چوسلاتے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ پیغمبر صاحبؐ نے اپنی لختِ جگر فاطمہ زہراؑ کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبر صاحبؐ کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبر صاحبؐ نے انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا سے انکی لیاقت کی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

دو ملک دہی کا بے مثل خطاب پایا تھا۔ بقول سرآمد مورخین انگلستان ایڈورڈ گبن:
"ایک نوجوان ہیرو کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپ کے خیالات کی صداقت کا اعتراف کیا" اور آپ کے بعد بقول گبن و ابوالفداء اور مستند مورخین کے جو نداینۃ بھی درست معلوم ہوتا ہے آپ کے آزاد کردہ غلام زید ابن حارثہ عبودیتِ الٰہی کے معترف ہوئے۔
(سبقتِ اسلام و اظہارِ ایمان کی اس دلچسپ بحث کو ہم انشاء اللہ آیندہ بذیل حالات حضرت علیؑ بہت وضاحت و تفصیل سے بیان کریں گے)
اور قبیلۂ قریش کے اور چند مقتدر ذی وجاہت اشخاص حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، جعفر ابن ابی طالبؓ اور زبیر بن عوام و عمار یاسر وغیرہ نے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔
المختصر جب سرورِ کونین، ہادیٔ برحق، رسولِ عربیؐ نے تبلیغ اسلام اور توحیدِ الٰہی کی ہدایت کا سلسلہ جاری فرمایا اور لوگ راہِ ہدایت پا کر دائرۂ اسلامی میں داخل ہونے لگے، توحید کا ڈنکا بجنے لگا اور بتوں کی پوجا مٹنے لگی تو ہوا و ہوس کے بندے بتوں کے پجاری کفارِ قریش مشرکین مکہ اس ہادیٔ برحق رسولِ کریمؐ کی مخالفت اور ہر طرح کی ایذارسانی کے لیے کھڑے ہو گئے اور خون کے پیاسے بن گئے۔ ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تصدیق و توثیق کی تھی۔ وہ شجاعت اور سخاوت اور خطابت اور زودرنجی میں بے مثل تھے۔ ان کی اصابت رائے پر پیغمبر صاحبؐ کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری میں ان کو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ جس رات کو کفارِ مکہ پیغمبر صاحبؐ کو مار ڈالنے کے ارادہ سے رات بھر پیغمبر صاحبؐ کا گھر گھیرے پڑے رہے۔ پیغمبر صاحبؐ ان کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل آئے۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔
(امہات الامہ۔ آیات محکمات جلد اول ص۲۸۲)

قبیلۂ قریش کا سردار ابوجہل اور خاندان بنی امیہ کا میر قبیلہ ابوسفیان اور ان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ مادر امیر معاویہ آخر وقت تک عداوت اور دشمنی اور ایذا رسانی رسولِ عربیؐ میں سب سے آگے آگے نظر آتے ہیں۔ شب ہجرت قتل رسولؐ کی سازش دارالندوہ کی میٹنگ، قبائل عرب کو اشتعال، مدینۂ رسولؐ پہ بار بار حملہ، بدر کی لڑائی، احد کا معرکہ، حضرت حمزہ عم رسولؐ کی شہادت، خندق کی جنگ وغیرہ وغیرہ غرض کہ فتح مکہ سے پہلے پہلے اسلام کی مخالفت اور رسولِ عربیؐ سے عداوت و ایذا رسانی کا سہرا بنی امیہ کے چشم و چراغ امیر معاویہ کے پدر بزرگوار یزید کے جد نامدار امیر ابوسفیان ہی کے سر پہ نظر آتا ہے۔

بنی ہاشم و بنی امیہ:

مولانا شبلی سیرۃ النبی جلد اوّل ص۱۵۱ پر بنی ہاشم اور بنی امیہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں "قریش کے دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دیگر تھے۔ بنی ہاشم و بنی امیہ عبدالمطلب نے اپنے زور و اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر پیدا نہیں ہوا۔ ابوطالبؓ[1] دولت مند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا۔ اس بنیاد پہ بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندانِ بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔

---

[1] ابوطالبؓ گو دولت مند نہ تھے مگر ابوطالبؓ کی وجاہت و سرداری کو اور تولیت خانہ کعبہ کو تمام قریش مانتے تھے۔ اور اپنا سردار و رئیس جانتے تھے۔ نہ عباس کی یہ منزلت تھی نہ قبیلہ کے کسی اور رئیس کی۔ جیسا کہ تاریخوں سے بخوبی ثابت ہے۔

بدرؔ کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیسِ لشکر رہا۔"

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرتؐ کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوشِ مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی تھی اموی ہی تھا۔ بنی امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ تھا وہ بنی مخزوم تھے۔ ولید بن مغیرہ اس خاندان کا رئیس تھا (یہ خالد کا باپ اور ابوجہل کا چچا تھا) اس لیے اس قبیلے نے آنحضرتؐ کی سخت مخالفت کی۔ مولانا شبلی کا مذکورۂ بالا بیان رسولِ خداؐ کی اس حدیث کی تشریح کر رہا ہے جو نصائح کافیہ ص۱۰۶ اور تطہیر الجنان ابن حجر مکی ص۱۴۴ پر درج ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا۔ ان اشد قوم لنا بغضا بنوامیہ و بنوالمغیرہ و بنو مخزوم (ہم سے سب سے زیادہ بغض و عداوت رکھنے والی قوم بنی امیہ، بنو مغیرہ اور بنو مخزوم ہیں)

ابوسفیان کے متعلق مولانا شبلی کا بیان : ابوسفیان کے متعلق پھر فتح مکہ کے بیان

میں مولانا شبلی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعوے دار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائلِ عرب کا اشتعال، آنحضرتؐ کے خفیہ قتل کرانے کی

؎ بدر کی لڑائی میں اگرچہ ابوسفیان امیرِ لشکر نہ تھا مگر اس جنگ کا ترغیب دینے والا، مخالفتِ رسولؐ پر لوگوں کو بھڑکانے والا اور اپنے خسر ہندہ کے باپ عتبہ ابوجہل کا ملٹری سیکریٹری اور زبردست بازو ضرور تھا۔ شام سے واپس ہو کر اور مالِ تجارت کو مکہ میں پہنچا کر شریکِ جنگ بھی ہو گیا تھا۔

(دیکھو مدارج النبوۃ جلد۲ ص۱۰۱)

سازش ان میں سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفیفہ بنی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہیں۔" (سیرۃ النبی ج ا ص۴۷۶)

حضرت ابوطالبؓ اور جناب خدیجہ کی وفات کے بعد قریش کی ایذا رسانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ بقول مولانا شبلی" ابوطالبؓ اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت میں روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جانِ پدر روؤ نہیں، خدا تیرے باپ کو بچائے گا۔" (سیرۃ النبی ج ا ص۱۸۲)

مشرکین کی ایذا رسانی: کون سی تکلیف تھی جو مشرکینِ مکہ نے آنحضرتؐ کو نہ پہنچائی۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے تھے۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے تھے۔ عتبہ شقی ابوسفیان کا رشتہ دار اموی خاندان کا بدمعاش گلوئے اقدس میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتا تھا کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتی تھیں۔

(دیکھو سیرۃ النبی ج ا ص۱۶۳)

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا تاکہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن میں ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں چنانچہ وہ اوجھ اٹھا کر لایا اور آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی

نے جاکر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی۔ اگرچہ آپ اس وقت پانچ چھ سال کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو اٹھا کر عقبہ کو سخت سست کہا اور بددعائیں دیں (سیرۃ النبی ص۱۸۶) صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد۵ ص۱۹۸۔ مسلم شرح بغوی جلد۲ ص۱۰۱-۱۰۸)

میرزا حیرت دہلوی: جو ہمیشہ سے بنی امیہ کے خاص شیدائی اور سچے فدائی بلکہ آلِ ابوسفیان کی محبت اور عشق کا مجسمہ ہیں اور آلِ رسولؐ کو ہمیشہ بنی امیہ کی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہیں وہ بھی اپنی کتاب "سیرتِ محمدیہ" کے ص۲۱۹ میں تسلیم کرتے ہیں کہ بنی امیہ سے زیادہ اسلام اور ہادیٔ اسلام کا مخالف و دشمن قریش میں کوئی اور نہ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"جب بنی امیہ نے یہ دیکھا کہ ابوطالبؑ کا انتقال ہو گیا جن کا اثر کچھ نہ کچھ قومِ قریش پر تھا اور اس سے وہ ایک محدود جگہ پر رُکے ہوئے تھے مگر اب انھوں نے میدان خالی پایا اور وہ اسلام کے ملا سے استیصال کے درپے ہوئے اور نئی طرح سے پھر ان کے حسد اور دشمنی اور غصہ کی آگ بھڑکی اور وہ اپنی اس نئی مخالفت پر آمادہ ہوئے اور ہاشمیوں کے ستانے کی نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں"

رسولؐ کا صبر و استقلال: اللہ اللہ دیکھو خدا کا عاشقِ صادق نورِ الٰہی کا مجسمہ تبلیغ کا شیدائی، اسلام کا فدائی، رسولِ عربیؐ دینِ الٰہی کی اشاعت اور توحیدِ خداوندی کی تبلیغ و ہدایت میں سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کرتا ہے۔ انتہائی اذیتیں اور تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ مشرکینِ مکہ کے شدید سے شدید ظلموں کو جھیلتا ہے مگر عشقِ الٰہی میں محو اور تبلیغِ اسلام میں مستغرق نظر آتا ہے۔

اور دشمنوں کے پتھر برسانے کو گلباری جانتا ہے اور راہِ خدا میں کانٹے بھرے راستوں کو پھولوں کی سیج سمجھتا ہے۔ طائف کی مصیبتیں جھیلتا ہے۔ مکّہ کی اذیتیں اٹھاتا ہے۔ نہ مال و دولت کی چاہت ہے نہ جان کی پرواہے۔ بندگان کی ہدایت کے شوق میں اپنے وطنِ عزیز کو چھوڑتا ہے۔ گھر بار سے ہاتھ اٹھاتا ہے۔ سب کچھ گوارا کرتا ہے مگر اپنے محبوب خدائے لاشریک اور اس کے دین کی تبلیغ و ہدایت سے منہ نہیں موڑتا۔ ما اوذی نبیٌ مثلَ ما اوذیتُ (کوئی نبی میری طرح اذیت نہیں دیا گیا) فرماتا ہے مگر قوم کی سختیوں اور شدتوں سے دل نہیں چھوڑتا۔ بیشک از آدم تا خاتم کوئی عہد کوئی قوم کوئی ملت کوئی مذہب کوئی دین کسی اپنے ہادی اور رہبر اور نبی و رسول کو مقابلہ کے لیے پیش نہیں کر سکتا۔ جو رسولِ عربیؐ جیسا صداقت و حقانیت اور عشقِ الٰہی کا کامل مجسمہ ہو اور جس نے اس رسولِ عربیؐ کی طرح تبلیغ و ہدایت میں گوناگوں مصیبتیں جھیلی ہوں۔ طرح طرح کی ذلتیں اٹھائی ہوں اور پھر ثابت قدم رہ کر زبانِ شکایت نہ کھولی ہو۔ بے شک جو صبر و ثبات اور توکّل علی اللہ آنحضرتؐ سے ظہور میں آیا۔ وہ ایسا بے مثل و بے نظیر ہے کہ سر میور جیسے متعصب اور مخالفِ اسلام شخص کو بھی بجز مان لینے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"پیغمبرِ اسلامؐ اس طرح سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے اور فتحِ مبین کے منتظر تھے اور ظاہرا بے یار و مددگار تھے اور ان کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے منہ میں تھا۔ تاہم ان کو اس قادرِ مطلق پہ بھروسہ تھا جس کا رسولؐ وہ اپنے تئیں سمجھتے تھے اور ان کے پائے ثبات میں ایک سرِ مو لغزش نہ ہوئی تھی۔ غرض اس عالمِ تنہائی میں وہ ایسے عالی مرتبہ اور جلیل الشان معلوم ہوتے ہیں

کتب مقدس سماویہ میں ان کا عدیل و نظیر کوئی دکھائی نہیں دیتا سوائے بنی اسرائیل کے نبی[1] کے جسے خداوندِ عالم سے یہ شکایت تھی کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔" (دیکھو لائف آف محمد ص۴۸)

بلاشک اس نبی عربیؐ کی شان اس بنی اسرائیلی سے بھی بدرجہا بالا تر ہے۔ دیکھو اس نبی نے قوم کی سختیوں سے تنگ آکر اپنے رب سے اکیلے رہنے کی شکایت کی مگر قربان اس نبیٔ عربیؐ کے کہ یہ خدا کا عاشق، ہدایت کا دلدادہ شکایت کا ایک لفظ تک اپنی زبان پر نہیں لاتا اور اپنے پروردگار کے حضور میں یہی عرض کرتا ہے ربِّ اِھدِ قومی انھم لا یعلمون (خداوندا میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ یہ جانتے نہیں)

رسولؐ کی شان صبرِ حسینؑ نے دکھائی:

بے شک نورِ محمدی کی جھلک وہی تصویر دکھا سکتی ہے جس پر اسی نور کا رنگ چڑھا ہوا ہو اور اسی محمدی صبر و ثبات اور توکل علی اللہ کا نمونہ وہی وجود دکھا سکتا ہے جو اسی کی آغوشِ رحمت کا تربیت یافتہ ہو اور جس نے اسی کی زبانِ صداقت ترجمان کو چوس کر پرورش پائی ہو۔ بلاشک یہ اسی جگر گوشۂ رسالت کا کام ہے جو حسینؑ منّی وانا من الحسینؑ کی شان رکھنے والا ہو۔ لاریب یہی وہ پاک ہستی ہے کہ جس نے کربلا کی قربان گاہ میں عشقِ الٰہی کی کڑی منزلوں کو جھیل کر نانا کی صداقت و حقانیت کے جلوے دکھلائے۔ بس یہی وہ ذاتِ اقدس ہے جس نے دینِ اسلام کی حفاظت و حمایت میں نانا کی طرح سخت سے سخت مصیبتیں اٹھا کر خندہ پیشانی سے تیر و تلوار کے زخم کھا کر نانا کے بے مثل صبر و رضا اور بے نظیر

---

[1] اس نبیٔ بنی اسرائیل سے مراد حضرت الیاس ہیں جو بعل نامی بت کے پوجنے والوں کی ہدایت و ارشاد کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اعجاز التنزیل ص۸۲۔

تبلیغ وہدایت کے نمونے دکھلائے۔ میرے مکرم و محترم فاضل دوست قاضی محمد سلیمان صاحب نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین، جلد ۱ صہ۲۳۳ میں بذیل واقعات ۴ھ حسین علیہ السلام کے بے مثل صداقت وحقانیت کے کارنامہ کا فوٹو نہایت جامع الفاظ میں کھینچا ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزا۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"۴ھ کے ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا ہوئے جو عشرۂ محرم ۶۱ھ میں میدانِ کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال وحرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسینؑ نے اس جنگ میں صبر واستقلال، رضا وتوکل، احقاقِ حق، اتباعِ صداقت کے ایسے نمونے دکھائے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبیؐ کے فیضانِ تربیت کا اثر اور نتیجہ ہے رضی اللہ عنہ وعن سایر اتباعہ اجمعین۔"

وفاتِ ابوطالبؑ کے بعد:

حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد بے روک ٹوک اور بے خوف وخطر ان مشرکینِ قریش نے رسولِ عربیؐ کی انتہائی مخالفت شروع کی اور ناقابل بیان اذیتیں پہنچانے لگے جیسا کہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں اور اپنے غمخوار سرپرست اور پیارے چچا کو محبت سے یاد کرتے ہیں۔ ما نالت منی قریش شیئاً اکرھہ حتیٰ مات ابو طالب (جب تک ابوطالبؑ زندہ رہے قریش مجھ کو ایذا نہ پہنچا سکے) طبری ج ۲ صہ۲۲۹ و اسنی المطالب صہ۲۸ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صہ۴۲۔

مدینہ میں تبلیغ:

جب آفتابِ رسالت کی کرنیں رفتہ رفتہ مدینہ پر پڑنے لگیں اور مدینے کے شریف و مقتدر قبیلوں اوس وخزرج نے

تبلیغ محمدی کو قبول کیا اور مدینہ میں مسلمانوں کی جماعت بڑھنے لگی تو حکم الٰہی کے مطابق رسول کریمؐ نے اپنے اصحاب و رفقا کی مختصر سی جماعت کو جو مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے تھے مدینہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان دو دو تین تین کر کے یثرب کو چلے گئے۔ مکہ میں بادشاہِ کونین کی خدمت میں صرف ان کے جان نثار بھائی حضرت علی مرتضیٰؑ اور آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ باقی رہ گئے۔

دارالندوہ : جب قریش نے دیکھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جماعت روز بروز ترقی پکڑتی جاتی ہے اور دین محمدی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے تو دارالندوہ (کمیٹی گھر) میں مشورہ کے لیے مجلس عامہ منعقد کی گئی اور سرداران قریش عتبہ، ابوسفیان، ابوالبختری، ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہ جمع ہوئے۔ ایک بڈھا نجدی شیطان بھی اس مجمع شیاطین میں آ کر شامل ہوا اور آنحضرتؐ (دل و جانم فدائے نامش باد) کے قتل یا قید کرنے کی تجویزیں پیش ہونے لگیں۔ آخر ابوجہل کی پیش کردہ تجویز کے مطابق اس نجدی شیطان کی تائید پر یہ قرار پایا کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب کیا جائے اور پھر یہ مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں کے ساتھ رسول عربیؐ پر ٹوٹ پڑے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس صورت میں بنی ہاشم قبائل کا مقابلہ بھی نہ کر سکیں گے اور خوں بہا کا بار بھی کسی پر نہ پڑ سکے گا۔ پس اس قرارداد کے مطابق ان شیاطین نے اسی روز غروب آفتاب کے بعد جھٹ پٹے میں آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے مصمم ارادہ سے تلواریں لے کر خانۂ رسالت کا محاصرہ کر لیا۔ خدائے جلیل نے اپنے حبیبؐ کو کافروں کی اس سازش سے مطلع فرما کر حکم دیا کہ بس اب آپ اپنے فدائی اور جان نثار بھائی علی مرتضیٰؑ کو اپنی چادر اڑھا کر اپنے بستر پر لٹا دو اور خود مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس فرمانِ الٰہی کی بموجب رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے

پس آج تم میری سبز چادر اوڑھ کر بے خوف و خطر میرے بستر پر لیٹو تاکہ دشمنوں کو یہ بھی گمان رہے کہ میں اپنے بستر پر پڑا ہوں اور پھر صبح کو ان کافروں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو واپس دے کر ہم سے آملو۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹-۵۰۔ تاریخ طبری جلد صفحہ ۴۵-۴۶ و ۲۴۴ حال ہجرت رسولؐ ایضاً، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۵۔

ہجرت رسولؐ اور علیؑ کا فرش رسولؐ پر سونا:

علی مرتضیٰؑ کو یہ ہدایتیں فرما کر مسند رسالت پہ لٹ کر اور اپنی سبز چادر اوڑھا کر توکل علی اللہ اطمینان کامل اللہ سکینہ و وقار کے ساتھ بخوف و خطر معبود حقیقی کی یاد میں سورۂ یٰسین کی آیۂ مبارکہ وجعلنا من بین ایدیھم سداً ومن خلفھم سداً فاغشیناھم فھم لا یبصرون (ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیوار بنا دی اور ان کو اس طرح ڈھانپ دیا کہ وہ دیکھتے ہی نہیں) تلاوت فرماتے ہوئے ان کافروں کے بیچ میں سے اس طرح نکل گئے کہ کسی نے بھی نہ دیکھا گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر کو ساتھ لیے ہوئے غارِ ثور میں جا پہنچے[1] جو مکہ سے تین

---

[1] علامہ ابن جریر طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور عالمؐ شب ہجرت، گھر سے تنہا غارِ ثور تک تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکر خود بلا بلائے راستے میں ملے ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ شب ہجرت کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔ ان ابی بکر اتی علیاً فسالہ عن نبی ﷺ فاخبرہ انہ لحق بالغار من ثور وقال ان کان لک فیہ حاجۃ فالحقہ فخرج ابوبکر مسرعاً فلحق نبی اللہ فی الطریق فسمع رسول اللہ جرس ابی بکر فی ظلمۃ اللیل فحسبہ من المشرکین فاسرع رسول اللہ المشی فانقطع قبال نعلہ ففلق ابھامہ حجر فکثر دمھا واسرع السعی فخاف ابوبکر ان یشق علی رسول اللہ فرفع صوتہ وتکلم فعرفہ رسول اللہ فقام حتی اتاہ فانطلقا ورجل رسول اللہ تستن دماً حتی انتھی الی الغار مع الصبح فدخلاہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میل کے فاصلے پر تھا۔ اور بقول مولوی شبلی "یہ مبارک غار اب تک موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔" سیرۃ النبی صفحہ ۱۹

مگر غالباً نجدی ظالموں کے ہاتھ سے اب تو اس غار کا نشان بھی باقی نہ رہا ہوگا اور اگر باقی ہوگا تو زائرین کو زیارت کی اجازت نہ ہوگی۔ دار الندوہ کی میٹنگ کے رکنِ اعظم اُس بڈھے نجدی شیطان کی اس نجدی امت نے جہاں اور اسلامی متبرک یادگاروں کو مٹایا اور اپنے اسلاف کے بدلے بانیٔ اسلام اور بزرگانِ دین کی یادگاروں اور مرقدوں سے نکالے ہیں وہاں یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اس تاریخی یادگار کو بھی ظالموں نے مٹا دیا ہوگا۔

غرض ادھر تو رسول الٰہی تشریف لے گئے۔ ادھر یہ شیطانی گروہ کفارِ مکہ کا سرکارِ دوعالم کو قتل کرنے کے ارادہ سے تلواریں سونتے خانۂ رسالت کو گھیرے کھڑے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم گھر کے اندر سو رہے ہیں مگر وہاں بجائے رسولؐ نفسِ رسولؐ ایمانِ کامل کا مجسمہ اور محبت و وفا کا پتلا جان نثار بھائی خدا کا ولی علیؑ بن ابی طالبؑ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بتحقیق ابوبکرؓ علیؑ کے پاس آئے۔ نبیؐ کو دریافت کیا۔ علیؑ نے فرمایا آنحضرتؐ تو غارِ ثور کو تشریف لے گئے اور علیؑ نے فرمایا کہ اگر تم کو حاجت ضروری ہے تو ان سے جا ملو۔ پس ابوبکر تیز روی سے روانہ ہوئے اور رسول اللہ سے راستے میں مل گئے۔ رسول اللہؐ نے اندھیری رات میں ابوبکر کے پاؤں کی آہٹ سن کر خیال فرمایا کہ مشرکین میں سے کوئی پیچھے آتا ہے تو رسول اللہؐ نے بھی اپنی رفتار کو تیز فرمایا۔ جلدی جلدی چلنے سے آپ کی نعلِ مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ پائے مبارک کا انگوٹھا پتھر لگ کر زخمی ہوگیا۔ خون بہت جاری ہوا۔ آنحضرتؐ نے رفتار میں اور جلدی فرمائی۔ ابوبکر کو خوف ہوا کہ رسول اللہؐ پر شاق ہوگا اپنی آواز بلند کی اور کلام کیا۔ پس رسول اللہؐ نے پہچانا اور ٹھہر گئے۔ ابوبکر آملے پھر دونوں آگے کو چل پڑے اور رسول اللہؐ کے پائے اقدس سے خون جاری تھا۔ صبح کے قریب غار تک پہنچے اور داخلِ غار ہوئے۔

محبوبِ الٰہی کا فدیہ بنا ہوا ہے۔ رسولِ الٰہی کی چادر اوڑھے بستر رسولؐ پہ لیٹا عشقِ محمدی کے جلوے اور محبتِ الٰہی کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ ایثار و وفا کے پھول مہکا رہا ہے۔ شجاعتِ علویہ کے جوہر چمکا رہا ہے۔ بلا خوف و خطر بے دھڑک بے کھٹکے سو رہا ہے۔ خدائے جلیل عرشِ علا پہ مباہات فرما رہا ہے اور ملائکہ کو حکم دے رہا ہے کہ جاؤ اور اس سونے والے کو ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ (ایسے بھی لوگ ہیں جو مرضیٔ الٰہی کی خواہش میں اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں) کی لوری سناؤ۔ جبرئیل و میکائیل پائنتی سرہانے کھڑے بخ بخ لک یابن ابی طالب ان اللہ یباھی بک علی الملائکہ (مبارک ہو مبارک اے ابوطالب کے بیٹے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس جاں نثاری سے ملائکہ پہ اظہارِ مباہات کرتا ہے) کی صدائیں دے رہے ہیں۔ دیکھو احیاء العلوم غزالی۔ ارجح المطالب ص۷۔ حلیہ حافظ ابونعیم ثعلبی۔ درِ منثور سیوطی ص۲۔ تفسیر کبیر رازی جلد ۲ ص۲۸۳۔ اسد الغابہ علامہ ابن اثیر جزری۔ تاریخ احمدی ص۲۵۔ تاریخ خمیس دیار بکری جلد ۱ ص۳۶۶۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۲۔ وسیلۃ النجاۃ ص۶۸۔ معارج النبوۃ رکن چہارم ص۳۔ تذکرہ خواص الامہ ص۲۱۔ ینابیع المودۃ ص۹۲۔ فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۳۳۔ تذکرہ سبط ابن جوزی ص۲۱۔ نور الابصار شبلنجی ص۱۲۸۔ ۱۲۹۔

شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں "پس بود رضی اللہ عنہ نخستین کسیکہ فروخت و فدا کرد نفس خود را در راہ محبت رسول خدا آیۂ کریمہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد دریں باب نازل شد"

امام غزالی کا بیان: امام غزالی کتاب احیاء العلوم میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان لیلۃ بات علی بن ابی طالب علی فرش رسول اللہ اوحی اللہ تعالیٰ الی جبرئیل و میکائیل انی اخیت

بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الآخر فایکما یوثر صاحبہ بالحیاۃ فاختار کلاھما الحیوٰۃ واحبّاھا فاوحی اللہ تعالیٰ الیھما افلا کنتما مثل علی بن ابی طالب حین اخیت بینہ وبین محمد فبات علی فراشہ لیفدیہ بنفسہ ویوثرہ بالحیوٰۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ عدوہ وکان جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلہ ینادی ویقول بخ بخ من مثلک یابن ابی طالب یباھی اللہ بک الملائکۃ فانزل اللہ عز وجل ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ والحافظ ابونعیم فی الحلیہ ارجح المطالب ص۔) یعنی شب ہجرت جب علیؑ بستر رسولؐ پر سوئے ہیں تو خدا نے جبرئیلؑ ومیکائیلؑ کو وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو بھائی بھائی بنایا ہے مگر ایک کی عمر زیادہ ہے اور دوسرے کی کم ہے۔ پس کون تم میں سے ایسا ہے کہ اپنی عمر کا حصہ دوسرے کو دے دے اور دوسرے کی حیات کو اپنے پر بطور ایثار ترجیح دے۔ پس دونوں نے اپنی اپنی زندگی ہی کو دوست رکھا۔ تب خدا نے فرمایا تم دونوں علیؑ جیسے کیوں نہیں ہوتے۔ دیکھو ہم نے علیؑ اور محمدؐ کو بھی بھائی بھائی بنایا۔ پس دیکھو علیؑ رسولؐ پر اپنی جان قربان کرتا ہے۔ ان کے بستر پر سوتا ہے۔ ان کی حیات کو اپنی زندگی پر اختیار کرتا ہے۔ ان کی جان کو اپنی جان سے زیادہ پیارا جانتا ہے۔ پس تم زمین پر جاؤ اور علیؑ کی حفاظت اس کے دشمنوں سے کرو۔ جبرئیلؑ آکر علیؑ کے سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیلؑ پائنتی، اور کہتے تھے مبارک ہو اے ابوطالبؑ کے بیٹے کون ہے تمہارا مثل کہ خدائے جلیل تم پر ملائکہ کے مقابل مباہات فرماتا ہے اور اس کے بعد یہ آیۂ مبارکہ نازل فرمایا)

ہجرت رسولؐ کے حالات اور علی مرتضیٰؑ کی اس بے مثال جان نثاری کے واقعہ

پر اور علیؑ کے بے نظیر ایمان و الیقان کامل کی تصدیق میں مسلم و غیر مسلم دوست و دشمن مؤرخین و مصنفین نے قلم فرسائیاں فرمائی ہیں اور فی الحقیقت علیؑ کی سچی مدح و ثنا کے راگ گائے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو مولوی شبلی سیرۃ النبی ص۱۹۷ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"رسول اللہؐ سے قریش کو حد درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بناء پر جناب امیرؑ کو بلاکر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب امانتیں جاکر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا۔"

مسٹر گبن عیسائی مؤرخ اپنی مشہور تاریخ "زوال سلطنت روم" میں اس واقعۂ ہجرت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

"اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے مگر وہ دھوکے میں آکر علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر اسی کی سبز چادر اوڑھے ہوئے سو رہا تھا[1]" پھر کہتا ہے:۔

---

[1] نبی کا جانشین وہ شخص ہونا چاہیے جو نبی سے اتنا مشابہ ہو کہ لوگوں کو پہچاننے میں دھوکہ ہو جاتا ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے من کان خلف النبی فھو اشبہ بالنبی (نبی کا جانشین و خلیفہ وہی ہوتا ہے جو نبی سے بہت زیادہ مشابہ ہو) علیؑ سے زیادہ کون مشابہ رسولؐ تھا

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

"صرف خاندانِ قریش ہی کے لوگوں نے اس جوان ہیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت ہو گیا کہ اس کے دل میں اپنے چچا زاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابلِ قدر خیال نہیں کیا بلکہ خود اس کے چند اشعار جو اب تک مشہور ہیں اس قوی یقین کی جو اس کو اپنے چچا زاد بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں۔"

پھر رسول اللہ اور ابوبکر کے تین روز تک غار میں چھپے رہنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے :-

"قریش کے لوگوں نے محمدؐ کی تلاش میں مکّہ کی تمام نواح چھان ڈالی اور اس غار پر پہنچے جس میں وہ اور اس کا ساتھی چھپے ہوئے تھے مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کو دھوکا دینے کے لیے پیدا کر دیا تھا ان کو یہ یقین دلایا کہ اس جگہ کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی وہاں آیا ہے۔ ابوبکر نے خوف سے کانپ کر کہا ہم تو صرف دو ہی ہیں مگر محمدؐ نے کہا نہیں ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے اور وہ خداوند تعالیٰ ہے۔"

اسی واقعہ کی طرف خدا نے اپنے کلام پاک میں اس طرح ارشاد فرمایا۔ فقد نصرہُ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقولُ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ تمام رات کفار قریش کو ان پر رسولِ خداؐ کا گمان ہوتا رہا۔ علیؑ کی ذات بھی عجب ذات تھی۔ نصیریوں کو خدا کا دھوکہ ہوا۔ کفار قریش کو رسالت کا۔ اللہ نے ان کو ولی بنایا، رسولِ خداؐ نے مولیٰ بنایا، اولیٰ بنایا۔ مجسم ایمان بنایا۔ علیؑ کا نفس وہ نفس تھا کہ شبِ ہجرت خدا نے اپنا بنایا اور مباہلہ میں رسولؐ نے اپنا۔

لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ (خدا نے اپنے رسول کی مدد کی جب کافروں نے اس کو نکال دیا جب وہ غار میں تھے تو دو میں کے دوسرے تھے پس وہ اپنے ساتھی سے کہتے تھے، غم نہ کر بے شک خدا ہمارے ساتھ ہے اور خدا نے اپنے سکینہ کو اس پر یعنی پیغمبرؐ پہ نازل کیا)

جناب امیرؑ کے وہ اشعار جن کا اشارہ گبن نے اپنے بیان میں کیا ہے ناسخ التواریخ کے علاوہ تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۲۶۷ مدارج النبوۃ صفحہ ۷۲، مدارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۳۔ نور الابصار مومن شلنجی صفحہ ۲۹۔ ۱۲۸۔ فصول المہمہ صفحہ ۳۴۔ تذکرہ خواص الامہ۔ روضۃ الاحباب اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ صاحب تاریخ خمیس شب ہجرت علیؑ کے فرش رسولؐ پر سونے کے واقعہ کو لکھ کر تحریر کرتے ہیں۔ وانشاء علی فی بیوتہ فی بیت نبی ھذہ الابیات۔ (علیؑ نے رسول خداؐ کے گھر میں بستر رسولؐ پر سوتے ہوئے ان اشعار کو انشاء فرمایا ہے) ہم بھی امیر المومنین علیہ السلام کے ان اشعار صداقت شعار کو مع اس منظوم ترجمہ کے جو میرے عم بزرگوار مرحوم و مغفور جناب وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر نے اردو میں نظم فرما کر اپنی کتاب اعجاز التنزیل میں درج فرمائے ہیں۔ بہجت طبع ناظرین کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں :-

اشعار امیر المومنین علیہ السلام

وقیت بنفسی من وطی الحصیٰ ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

"میں نے اپنی جان کے عوض اس عالی مرتبہ شخص کو بچایا جو پاؤں سے کنکریوں کے روندنے والے اور خدا کے پرانے گھر اور حجر اسود کے طواف کرنے والوں میں سب سے افضل ہے۔"

رسول اللہ خاف ان یمکروا بہ   فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر

" خدا کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ دشمن اس کو ستائیں گے پس خدا نے

جو بڑی قدرت والا ہے اپنے پیغمبر کو ان کے شر سے بچا لیا۔"

فبات رسول اللہ فی الغار آمنا   موقی و فی حفظ الالہ و فی ستر

" پس رسول اللہ نے غار میں امن سے وہ رات گزاری۔ دشمنوں سے

بچے رہے اور خدا کی حفاظت اور اس کے حجاب قدرت میں امن و امان

حاصل کی۔"

و قام ثلاثاً ثم زمت قلائص   قلائص تفرین الحصیٰ ما تفر

" تین دن وہاں ٹھہرے، پھر ناقوں کو مہاریں دی گئیں جو ایسے تیز رفتار

سبک رو تھے کہ ہر طرف پتھروں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے۔"

و بت اراعیھم و ما یثبوتنی   فقد و قیت نفسی علی القتل و الاسر

" اور میں نے دشمنوں کے حملے کے انتظار میں رات کاٹی مگر وہ مجھے

زخمی و گرفتار نہ کر سکے کیونکہ بے شبہ قتل و قید سے نہ ڈرنا میری

جبلی عادت ہے۔"

اردت بہ نصر الالہ تبتلاً   واضمرتہ حتی اوسد فی القبر

" یہ میں نے ہر چیز سے قطع نظر کر کے محض دین خدا کی امداد کی نیت سے کیا ہے

اور آئندہ بھی یہی ٹھان لی ہے جب تک کہ قبر میں تکیہ لگا کر لیٹوں۔"

ترجمہ اشعار بالا

(منقول از کتاب اعجاز التنزیل ص۹۳)

بنا کر ڈھال میں نے اپنی جاں کو   بچایا بادشاہ انس و جاں کو

وہ خیر الحاج خود کعبہ یہ الحق — شرف حاصل ہے جس کی آستاں کو
خدا نے فضل سے اپنے بچایا — ہوا جب خوفِ جاں اس جانِ جاں کو
گزارا رات کو حفظِ خدا میں — نہ دشمن پا سکے اس کے نشاں کو
نکل کر غار سے پھر تین دن بعد — پکارا اس نے اپنے ساربان کو
ہوئے ناقے سوئے یثرب روانہ — کچلتے کنکر اور ریگِ رواں کو
میں سویا شب کو بستر پر نبیؐ کے — فدا ان پر سے کر کے اپنی جاں کو
یہ تھا دل میں کہ جاں جائے تو جائے — بچا لوں پر رسولِ انس و جاں کو
نہ تھا غم مجھ کو اپنے قتل ہی کا — سمجھتا تھا نہ کچھ قیدِ گراں کو
ولیکن فکر تھا مجھ کو تو یہ تھا — کہیں صدمہ نہ پہنچے ان کی جاں کو
بجز تائیدِ حق اس جد و کد سے — نہ تھا مقصود کچھ مجھ ناتواں کو

اور آگے کو بھی قصد اپنا یہی ہے
کہ کر دوں صرف اسی میں اپنی جاں کو

بے شک اس ایمان و وقار کے کامل مجسمہ نے جو ایثارِ نفس صبر و رضا، صدق و ولا ثبات قدم اور ایمان و ایقان کامل کے جلوے دنیا کو دکھائے نہ وہ کسی وصی سے ظاہر ہوئے نہ کسی ولی سے۔ بقول مولانا روم ع" افتخارِ ہر نبی و ہر ولی" علی ہی تھے۔

میرے عم معظم جناب وزیر الدولہ بہادر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اعجاز التنزیل میں اس مطلب کو بھی نہایت خوب بیان فرمایا ہے جس کو ہم مناسب مقام سمجھ کر ذیل میں درج کرتے ہیں۔

علیؑ کی جاں نثاری کا تقابل حواریٔ عیسیٰؑ سے: "جناب مرتضوی سے جو ایمان و

ایقان اور صبر و سکینہ اور تسلیم و توکل اور جرأت و ہمت اور شجاعت و شہامت کا اظہار اس موقع پر ہوا وہ ایسا حیرت انگیز اور نرالے طور کا ہے کہ اس کی نظیر امتِ اسلامیہ میں تو کیا امتِ مسیحیہ اور دیگر امتوں میں بھی نہیں پائی جاتی - چنانچہ مقدس فطرس نے جو مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سب سے افضل گنے جاتے ہیں ان کے گرفتار کیے جانے کی رات کو بڑے دعوے کے ساتھ یہ کہا تھا کہ اگر تیرے سب ٹھوکر کھائیں تو میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا اور یہ کہ تیرے ساتھ اگر مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار نہ کروں گا اور ایسا ہی اور مریدوں نے کہا تھا جیسا کہ انجیل متی کے چھبیسویں باب میں ہے مگر کم بخت جان ایسی پیاری اور عزیز شے ہے کہ خوف کی آہٹ پاتے ہی سب کے سب جناب ممدوح کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے - وہ مقدس فطرس جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ مُردوں کو جلاتا اور پانی پر چلتا تھا جب امتحان کا وقت آیا تو عیاذاً باللہ جناب موصوف پر لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔"

جیسا کہ انجیل مذکور کے اس باب کی چوہترویں آیت میں ہے اور بات بالکل ٹھیک نکلی جو اس مظلوم رسول نے اسی رات کو ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرمائی تھی کہ "دعا مانگو تا کہ امتحان میں نہ پڑو۔" فی الواقع امتحان ایسی ہی مشکل چیز ہے کہ بجز ان نفوسِ قدسیہ کے جن کے دل سکینۂ الٰہی (جس کا دوسرا نام روح القدس ہے) تھامے رکھے۔ بڑے سے بڑے لوگوں کا قدم بھی ڈگمگا دیتا ہے مگر ہمارے عیسائی دوست شاید یہ کہیں کہ اس وقت تک فطرس روح القدس کے فیضان سے مستفیض نہ ہوا تھا لیکن مقدس پولوس کو کیا کہیں گے جس کو بقول ان کے حضرت مسیحؑ نے خود ظہور فرما کر

فیضانِ روح القدس پہنچایا تھا اور جو باوجود اس کے جان کے خوف سے ٹوکری میں بیٹھ کر شہر دمشق کی فصیل پر سے کود گیا تھا جیسا کہ رسالہ اعمال کے نویں باب کی تئیسویں، چوبیسویں، پچیسویں آیتوں اور خود مقدس موصوف کے کانتھیوں کے دوسرے خط کے گیارھویں باب کی بتیسویں اور تینتیسویں آیت میں ہے، اور بیچارے تو در کنار حضرت محمدؐ بن عبداللہ کے حواری سے جو کام بن آیا وہ تو بڑے سے بڑے نبیوں کا سا کام تھا یعنی ایسے نبی کا جو اپنی خوشی سے ہاتھ پاؤں بندھوا کر خدا کی راہ میں گلا کٹوانے پر راضی ہو گیا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو اس کا بھی یہ فعل اس فخر آبا و اجداد پوتے کے فعل کا ہم پایہ نہ تھا کیونکہ اگرچہ وہ پیغمبر تھا مگر اس وقت ناتجربہ کار لڑکا تھا اور ذبح ہو جانے کی ماہیت سے بھی واقف نہ تھا اور ذبح کرنے والا خود اس کا باپ تھا جس سے طبعاً رحم کی توقع ہو سکتی تھی بخلاف ابوطالبؑ کے بیٹے کے کہ اس وقت تئیس برس کا نوجوان تھا اور ہر ایک امر کے نیک و بد کو بخوبی سمجھ سکتا تھا اور دشمنوں سے کسی رعایت اور رحم کی بھی اس کو توقع نہ تھی اور جنگ و جہاد کی بھی اجازت نہ تھی جو لڑ بھڑ کر شاید بچ نکلتا پس ایسی حالت میں اس کا اپنے پیغمبرؐ کے ارشاد اور اپنے خدا پر بھروسہ کرنا اور بغیر کسی قسم کے تردد کے دشمنوں کے نرغے میں باطمینان تمام نبیؐ کی چادر اوڑھ کر سو رہنا اور پھر تین دن اور رات علانیہ دشمنوں میں آمد و رفت رکھنا اور پھر نہایت سخت و شدید گرمی کے موسم میں کئی سو میل تک یکہ و تنہا دشمنوں کے ملک میں پا پیادہ سفر کرنا ایک قطعی دلیل اس بات کی ہے کہ کلام الٰہی کے واعظ نے مومنین کے دلوں کو (جن کی امارت و سرداری کا خطاب واجب طور سے اس خدا کے ولی کو حاصل ہوا) روح القدس کے فیضان سے معمور کر دیا تھا اور اس روحانیت کی وجہ سے جو قرآن کی معجزانہ تاثیروں نے ان کے دلوں میں پھونک دی تھی - حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں اس دنیا کی زندگی ان کی نظروں میں نہایت حقیر و ناچیز دکھائی دیتی تھی اور بیشک یہ انعامِ الٰہی

اخیر دم تک اس کے ساتھ رہا اور یقیناً آخرت میں بھی اس نورانی صورت میں ان کے آگے آگے اور داہنے ہاتھ پر ہوگا جس کی قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے ویوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم من بین ایدیھم وبایمانھم بشریٰ لکم الیوم جنّات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ذلک ھو الفوز العظیم۔ یعنی اے ہمارے رسولؐ اس دن کو دھیان میں لاؤ جبکہ تم دیکھو گے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو کہ ان کا نور (ایمان) جلد جلد ان کے آگے اور داہنی طرف چلتا ہوگا (اور فرشتے ان سے کہیں گے) خوش رہو تم کو آج کے دن تمھارے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ تم ان میں ہمیشہ رہو گے (دیکھو) یہی تو سب سے بڑا مراد کا ملنا ہے۔" اعجاز التنزیل صفحہ ۹۴-۹۵۔

غارِ ثور: مختصر یہ ہے کہ رسول کریمؐ تین روز تک غارِ ثور میں قیام پذیر رہے[1] حضرت ابوبکر کی بیٹی اسماء کھانا پہنچاتی تھی۔ تین روز کے بعد جب

---

[1] اگرچہ اکثر مورخین و مفسرین نے حضرت رسالتمآب کا حضرت ابوبکر کو مدینہ ہی سے ساتھ لینا درج کیا ہے مگر علامہ سیوطی کی مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر بعد کو تشریف لے گئے اور راستے میں سعادتِ قدمبوسی حاصل کی۔ چنانچہ تفسیر درمنثور جلد ۳ سورۂ توبہ صفحہ ۲۴۰ میں اس واقعہ کو ابن عباس کی زبانی یوں درج کیا ہے۔ قال لما خرج رسول اللہ من اللیل یحق لغار ثور قال تبعہٗ ابوبکر فلما سمع رسول اللہ حسّہٗ خلفہٗ خاف ان یکون الطلبُ فلما رأٰی ذالک ابوبکر عنہ تنحنح فلما سمع ذالک رسول اللہ عرفہ فقام لہٗ حتیٰ تبعہٗ فاتیا الغار فاصبحت القریش فی تبعہٖ فبعثوا الیٰ رجلٍ من بنی مدلج فتبع الاثر حتیٰ انتھیٰ الی الغار وعلیٰ بابہٖ شجرۃ فبال فی اصلھا القایف ثم قال ما جاز صاحبکم الذی تطلبون ھذا المکان قال

(باقی برصفحہ آئندہ)

قریش کا شور و شر کم ہو گیا اور رسول کریمؐ کی تلاش و جستجو دھیمی پڑ گئی تو آنحضرتؐ غار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فعند ذلك حزن ابوبکر فقال له رسول الله لا تحزن ان الله معنا قال فمکث ھو وابوبکر فی الغار ثلاثۃ ایام یختلف الیھم بالطعام عامر بن فھرہ وعلیؑ بتجھیزھم فاشتری ثلاثۃ اباعیر من اھل البحرین واستاجر ھم دلیلاً فلما کان لبعض اللیل من اللیلۃ الثالثۃ اتاھم علیؑ بالابل والدلیل فرکب رسول الله راحلۃً ورکب ابوبکر اخری فتوجھو نحو المدینۃ۔ یعنی جب رسول اللہؐ رات کو گھر سے نکلے اور غارِ ثور پر پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کے پیچھے آنے کی آہٹ معلوم کی تو خوف کیا کہ دشمن پیچھے آ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے اس خوفِ رسولؐ کو محسوس فرمایا تو کھنکھارے۔ پس جب رسول اللہؐ نے ان کی آواز سنی تو پہچان لیا اور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر اور آنحضرتؐ دونوں غار کو تشریف لے گئے۔ قریش تلاش میں نکلے اور قبیلۂ بنی مدیح سے ایک سراغ رساں (کھوجی) کو ساتھ لیا (یعنی ایک ایسے شخص کو جو نشانِ قدم پہچاننے میں مہارت رکھتا تھا) پس وہ نشانِ قدم پر چلا اور غار تک پہنچ گیا جس کے دروازہ پر ایک درخت اُگا ہوا تھا۔ اس درخت کی جڑ میں کھوجی نے پیشاب کیا اور کہا کہ جس کی تلاش میں تم ہو وہ اس مکان سے آگے نہیں گیا۔ اس آواز کو سن کر حضرت ابوبکر بے حد غمگین و محزون ہوئے تو رسول اللہؐ نے فرمایا غم نہ کھاؤ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آنحضرتؐ اور ابوبکر تین روز تک غار میں مقیم رہے اور ان ایام میں عامر بن فہرہ کھانا لے کر آتا تھا اور علیؑ سامانِ سفر کا انتظام فرماتے تھے پس حضرت علیؑ نے بحرین کے اونٹوں میں سے تین اونٹ خرید فرمائے اور ان کے لیے ایک دلیل یعنی رہبر اجرت پر مقرر کیا جبکہ تیسری رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو علیؑ اونٹ لے کر آئے پس آنحضرتؐ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور ابوبکر اپنے پر اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

سے نکل کر غیر معروف راستے سے مع حضرت ابوبکر یثرب کی طرف روانہ ہو گئے اور یثرب سے دو تین میل اس طرف قبا نامی گاؤں میں پہنچ کر حضرت علیؑ کے انتظار میں قیام فرمایا۔ شرفائے قبا کے ممتاز خاندان شخص کلثوم بن ہدم کے گھر میں قیام کیا اور حضرت ابوبکر محلہ سنخ میں علیحدہ ٹھہرے (سیرت ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۱ و طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۱۔ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۔ سیرۃ محمدیہ۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ مروج الذہب مسعودی جلد ا صفحہ ۲۰۹۔ علامہ حسین ابن محمد دیار بکری نے اپنی تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۳۰۰ پر واقعات ہجرت کو درج کرتے ہوئے راستے میں آنحضرتؐ کا ورود خیمہ ام معبد میں بھی تحریر کیا ہے کہ چار شخص دو سواریوں پر ہماری طرف آتے ہوئے ہم کو نظر پڑے۔ پس یہ میرے خیمہ میں اترے میں نے ایک بکری جس کے تھن سوکھے ہوئے تھے حضرتؐ کی خدمت میں پیش کی۔ میرا ارادہ تھا کہ یہ بکری ذبح کر دی جائے۔ آنحضرتؐ نے اس بکری کے تھنوں کو دست مبارک سے مس فرما کر فرمایا، اس بکری کو ذبح نہ کرو۔ پس میں دوسری بکری لائی۔ اس کو ذبح کیا اور اس کا گوشت پکایا۔ کھانا تیار کیا اور رسول اللہؐ کے حضور میں پیش کیا۔ آنحضرتؐ نے مع اپنے ہمراہیوں کے تناول فرمایا اور کھانا بہت بچ رہا اور وہ بکری جس کے تھنوں کو جو سوکھ گئے تھے آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے مس فرمایا تھا ہمارے پاس اٹھارہ برس زمانۂ خلافتِ ثانیہ تک۔ باقی رہی اور اس قدر کثرت سے دودھ دیتی کہ ہم صبح و شام ہر وقت دودھ دوہتے تھے اور خوب پیتے تھے۔

اور علامہ زمخشری کی ربیع الابرار سے اسی ام معبد کی دوسری روایت کو بھی درج کیا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ام معبد کے خیمہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو آنحضرتؐ جب خواب سے بیدار ہوئے باہر تشریف لائے۔ پانی طلب فرمایا۔ دستِ مبارک دھوئے اور ایک خاردار جھاڑی عوسجہ جو خیمہ کے ایک طرف لگی ہوئی تھی اس کی جڑ میں کلی فرمائی۔ ہم نے صبح اٹھ کر دیکھا تو وہ پھیلی ہوئی جھاڑی ایک

بہت عظیم الشان درخت بن گیا تھا اور بڑے بڑے پھل لگے ہوئے تھے جو مزے میں شہد سے زیادہ میٹھے اور مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار۔ بھوکا کھا کر سیر ہو جاتا تھا۔ پیاسے کی پیاس بجھ جاتی تھی۔ پانی پینے کی ضرورت نہ رہتی۔ بیمار کھاتا تندرست ہو جاتا۔ اس درخت کے پتے جس اونٹنی اور بکری کو کھلائے جاتے ان کا دودھ بہت زیادہ ہو جاتا تھا۔ ہم نے اس درخت کا مبارکہ نام رکھا تھا۔ بیمار لوگ گرد و نواح سے اس سے شفا پانے کے لیے آئے تھے۔ یہ حالت ایک عرصہ تک برابر جاری رہی یکایک ہم نے ایک دن صبح کو اٹھ کر جو دیکھا تو اس درخت مبارکہ کے تمام پھل گر گئے اور پتے بہت چھوٹے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ہم رونے لگے اور ہم کو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ نے انتقال فرمایا۔ اس کے بعد تیس سال تک یہی حالت رہی پھر تیس سال کے بعد پھر اس کے پھل ایک روز گر گئے اور اس کی تر و تازگی بالکل مفقود ہو گئی۔ درخت خشک ہو گیا۔ پھل آنے بند ہو گئے۔ بس اس کے پتوں سے ہی ہم لوگ فائدہ اٹھاتے رہے مگر ایک زمانہ کے بعد ہم نے ایک دن یکایک دیکھا کہ اس درخت کی ٹہنیوں اور خشک پتوں سے تازہ خون بہہ رہا ہے۔ سب پتے گر گئے اور درخت بالکل خشک ہو گیا۔ ہم روتے اور جزع فزع کرتے تھے۔ اس وقت ہم کو خبر لگی کہ حسینؑ ابن علیؑ کربلا میں شہید ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
(نیز نور الابصار شبلنجی ص۲۵ و ۲۶)

شب ہجرت کفار کا علیؑ سے تعرض: اس طرف مکہ میں جب صبح کو قریش کی آنکھ کھلی تو فرش رسولؐ پر بجائے رسولؐ، نفس رسولؐ حضرت علی مرتضیٰؑ کو دیکھا۔ متحیر ہو کر پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ فرمایا کہ تم نے میرے سپرد کیا تھا جو پوچھتے ہو، تم ہی لوگوں نے آنحضرتؐ کو نکالا۔ پس وہ تشریف لے گئے۔ یہ سن کر ان بدبختوں نے علیؑ کو پکڑ کر مارا اور حرم کعبہ

میں کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا (تاریخ طبری جلد ص۲۴۵ ۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص۴۹۔ رحمۃ للعالمین وغیرہ) مگر ائمہ اہل بیتؑ کی روایات سے صرف اسی قدر پایا جاتا ہے کہ قریشِ مکہ علیؑ سے دریافت کر کے چلے گئے۔

ادائے امانات کے بعد سفر: علیؑ تین رات دن نہایت دلیرانہ طور پہ دشمنوں کے درمیان مکہ میں ٹھہرے رہے اور حکمِ رسولؐ کے مطابق امانتیں جو رسول اللہؐ کے پاس تھیں ان کو واپس دیں اور پھر اس سخت دشدید گرم موسم میں جو بقول کامن ذی پرسوال مورخ کے جون کا مہینہ تھا، ان پتھریلے اور سنگلاخ راستوں کو طے فرما کر سفر کی صعوبتیں اٹھاتے طرح طرح کی تکلیفیں جھیلتے، سوجے ہوئے پاؤں سے جن میں چھالے پڑے ہوئے تھے رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضرتؐ کو یہ معلوم ہوا کہ علیؑ پاؤں کی تکلیف سے چل نہیں سکتے ہیں تو خود علیؑ کے پاس تشریف لے آئے۔ علیؑ کی یہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا۔ گلے سے لپٹا لیا اور رو کر لعابِ دہن لگایا۔ خدائے جلیل نے اپنے حبیبؐ کے لعابِ دہن کی برکت سے تمام تکلیفوں کو دور فرما دیا اور علیؑ رسولِ خداؐ کے ساتھ ہی قبا میں رہے (تاریخ کامل جلد ۲ ص۵۱ ۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص۳۸۱ ۔ مدارج ص۵۸ ۔ ابن خلدون ص۱۶ وغیرہ ۔ ارجح المطالب ص۴۰۸ و ص۴۰۹ ۔ اخرجہ احمد والنسائی، ابن اثیر جزری، اسد الغابہ)

مسجدِ قبا کی تعمیر: رسولِ کریمؐ نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ مسجدِ قبا کی تعمیر کا تھا۔ یہی وہ اسلام کی مبارک مسجد ہے جس کو رسولِ عربیؐ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر فرمایا ہے۔ آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس مردوں اور عورتوں کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کرتے اور سب کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر فرماتے ہیں۔ بڑے بڑے بھاری پتھر اٹھا کر لاتے ہیں۔ جسم مبارک خم ہو

جاتا ہے۔ جاں نثار مسلمان بڑھ کر عرض کرتے ہیں۔ ہمارے ماں باپ فدا ہوں، حضور چھوڑ دیں ہم اٹھائیں گے۔ حضرت ان کی درخواست پر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر اس وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے ہیں۔ یہی وہ مسجدِ قبا ہے جس کی شان میں خدائے جلیل نے قرآن میں فرمایا ہے لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ (وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو) اس مسجدِ قبا کی تعمیر کے متعلق شاہ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اہلِ قبا التماس نمودند کہ مسجدے برائے ایشاں بنا فرمایند۔ اشارت بصحابۂ کرام کرد و فرمود یکے از شما بریں ناقہ من سوار شود و بگرداند۔ ابوبکر صدیق برخاست و بر پشت ناقہ نشست۔ بعد از وے عمر فاروق سوار شد نیز برخاست بعد ازاں علی مرتضیٰؓ برخاست ہمیں کہ پائے در رکاب آورد ناقہ بجنبت فرمود زمام او را رہا کن کہ وے ماموراست کہ بر گردد بر جائے کہ مقصود است۔ پس آنجا کہ ناقہ گردید مسجد قبا بنا فرمود۔"

(یعنی قبا کے لوگوں نے حضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے لیے مسجد تعمیر فرما دی جائے۔ حضورؐ نے صحابۂ کرام کی جانب اشارہ کر کے فرمایا تم میں سے ایک شخص میرے ناقہ پر سوار ہو کر گردش دے۔ حضرت ابوبکر صدیق اٹھے ناقہ پر سوار ہو کر چلانا چاہا مگر ناقہ نہ اٹھا۔ ان کے بعد حضرت عمر نے سوار ہو کر کوشش فرمائی کہ ناقہ کو چلائیں مگر وہ بھی ناکامیاب رہے۔ ان کے بعد علی مرتضیٰؓ اٹھے۔ یوں ہی پائے مبارک رکاب میں رکھا فوراً ناقہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رسولِ خداؐ نے فرمایا باگ چھوڑ دو۔ ناقہ مامور ہے۔ خود یہاں کا حکم ہے وہیں گردش کرے گا۔ آخر جہاں

جگہ پر وہ ناقہ ٹھہرا اسی مقام پر مسجد قبا تعمیر کی گئی۔"

صاحب تاریخ خمیس نے بھی اس روایت کو جابر بن سمرہ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے دیکھو تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۸۱ اور تاریخ احمدی صفحہ ۳۰۔

مورخین اور اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت رسول خدا نے قبا میں چار روز قیام فرمایا تھا مگر صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ چودہ روز قیام رہا اور یہی قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا انتظار فرمانا اور پھر حضرت علیؑ کا پہنچنا اور نیز تعمیر مسجد قبا کی تکمیل یہ سب کام چار روز کے قلیل عرصہ میں بعید از قیاس نظر آتے ہیں۔

قبا میں مدینہ کے زن و مرد اپنے پیارے نبی محبوب الٰہی کی زیارت کو جوق جوق تکبیروں کی آوازیں بلند کرتے خوشی کے نعرے لگاتے آتے تھے اور ستاروں کی طرح اس قمر رسالت کو گھیر لیتے تھے۔ آفتاب نبوت مجمع اصحاب میں جلوہ افروز ہوتا تھا جب تمازت آفتاب زیادہ ہو جاتی تھی تو دھوپ سے حفاظت کے لیے حضرت ابوبکر چادر تان کر سایہ کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کا ورود: اب آفتاب رسالت کی کرنیں منزل قبا سے اٹھ کر مدینہ میں پڑتی ہیں۔ رحمت الٰہی کا بادل قبا سے اٹھتا ہے اور مدینہ پر برستا ہے۔ رحمۃ للعالمین کا نزول اجلال مدینہ میں ہوتا ہے۔ عقیدت مند اصحاب کا مجمع جلو میں ساتھ ساتھ ہے۔ نور الٰہی کی چھوٹ پڑ رہی ہے مشتاقان دیدار کی صفیں دو رویہ جمی ہوئی ہیں۔ رحمت الٰہی کا نزول ہے اور محبوب خدا کی آمد آمد ہے۔ عورت مرد لڑکے، لڑکیاں مسرت سے باغ باغ ہیں۔ خوشی سے نہال ہیں۔ شکر الٰہی اور مدحت رسالت پناہی کے گیت گاتے۔ اور تکبیروں کے نعرے لگاتے ہیں۔ انصار کے قبیلے

استقبال کو بڑھتے ہیں اور جوش عقیدت میں سرشار ہیں - جان و مال گھر بار نثار کرنے کو تیار ہیں - گویا زبانِ حال سے پکارتے ہیں ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

رسول اللہؐ اپنے ان جان نثار عقیدت شعاروں کے جوشِ محبت کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں - اظہارِ تشکر کرتے ہیں - دعائے خیر دیتے ہیں - ہر ایک شخص کی یہی خواہش یہی تمنا یہی آرزو ہے کہ اس رحمتِ الٰہی اور اس لازوال نعمتِ خداوندی کے نزول کا شرف مجھی کو حاصل ہو - مگر ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت ارشاد فرماتے ہیں، میرے ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے - جہاں حکمِ خدا سے میرا ناقہ بیٹھے گا وہیں میں ٹھہر جاؤں گا - چنانچہ یہ دولت حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے حصہ میں آتی ہے اور محبوبِ الٰہی کی

لہ حضرت ابو ایوب انصاری بڑے مشہور و نامور صحابی ہیں - رسول الٰہی کے سچے جان نثار ہیں اور دینِ اسلام کے صادق فدائی ہیں - امیر معاویہ کے مقابل میں نفسِ رسولؐ جناب مرتضوی کے یار و مددگار تھے - علامہ عبد البر کی اپنی کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں کان ابو ایوب الانصاری مع علی بن ابی طالب فی حروبہ کلھا - (ابو ایوب انصاری تمام لڑائیوں میں حضرت علیؑ کے ساتھ شامل تھے) استیعاب جلد ا صلا۱۵ - اور حضرت علیؑ کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے - جنگِ صفین اور واقعہ تحکیم کے بعد معاویہ نے عراق و حجاز میں شور و فساد برپا کرنے اور دوستدارانِ علیؑ کو قتل و غارت کرنے کے لیے جب اپنی فوجیں بھیجیں تو مدینہ کو لوٹنے اور اہلِ مدینہ سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

میزبانی کا شرف ان کو ہی ملتا ہے۔ اکثر اہلِ سیر و اربابِ تاریخ کا یہی بیان ہے جو درج کیا گیا۔ مگر مولانا شبلی حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر میں رسول اللہؐ کے قیام فرمانے کی وجہ صحیح مسلم اور بخاری کی تاریخ صغیر کی روایت سے یہ تحریر فرماتے ہیں اور اپنی اس رائے کو ترجیح بھی دیتے ہیں کہ ابو ایوب بنی نجار کے قبیلے سے تھے اور یہ قبیلہ حضرت عبدالمطلب کا ماموں ہوتا تھا۔ یعنی ہاشم کی زوجہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ گرامی سلمیٰ اسی قبیلہ سے تھیں۔ اس قرابت کی بنیاد پر رسول اللہؐ نے ابو ایوب کو یہ شرف بخشا تھا۔ بے شک یہ رشتہ اور یہ قرابت کا سلسلہ درست ہے لیکن اس خلقِ عظیم اور رحمتِ عالم معلّمِ اخلاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خلافتِ معاویہ پر بیعت لینے کے لیے بسر بن ارطاۃ ظالم کو بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ بھیجا تھا۔ ابو ایوب اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے۔ یہ بزرگ بنی امیہ کے اس ٹڈی دل ستم شعار لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے تو مدینہ چھوڑ کر حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالحق دہلوی جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں "قرطبی از روایت ابن عبدالبر آوردہ کہ معاویہ بعد از قضیۂ حکمین بسر بن ارطاۃ را با لشکر بمدینہ فرستاد تا عہد بیعت از بی بلدۂ معظمہ بر خلافت او بگیرد۔ ابو ایوب انصاری دراں وقت از جانب امیرالمومنین علیؑ عامل مدینہ بود دے از جہت خوف فرار برقرار دادہ۔ بجناب ولایت مآب مرتضوی ملحق باشد" دیکھو جذب القلوب و استیعاب عبدالبر جلد ا صفحہ ۶۶۔ مروج الذہب مسعودی صفحہ ۴۴ جلد ۲۔ اس بسر بن ارطاۃ کے مظالم کا حال ہم انشاء اللہ آئندہ امیر معاویہ کے ارکانِ دولت کے ذیل میں کریں گے۔ یہی ابو ایوب انصاری وہ بزرگ ہیں جن کی قبر کو یزید پلید نے معاویہ کی حیات میں گھوڑے دوڑا کر پامال کیا تھا جس کو ہم مفصل ناموسِ اسلام حصہ اول میں درج کر چکے ہیں اور اس کتاب میں بھی معاویہ کے حالات میں بیان کریں گے۔

خداوندی کے اخلاقِ عالیہ پر نظر کرتے ہوئے اس قرابت و رشتہ کی وجہ کو ترجیح دینا
بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکر ممکن تھا کہ وہ خلقِ مجسم جو رحمۃٌ للعالمین کا تاج سر پر رکھے
تھا اپنے انتہائی عقیدت مند شتاقوں کو اس قرابت کی وجہ سے محروم فرما دیتا اور
ان کی دل شکنی کو گوارا کر لیتا۔ بس ہمارے خیال میں اصلی وجہ جو زیادہ قابلِ قبول
ہے وہی ہے جو اکثر اہلِ تاریخ و سیر نے درج کی ہے یعنی اس عاشقِ الٰہی نے
جو بلاشک اپنے قول و فعل میں حکم خدا کا تابع فرمان ہے۔ ان مختلف درخواستوں
اور التجاؤں پر یہی فیصلہ فرمایا کہ جہاں حکمِ خدا سے اس کا ناقہ خود بیٹھ جائے گا وہیں
قیام ہوگا۔ پس اس صورت میں نہ کسی کی دلشکنی ہو سکتی ہے اور نہ کسی کو شکایت
کا موقع مل سکتا ہے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر:

غرض کہ اب مدینہ رسول دینِ الٰہی کا ہیڈ کوارٹر اور شہنشاہِ رسالت کا مستقل پایۂ تخت قرار پاتا
ہے۔ مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد ہی مسجدِ مقدس نبوی اور بیت الشرفِ رسالت کی
تعمیر بھی وہاں ہی قرار پاتی ہے جہاں حکم خدا سے آنحضرت کا ناقہ ابوایوب انصاری
کے گھر کے آگے بیٹھا تھا۔ یہ مسجد کیا تھی صرف ایک چبوترہ بنا کر اس پر قدِ آدم
کچی اینٹوں کی ایک دیوار بنائی گئی تھی جس کے سایہ میں نماز پڑھ لی جاتی تھی۔ پھر
کچھ دنوں کے بعد دھوپ سے بچنے کے لیے لوگوں کی خواہش پر کھجور کی لکڑیاں ستونوں
کی بجائے گاڑ کر کھجور کے ہی پتوں اور گھاس پھونس سے ڈھانک کر ایک چھپر سا
بنا لیا گیا تھا۔ اس چبوترے کے اس طرف ایک مسقف صفہ ان نادار مسلمانوں
کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا جو مکان بنانے کی مقدرت نہ رکھتے تھے یہی وہ لوگ
ہیں جو اہلِ صفہ کہلاتے ہیں اور ان کی پرورش کا زیادہ دار و مدار آنحضرتؐ ہی
کی ذاتِ اقدس پر تھا۔ آنحضرتؐ ہی ان نادار و مفلس مسلمانوں کے کھانے اور

کپڑے کی خبر لیتے تھے اور اکثر اوقات ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ تعمیر مسجد کے بعد بیت الشرف رسالت، اہلبیتِ اطہار، ازواج مطہرات اور اصحاب و مہاجرین کے مکانات بھی ایسے ہی پیمانے کے چھوٹے چھوٹے کچی دیواریں بنا بنا کر اور کھجور کی ٹٹیاں کھڑی کر کے تعمیر کیے گئے تھے۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۸-۸۹۔

مواخات: اسی زمانہ میں اس شہنشاہِ دین و دنیا، سیاستِ اسلامی کے تاجدار اور مسلمانی تمدن کے فرمانروا ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جوڑنے والے چھٹے ہوئے قبیلوں کو ملانے والے، نفاق و دشمنی کی آگ بجھانے والے رحمۃ للعالمین نے اتفاق و اتحاد کے جام پلا کر مساوات اسلامی کے زریں اصول قائم فرمائے۔ مسلمانوں کی جماعت میں کُل مسئلہ اخوۃ کی تازہ روح پھونک کر اخوت کے سلسلے کو جاری فرما کر برادرانہ ہمدردی اور ایک دوسرے کی امداد و اعانت کرنے کی تعلیم فرمائی اور اس طرح اُن وطن آوارہ اور خانماں برباد مہاجرین کو انصار کے ساتھ اخوتِ اسلامی کے رشتے میں باندھ کر ان کی بے سرو سامانی اور خانہ بربادی کی تکلیفوں کو دور کرنے کا انتظام فرمایا یعنی ایک ایک مہاجر کو انصاری کا بھائی بنا کر اس کا شریکِ رنج و راحت قرار دیا حضرت ابوبکر کو خارجہ بن زید انصاری اور حضرت عمر کو عتبان بن مالک انصاری کا بھائی بنایا گیا اور اُوس بن ثابت انصاری کو حضرت عثمان کا اور ابوعبیدہ جراح کو سعد بن معاذ کا بھائی قرار دیا گیا۔ زبیر بن العوام کو سلامہ بن وقش انصاری سے اور مصعب بن عمیر کو ابوایوب انصاری سے رشتۂ اخوت میں باندھا۔ عمار یاسر اور حذیفہ یمان، ابوذر غفاری اور مقداد بن عمر سلمان فارسی اور ابو درداء باہم بھائی بنائے گئے (سیرت النبی صفحہ ۱۱۱ سیرت ہشام صفحہ ۱۷۹ ابوالفدا صفحہ ۱۲۲ مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۹۱ معارج النبوۃ صفحہ ۲۲ سیرت محمدی، تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۲۹۸، ابن خلدون جلد ۲ رسالہ بارہ امام صفحہ ۲۳ مصنفہ احمد مکرم صاحب رکن چہارم عباسی)

حقیقت میں وہ حکیم مطلق انسانی طبیعتوں

علیؑ و نبیؐ کے درمیان مواخات: کا رنگ جاننے والا عالم حقائق واقف ظاہر و باطن جس کو جس کے مزاج اور طبیعت کے مطابق دیکھتا ہے اور جس کو جس کے ہم رتبہ، ہم خیال اور مساوی المزاج سمجھتا ہے اسی کو اس کا شریکِ کار اور بھائی قرار دیتا ہے۔ غرضکہ اسی طرح پر سب مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے ساتھ سلسلۂ مواخات میں وابستہ ہو گئے لیکن جس طرح آنحضرتؐ نے اپنی ذاتِ اقدس کو کسی مہاجر و انصار کے ساتھ سلسلۂ اخوت میں منسلک نہ فرمایا اسی طرح علیؑ بن ابی طالبؑ کو بھی کسی مہاجر یا انصار کا بھائی نہ بنایا۔

بے شک علیؑ نفسِ رسولؐ ہے اور جسم و جانِ نبیؐ ہے۔ علیؑ کی طینت رسولؐ کی طینت ہے۔ علیؑ کی خلقت رسولؐ کی خلقت ہے۔ انا و علیؑ من نور واحد وانت منی وانا منک (دیکھو ارجح المطالب صفحہ ۵۹، ۵۸، ۴۵۷، ترمذی صفحہ ۲۰۳، مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۶ ینابیع المودۃ صفحہ ۵۵، مسند احمد حنبل صفحہ ۱۲۹) اسی پر دال ہے۔ علم و فضل میں شاگرد استاد کے جمال و کمال کا آئینہ ہے پس کسی طرح نبیؐ و علیؑ میں جدائی نہیں۔ یہاں بال کی بھی رسائی نہیں۔ علیؑ کا ہم رتبہ نہ انصار میں ہے نہ مہاجرین میں، اس لیے علیؑ کو اپنے لیے اور اپنی ذات کو علیؑ کے لیے مخصوص فرماتے ہیں (مدارج النبوۃ صفحہ ۹۱، معارج النبوۃ صفحہ ۲۲، تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۸، اسعاف الراغبین صفحہ ۱۵۴، ینابیع المودۃ صفحہ ۵۶، ۵۵)

احمد حنبل نے اپنی مسند میں حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے قال اخا رسول اللہ فی المھاجرین والانصار وکان یواخی بین الرجل ونظیرہ ثم اخذ بید علیؑ فقال ھذا اخی۔ یعنی رسول اللہ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا سلسلہ قائم فرمایا اور جس کو جس سے مشابہ اور مثل پایا اسی کو اس کا بھائی بنا دیا پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے۔ تاریخ ابو الفدا صفحہ ۱۲۴ میں ہے

فاتخذ رسول اللہ علی بن ابی طالب اخاً (رسول اللہ نے علیؑ کو اپنا بھائی بنایا)
سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۶۹ پر ہے قال ابن اسحاق وآخیٰ رسول اللہ بین اصحابہ
من المھاجرین والانصار فقال فیما بلغنا نعوذ باللہ ان نقول علیہ مالم یقل فاخی
فی اللہ اخوین ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ھذا اخی فکان رسول اللہ سید
المرسلین امام المتقین ورسول اللہ الذی لیس لہ خطیر ولا نظیر من
العباد وعلی بن ابی طالب اخوین (ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ
نے اپنے اصحاب مہاجر و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا۔ ابن اسحاق
کہتا ہے کہ اس کے متعلق جو خبر ہم تک پہنچی ہے اگر ہم اس میں ارشاد رسولؐ کو
غلط بیان کریں تو ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ نے خدا کی منشاء اور رضا
کے لیے دو دو کو بھائی بنایا پھر علیؑ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ میرا بھائی
یہ علیؑ ہے۔ پس رسول اللہؐ جو بے شک رسولوں کے سردار، متقیوں اور پرہیزگاروں
کے امام اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں بے شک بندوں میں کوئی ان کا مثل و نظیر
نہیں پس وہ اور علیؑ بن ابی طالب دونوں بھائی بھائی ہیں۔ علامہ اسحاق کا یہ قول بتا
رہا ہے کہ بلاشک کیا بلحاظ روحانیت و نورانیت اور کیا بلحاظ علم و فضل کیا بلحاظ عفت و
عصمت کیا بلحاظ مراتب و یگانگت کسی پہلو سے بھی نظر ڈالو اور کسی صورت سے
بھی دیکھو حضرت رسول خدا کے ساتھ شریک ہونے والا اور ان کا بھائی بننے کی
اہلیت اور قابلیت رکھنے والا علی بن ابی طالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا
یہ شرف و اعزاز نہ کسی مہاجر کو حاصل ہوا نہ ناصر کو، بے شک یہ درجہ علیؑ
ہی کا ہے۔ علیؑ ہی اس کا مستحق ہے علیؑ ہی اس کا اہل ہے۔ خدائے جلیل
اس سے پہلے بھی علیؑ کو اپنے رسولؐ کو بھائی بنا چکا ہے۔ فرشتوں میں مباہات
فرما کر جبرئیل و میکائیل کی گواہی دلا چکا ہے (ملاحظہ ہو شب ہجرت علیؑ کا بستر رسولؐ

پر سونا)۔

پھر ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حمزہ ابن عبدالمطلب جو رسول اللہ کے چچا ہیں، شیر الہی اور شیر رسولؐ ہیں ان کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا گیا اور حمزہ نے انھیں زید بن حارثہ کو جنگ احد میں لڑائی کے وقت وصیت فرمائی تھی اور جعفر ابن ابی طالب (علیؑ کے بھائی) کو جو جنت میں دو پروں کے ساتھ پرواز فرماتے ہیں۔ معاذ بن جبل (بنی سلمہ) کا بھائی قرار دیا گیا (دیکھو سیرت ہشام)۔

مولوی شبلی صاحب نے مدینہ میں مواخات کے واقعہ کو گو بڑی تفصیل کے ساتھ نام بنام درج فرمایا ہے مگر علیؑ کے بھائی بنانے کے واقعہ کو چھوڑ گئے ہیں اور ایسا ہی ابن خلدون نے بھی علیؑ کا ذکر مناسب نہیں سمجھا۔ ہم نے اس واقعہ کو سیرت ہشام اور تاریخ وحدیث کی معتبر کتابوں سے درج کر دیا ہے۔ کنز العمال ملا متقی اور استیعاب، عبدالبر کی تاریخ خمیس معارج النبوۃ ص۲۷۔ اسعاف الراغبین ص۲۴۷ مدارج النبوۃ اور سیرت محمدی وغیرہ کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواخات کا عمل ہجرت سے پہلے مکہ میں بھی جاری کیا گیا تھا بعض مہاجرین اصحاب کو اس سے پہلے مکہ میں بھی باہم ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا تھا اور اس وقت حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کا بھائی بنایا گیا تھا اور حضرت عثمان کو عبدالرحمن بن عوف کا اور طلحہ کو زبیر کا۔ اس وقت بھی علیؑ سے یہی فرمایا تھا انت اخی فی الدنیا والاخرۃ ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد۱ ص۲۹۸۔

ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں ابن عبدالبر سے روایت کی ہے۔ کانت المواخاۃ مرتین الاولی قبل الھجرۃ بمکۃ بین المھاجرین خاصۃ رواہ الحاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری حدیثا یدل علی ما قال ابن حجر وھو حدیث ابی عمر قال اخی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بین ابی بکر و عمر و بین طلحۃ والزبیر و بین عثمان و

عبدالرحمٰن بن عوف وفی روایۃ بین حمزۃ بن عبدالمطلب وزید بن الحارثہ فقال یا رسول اللہ اخیت بین اصحابک فمن اخی قال انا اخوک وفی روایۃ انت اخی فی الدنیا والاخرہ وھولاء کلھم من المھاجرین والثانیۃ ماتقدم من المواخاۃ بین المھاجرین والانصار۔

۳۹۸ صحیح بخاری کی شرح میں ابن حجر عبدالبر کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ مواخات کا واقعہ دو دفعہ عمل میں آیا۔ پہلی دفعہ ہجرت سے قبل مکہ میں خاص خاص مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا تھا۔ حاکم بن عبداللہ نیشاپوری نے جو حدیث روایت کی ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو ابن حجر بیان کرتے ہیں اور وہ حدیث ابوعمر ہے وہ بیان کرتا ہے کہ رسول خدا نے ابوبکر و عمر کو اور طلحہ اور زبیر کو اور عثمان و عبدالرحمٰن کو باہم بھائی بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب اور زید بن حارثہ کو بھائی بنایا پس علیؑ نے حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا میرا بھائی کون ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا اے علیؑ میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا دنیا و آخرت میں، پس یہ کل مہاجر تھے۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ مواخات وہ ہے جو مہاجر و انصار میں واقع ہوا نیز مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۹۱۔

ہجرت رسولؐ سے لے کر اب تک جو واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی تائید تمام کتب سیر و تاریخ و حدیث اور تفسیر سے ہوتی ہے۔ کوئی ایک بات

لہ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ا صـ۷۹ـ۷۷، تاریخ کامل جلد ۲ صـ۴۹ تا ۵۳۔ تاریخ خمیس جلد ا صـ۶۵، ۶۶، ۷۷، ۸۱، ۳۸۱، تاریخ الفدا جلد ا صـ۱۲۴، سیرت ہشام جلد ا صـ۷، ۱۱، ۱۹، سیرت النبی شبلی صـ۱۹۶، صـ۲۱۵، ابن خلدون جلد ۲ صـ۱۵، ۱۶، اعجاز التنزیل صـ۵۸ تا ۹۸ رحمت العالمین جلد ا صـ۷۹، ۸۱، مدارج النبوۃ صـ۹۱، معارج النبوۃ رکن چہارم (باقی برصفحہ آئندہ)

بھی اپنی طرف سے درج نہیں کی گئی۔

جہاد کی ابتدا: شہنشاہِ اسلام کے یثرب میں نزولِ اجلال فرماتے ہی گلشنِ اسلام میں بہار آگئی۔ رحمت کا بادل جھوم جھوم کر برسا۔ آفتابِ رسالت پوری قوت سے چمکا۔ نورانی شعاعیں تیز ہوئیں۔ ریاضِ محمدی کے پودے لہکے، باغِ اسلام کے پھول مہکے۔ توحید کے غنچے چٹکے، تبلیغِ محمدی کی روح افزا مہک دُنیا میں پھیلنے لگی۔ اسلام ترقی کرنے لگا اور مسلمانوں کی قوت بڑھنے لگی۔ بنی ہاشم کا فروغ رسول اللہ کے جاہ و جلال کی روز افزوں ترقی مکّہ کے بُت پرستوں، ابوجہل، ابوسفیان، اور دیگر بنی امیہ کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔ دُنیا نظروں میں تیرہ و تار تھی، سینے پر سانپ لوٹتے تھے اور حسد کی آگ شعلے بھڑکا رہی تھی۔ اسلام کو مٹانے اور شمعِ رسالت کو بجھانے کے لیے حد درجہ بے چین تھے۔ مثل مشہور ہے "جہاں گُل وہاں خار"۔ اس ریاضِ اسلامی میں پھولوں کے ساتھ کچھ کانٹے بھی پائے جاتے تھے۔ مدینے میں حضرت رسولِ خدا کے قدیمی دشمن اسلام کے پرانے مخالف یہودی موجود تھے اور ان کے علاوہ منافقین کا گروہ بھی مارِ آستین بنا ہوا آنحضرت کے ساتھ ساتھ تھا۔ کفارِ مکّہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے اخراج اور آنحضرت کے قتل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ص۲۲ جذب القلوب ص۱۱۶ استیعاب جلد ۲ ص۴۶۰ تاریخ احمدی ص۲۷، ۲۸، ۳۳، مشکوٰۃ ص۲۵۶، صحیح ترمذی ص۲۱۳، سیرتِ محمدی مولوی کرامت علی دہلوی۔ فصول المہمہ ص۳۲، ۳۴، ۳۸، مطالب السئول ص۶۲، ۶۳ ینابیع المودۃ ص۵۷، ۹۲، ارجح المطالب ص۴۱۳، ۴۲۳۔ صواعق محرقہ ص۷۲، تذکرہ خواص الامہ ص۱۳، ۲۱، اسعاف الراغبین ص۱۵۴ نور الابصار علامہ مومن شبلنجی ص۲۲، ۲۳، بہجۃ المحافل، مروج الذہب مسعودی جلد ۱ ص۲۷۹ درمنثور جلال الدین سیوطی جلد ۲ ص۲۴۰ وغیرہ جمع الجوامع سیوطی وغیرہ

کی شہ دے رہے تھے۔

اس وقت تک اسلامی احکام صرف روحانی ترقی، تزکیہ نفس، توحید و رسالت کی معرفت تک محدود تھا مگر اب قریش کے شور و شر اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی حفاظت جان و مال اور مدافعت شر اعدا کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی۔

ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کبریٰ سے پہلے حفاظت خود اختیاری اور تفتیش حالات قریش کی بنا پر اگرچہ کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں جیسے ذات العشیرہ، بواط غزوۂ ابوا وغیرہ جن میں علم فوج محمدی کبھی امیر حمزہ کے کاندھے پر لہراتا تھا کبھی علی بن ابی طالب کے شانوں پر کبھی یہ شرف سعد بن ابی وقاص کو دیا جاتا تھا اور کبھی مقداد بن اسود کو مگر قریش کے ساتھ معرکۃ الآرا جنگ بدر ہی کے میدان میں ہوئی

ابو سفیان کا قافلہ شام سے واپس آتا ہے اور جنگ بدر کا آغاز ہو جاتا ہے

غزوۂ بدر: مشرکین مکہ اور قبائل قریش بڑے جوش و خروش کے ساتھ پوری تیاری سے ایک ہزار فوج عتبہ اور ابوجہل جیسے نامی سرداروں کی ماتحتی میں لے کر پیغمبر اسلام کے مقابلہ کو آجاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۰۳ و صفحہ ۱۱۲، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۵، صفحہ ۶۰ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، صفحہ ۲۸۰ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۳۵۔ معارج النبوۃ صفحہ ۳۶ و صفحہ ۴۳ تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۸ و صفحہ ۴۵۶ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹، ۵۴، سیرت النبی صفحہ ۲۳۰ و صفحہ ۲۵۴، کنز العمال و سیرت محمدی وغیرہ۔

امیر معاویہ بھی اس معرکہ میں اپنے بھائیوں حنظلہ وغیرہ کے ساتھ باپ کے پہلو میں مسلمانوں کے مقابل دوڑ دھوپ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قیل لہشام ابن الحکم ھل شھد معاویہ یوم بدر قال نعم من جانب الکفار

(ہشام ابن الحکم سے پوچھا گیا کہ معاویہ جنگ بدر میں شامل تھے؟ ہشام نے کہا، ہاں کافروں کی طرف سے آئے تھے) محاضرات جلد ۲ امام راغب اصفہانی صفحہ ۲۸۳ مناظرت ص ۴۴۵

ادھر سے مشرکین مکہ ایک ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ زرہ بکتر سجائے بڑے کرّوفر سے گانے والی عورتوں کو ساتھ لیے گاتے بجاتے مسلمانوں پر حملہ کرنے آئے تھے۔ (مدارج النبوۃ صفحہ ۱۰۲) اس طرف بادشاہِ اسلام صرف تین سو تیرہ مہاجر و انصار کی جمعیت کو لے کر جن میں دو تین گھوڑے اور ستر اونٹ ہیں مدینے سے نکلتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عبدالرحمٰن بن عوف کی سواری میں صرف ایک اونٹ ہے اور اسی طرح دو دو تین تین مجاہد مہاجرین و انصار کے حصہ میں سواری کے لیے ایک ایک اونٹ ملا ہے۔ شہنشاہِ کونین حضور سرورِ عالم کے ساتھ علی بن ابیطالبؑ اور زید بن حارث شریکِ سواری ہیں۔ آنحضرتؐ علیؑ یا زید کو سوار کرنے کے لیے اونٹ سے اترتے ہیں اور علیؑ اور زید عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا رسول اللہؐ آپ نہ اُتریئے۔ ہم حضورؐ کی رکاب میں پاپیادہ چلیں گے مگر حضورؐ فرماتے ہیں نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں تم سے زیادہ راہِ خدا میں خدمت کرنے اور اجر و ثواب کرنے سے بے نیاز ہوں (سبحان اللہ، دل و جانم فدائے ذاتِ نبیؐ، یہ ہے سیرتِ محمدی اور یہ ہے تعلیمِ رسولؐ اور مساواتِ اسلامی) مدارج النبوۃ صفحہ ۱۰۲، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۶۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۲، معارج النبوۃ صفحہ ۳۷ و ۳۸۔

مسلمان اپنی قلت اور کافروں کی کثرت دیکھ کر دل چھوڑے جاتے ہیں۔ حد درجہ خائف و ترساں نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت النبی صفحہ ۲۵۳۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:-

"آنحضرتؐ مدینہ سے اس سر و سامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ

تین سو سے زیادہ مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت حمزہ سید الشہداء بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح موجود ہے) ڈر کے مارے بہت سے اصحاب کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ وانا فریقاً من المومنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت (مسلمانوں کی ایک جماعت ناکارہ تھی وہ مجھ سے حق ظاہر ہو نے پر بھی جھگڑا کرتے تھے۔ گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔"

القصہ فوج اسلام بڑھتی ہے عقاب نامی نشانِ محمدی کا پرچم نفسِ رسولؐ کے شانوں پر لہراتا ہے اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے کاندھے پر اتنا شاندار پھریرہ اڑا رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۲۷۲۔ تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۵۲۔ سیرت ہشام جلد ۲ صہ ۱۲ کنز العمال وغیرہ) دونوں طرف سے فوجیں بڑھتی ہیں۔ اسلام و کفر کا مقابلہ ہوتا ہے صفِ کفار سے عتبہ، شیبہ اور ولید قریش کے نامی سردار ابو سفیان کے قریبی رشتہ دار نشۂ کفر میں بدمست ہاتھی کی طرح جھومتے بہادری کے گھمنڈ میں ڈینگیں مارتے مقابلے کو نکلتے ہیں۔ اور ہاشمی بہادروں کو مقابلہ کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ اس طرف سے سرفروشانِ توحید شمعِ رسالت کے پروانے دینِ الٰہی کے مجاہد مطلبی بہادر حمزہ و علیؑ و عبیدہ بن الحارث کو دربارِ رسالت سے مقابلہ کے لیے نکلنے کا حکم ہوتا ہے۔ عبیدہ، عتبہ سے لڑنے کو نکلتے ہیں۔ حمزہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوتا ہے اور علیؑ کا ولید سے۔ ہاشمی تلواریں اٹھتی ہیں اور بجلی کی طرح گرتی ہیں۔ شیبہ اور ولید خاک پر تڑپتے نظر آتے ہیں۔ عبیدہ اور عتبہ میں تلوار چلتی ہے۔ اور عبیدہ زخمی ہو

(ہشام ابن الحکم سے پوچھا گیا کہ معاویہ جنگ بدر میں شامل تھے؟ ہشام نے کہا، ہاں کافروں کی طرف سے آئے تھے) محاضرات جلد ۲ امام راغب اصفہانی صـ۲۸۳ مناظرت صـ۲۴۵

ادھر سے مشرکینِ مکہ ایک ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ جن میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ زرہ بکتر سجائے بڑے کرّوفر سے گانے والی عورتوں کو ساتھ لیے گاتے بجاتے مسلمانوں پر حملہ کرنے آئے تھے۔ (مدارج النبوۃ صـ۱۰۴) اس طرف بادشاہِ اسلام صرف تین سو تیرہ مہاجر و انصار کی جمعیت کو لے کر جن میں دو تین گھوڑے اور ستر اونٹ ہیں مدینے سے نکلتے ہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر و عبدالرحمٰن بن عوف کی سواری میں صرف ایک اونٹ ہے اور اسی طرح دو دو تین تین مجاہد مہاجرین و انصار کے حصہ میں سواری کے لیے ایک ایک اونٹ ملا ہے۔ شہنشاہِ کونین حضور سرورِ عالم کے ساتھ علی بن ابیطالبؑ اور زید بن حارث شریکِ سواری ہیں۔ آنحضرتؐ علیؑ یا زید کو سوار کرنے کے لیے اونٹ سے اترتے ہیں اور علیؑ اور زید عرض کرتے ہیں کہ نہیں یارسول اللہؐ آپ نہ اُتریئے۔ ہم حضورؐ کی رکاب میں پاپیادہ چلیں گے مگر حضورؐ فرماتے ہیں، نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ نہ تم مجھ سے زیادہ قوی ہو اور نہ میں تم سے زیادہ راہِ خدا میں خدمت کرنے اور اجر و ثواب کرنے سے بے نیاز ہوں (سبحان اللہ، دل و جانم فدائے ذاتِ نبیؐ، یہ ہے سیرتِ محمدی اور یہ ہے تعلیم رسولؐ اور مساواتِ اسلامی) مدارج النبوۃ صـ۱۰۴، تاریخ کامل جلد ۲ صـ۵۶۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ۱۲، معارج النبوۃ صـ۳۷ و ۳۸۔

مسلمان اپنی قلت اور کافروں کی کثرت دیکھ کر دل چھوڑے جاتے ہیں۔ حد درجہ خائف و ترساں نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سیرت النبی صـ۵۳۶۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:-

"آنحضرتؐ مدینہ سے اس سرو سامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ

تین سو سے زیادہ مہاجر و انصار ساتھ ہیں۔ ان میں فاتح خیبر اور حضرت حمزہ سید الشہداء بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح موجود ہے) ڈر کے مارے بہت سے اصحاب کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ وان فریقا من المومنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت (مسلمانوں کی ایک جماعت ناکارہ تھی وہ مجھ سے حق ظاہر ہونے پر بھی جھگڑا کرتے تھے۔ گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔"

القصہ فوج اسلام بڑھتی ہے عقاب نامی نشانِ محمدی کا پرچم نفسِ رسول کے شانوں پر لہراتا ہے اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے کاندھے پر اتنا شاندار پھریرہ اڑا رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۶۷ - تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۲ - سیرت ہشام جلد ۲ ص ۱۲ کنز العمال وغیرہ) دونوں طرف سے فوجیں بڑھتی ہیں۔ اسلام و کفر کا مقابلہ ہوتا ہے صفِ کفار سے عتبہ، شیبہ اور ولید قریش کے نامی سردار ابو سفیان کے قریبی رشتہ دار نشۂ کفر میں بدمست ہاتھی کی طرح جھومتے بہادری کے گھمنڈ میں ڈینگیں مارتے مقابلے کو نکلتے ہیں۔ اور ہاشمی بہادروں کو مقابلہ کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ اس طرف سے سرفروشانِ توحید شمع رسالت کے پروانے دینِ الٰہی کے مجاہد مطلبی بہادر حمزہ و علیؑ و عبیدہ بن الحارث کو دربارِ رسالت سے مقابلہ کے لیے نکلنے کا حکم ہوتا ہے۔ عبیدہ، عتبہ سے لڑنے کو نکلتے ہیں۔ حمزہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوتا ہے اور علیؑ کا ولید سے۔ ہاشمی تلواریں اٹھتی ہیں اور بجلی کی طرح گرتی ہیں۔ شیبہ اور ولید خاک پر تڑپتے نظر آتے ہیں۔ عبیدہ اور عتبہ میں تلوار چلتی ہے۔ اور عبیدہ زخمی ہو

کر گرتے ہیں۔ علیؑ فوراً بڑھ کر عتبہ کو قتل کر دیتے ہیں اور عبیدہ کو اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لے آتے ہیں۔ عبیدہ زخموں سے چور ہیں۔ خدمتِ رسولؐ میں عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہؐ! کیا میں شہادت سے محروم رہا؟ فرمایا، نہیں، تم نے درجۂ شہادت کا حاصل کر لیا۔ عبیدہ نے عرض کی، کاش آج ابوطالبؑ[1] زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان کے شعر کا مستحق میں ہوں ؎

ونسلمہ حتی نصرع حولہٗ
ونذھل عن ابناءنا والحلائل

---

[1] ابوطالبؑ کے ان اشعار سے ان کے اسلام پر روشنی پڑتی ہے۔ جو لوگ ان کے ایمان کے قائل نہیں ہم ان کی تسلّی کی خاطر اس کے متعلق چند باتیں بطور ضمیمہ درج کرتے ہیں:-

ابوطالبؑ کا اسلام: حضرت ابوطالبؑ کی خدمات اسلامی رسولِ خداؐ پر جان نثاریاں ان کے اقوال اور ان کے اشعار محبتِ محمدی میں انہماک تاریخ و سیر کی کتابوں میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ اہلِ زمانہ علیؑ کی مخالفت اور بنی امیہ کے پروپیگنڈے کے اثر سے رسولِ خداؐ کے ایسے سچے ناصرِ دین اور فدائی چچا ابوطالبؑ کے ایمان و اسلام میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کہتے ہیں۔ کہ ابوطالبؑ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ بعض تو نہایت بے باکی سے ان کے کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوطالبؑ کی توہین و تنقیص حضرت رسولِ خداؐ کی اذیّت کا باعث ہے۔ مکہ معظمہ کے مشہور و معروف مفتی سید احمد زینی دحلان شافعی نے اسی موضوع یعنی اسلام و ایمان ابوطالب پر ایک نہایت ہی جامع کتاب "اسنی المطالب فی نجات ابی طالب" کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر علمائے اہلسنت کے اقوال پر زور بیانات احادیث و روایات سے کامل دلیلوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

كذبتم وبيت الله نبزى محمداً
ولما نطاعن دونه ونناضل

(ترجمہ) ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑکر مرجائیں اور ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھی بھول جاتے ہیں قسم ہے خدا کے گھر کی تم جھوٹے ہو۔ ہم اس وقت تک محمدؐ کو نہیں چھوڑیں گے جب تک ہم اس کے سامنے نیزے اور تلواریں نہ کھالیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور لاجواب طریقوں کے ساتھ علامہ برزنجی کی تالیف جلیل کی بنیاد پر حضرت ابوطالبؑ کے اسلام و ایمان کو ثابت کرکے دکھایا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں بھی ہو چکا ہے اور مطبع یوسفی دہلی سے مل سکتا ہے۔ علامہ موصوف نے علماء کے اقوال و بیانات سے ثابت کیا ہے کہ ابوطالبؑ کا کافر بتانا اور ان کی توہین و تنقیص کرنا رسول اللہؐ کو اذیت پہنچانا ہے۔ قرآن مجید کی آیات مبارکہ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرہ واعد لھم عذاباً مھیناً اور والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے عذابِ الیم ہے) درج فرما کر لکھتے ہیں کہ امام احمد بن الحسن موصلی الحنفی جو ابنِ وحشی کے نام سے مشہور ہیں علامہ محمد بن سلامہ القضاعی کی کتاب شہاب الاخبار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ کا بغض کفر ہے اور ائمہ مالکیہ کی بھی اس پر نص ہے اور علامہ علی الاجہوری اپنے فتاویٰ میں اور تلمسانی اپنے حاشیہ پر جو شفا پر لکھا ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر سوائے حمایتِ نبیؐ کے اور کسی طرح مناسب نہیں۔ کیونکہ انھوں نے آنحضرتؐ کی حمایت و نصرت اپنے قول و فعل سے کی ہے۔ پس ان کا ذکر بے ادبی سے کرنا رسولِ مقبولؐ کو ایذا دینا ہے۔ اور نبیؐ کو ایذا دینے والا کافر ہے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

یہ اشعار اور واقعات بدر مرقومہ ذیل کتابوں میں موجود ہیں۔ سیرۃ النبی شبلی صـ ۲۳۶
تاریخ طبری ج ۲ صـ ۲۷۹۔ تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۵۹۔ سیرت ہشام جلد ۲ صـ ۱۷۱۔ مسند
احمد حنبل صـ ۱۶۳۔ ازالۃ الخفاء صـ ۲۵۴۔ ابو الفداء جلد ۲ صـ ۱۳۵۔ تاریخ خمیس جلد ا
صـ ۳۲۶۔ واقدی کتاب المغازی صـ ۲۳ و ۵۱۔ کنز العمال غزوۂ بدر۔ معارج النبوۃ
رکن چہارم صـ ۵۳۔ مدارج النبوۃ صـ ۱۱۱، سیرۃ محمدی۔ بہجۃ المحافل عماد الدین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور یہی قول ابو طاہر کا بھی ہے کہ من البغض اباطالب فھو کافر اسنی المطالب صـ ۱۰۹۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رسول اللہ کی خدمت میں ابو طالب کے متعلق عرض کرتے ہیں۔ ما ترجوا لابی طالب قال کل الخیر ارجو من ربی (یعنی حضورؑ ابو طالبؑ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا ہر ایک نیکی و خوبی جس کی میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں) اسنی المطالب صـ ۱۵۹۔

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس موضوع خاص کفر و اسلام حضرت ابو طالبؑ کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں۔ ایک روایت بخاری سے ہے اور دوسری ابن اسحاق سے جو سیرت ابن ہشام صـ ۱۴۶ جلد اول میں ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ابو طالب کی موافقت اور تائید میں ہے۔ اور بخاری کی روایت مخالف ہے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں "ابو طالبؑ کی وفات کے وقت آنحضرت ان کے پاس تشریف لے گئے، اور ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجیے کہ میں خدا کے یہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ کہ ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر آنحضرتؐ کی طرف دیکھ کر کہا، میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مولانا شبلی اور بعض مورخین نے صرف ایک شعر لکھا ہے یعنی پہلا، مگر واقدی اور کنز العمال نے دونوں شعر نقل کیے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ مرتے وقت ابوطالبؑ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد مولانا شبلی ان دونوں روایتوں کی تنقید بھی اس طرح فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت زیادہ مستند اور معتبر نہیں رہتی۔ لکھتے ہیں۔ "محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالبؑ کے وقت آخر موجود نہ تھے۔ اسی بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔ ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبد اللہ بن معبد اور عبد اللہ بن عباس ہیں یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بناء پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں ہے۔"

پس ناظرین ٹھنڈے دل سے غور کر کے ابن اسحاق کی روایت اور دیگر علماء و مورخین کے اقوال و روایات کو جو ابھی پیش کی جاتی ہیں حضرت ابوطالب کی خدمات اور ان کے اقوال و افعال کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام بخاری کا یہ قول ابوطالب کے خلاف کہاں تک درست اور کس بنیاد پر ہے۔ علامہ ابوالفداء محمد اسمٰعیل اپنی تاریخ ابوالفداء کی جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ پر اسی کے قریب قریب ایک روایت درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ذکر وفات ابوطالب توفی فی شوال سنۃ عشر من النبوۃ و لما اشتد مرضہ قال لہ رسول اللہ یا عم قلہا استحل بہا الشفاعۃ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

غرض ان تینوں کے قتل ہو جانے کے بعد لڑائی تیزی سے چھڑتی ہے۔ معرکہ کارزار گرم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی تلواریں چمکتی ہیں۔ نیزے اٹھتے ہیں۔ تیر برستے ہیں۔ ایک طرف امیر حمزہ شیرانہ حملے کرتے ہیں۔ دوسری جانب تیغ حیدری شعلے برساتی ہے۔ تکبیروں کے نعروں سے رن گونجتا ہے۔ بادشاہ اسلام توحید کا فدائی محبوب الٰہی خود بہ نفس نفیس مصروف کارزار ہوتا ہے۔ سب سے آگے بڑھتے ہیں، تلواریں مارتے ہیں۔ شجاعت ہاشمیہ کے جوہر دکھلاتے ہیں۔ صفیں ٹوٹتی ہیں سر پرے ہٹتے ہیں۔ خود علی علیہ السلام بیان فرماتے ہیں۔ لما کان یوم بدر وحضر الناس کان رسول اللہ اشد الناس باسا یومئذ وما کان احد اقرب من المشرکین منہ (یعنی بدر کے دن ہم کو رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ) یوم القیامہ یعنی الشہادۃ فقال لہ ابوطالب یا ابن اخی لولا مخافۃ السب وان تظن قریش انما قلتھا مخافۃ فلما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحرک شفتیہ فاصغی الیہ العباس باذنہ وقال واللہ یا ابن اخی لقد قال الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا قال رسول اللہ الحمد للہ الذی ھداک یا عم یکذا روی عن ابن عباس

(حضرت ابوطالبؑ نے نبوت کے دسویں سال ماہ شوال میں وفات پائی۔ اور جب آپ کا مرض شدید ہوا تو حضرت رسول خدا نے فرمایا، چچا وہ کہہ دیجیے جس سے مجھے روز قیامت آپ کی شفاعت کرنا حلال ہو جائے۔ اس سے مقصود کلمۂ شہادت ہے ابوطالبؑ نے عرض کی اے فرزند برادر اگر لوگوں کے برا کہنے اور گالی دینے کا خوف نہ ہوتا اور یہ کہ قریش گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت سے ڈر کر کہہ دیا ہے تو میں کہہ دیتا۔ پھر جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو ابوطالب اپنے دونوں ہونٹ ہلانے لگے۔ حضرت عباس نے اپنے کان سننے کے لیے لگائے کہ کیا کہتے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

کی جان کا اندیشہ تھا کیونکہ آنحضرتؐ سب سے زیادہ سخت جنگ فرما رہے تھے اور اس دن ہم میں سے ایک بھی رسولِ خداؐ کی طرح مشرکوں سے بھڑا ہوا نہیں لڑ رہا تھا۔ (طبقات ابن سعد منقول از تاریخ بنی ہاشم صہ ۳۸ و تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۲۷ و کنز العمال و مسند امام احمد حنبل صہ ۱۱۲)۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث کے سلسلے میں منقول ہے کہ اس روز جنگ کی حالت میں حضرت رسولِ خداؐ فرما رہے تھے۔ والذی نفسی بیدہٖ لوددتُ ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم اُحیی ثم اقتل ثم اُحیی ثم اقتل۔ یعنی بخدا میری یہ آرزو ہے کہ راہِ خدا میں میں قتل ہوں، پھر زندہ ہوں۔

(بقیہ حاشیہ) پھر رسولِ خداؐ سے عرض کی، قسم ہے خدا کی اے فرزند برادر، ابوطالب نے وہی کلمہ کہہ دیا ہے جس کا حکم آپ نے انھیں دیا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے فرمایا، اے چچا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی ہدایت کی) مدارج النبوۃ صہ ۳۱ معارج النبوۃ صہ ۶ میں بھی یہی روایت درج ہے۔ نیز معارج النبوۃ صہ ۷ میں یہ بھی ہے کہ "چوں ابوطالب بیمار شد، قریش بعیادت وے آمدند اول ایشاں را بنواخت و بعد ازاں بنصیحت ایشاں پرداخت وایشاں را بہ تعظیم کعبہ و صلۂ رحم و اعانت عامل و اعطائے سائل دلالت نمود و بصدق حدیث و اداے امانت را مبالغہ فرمود آنگاہ گفت شمارا وصیت مے کنم بمتابعت و معاونت محمدؐ کہ او امین قریش و صدیق عرب است و او بامرے آمدہ است کہ دل قبول آں کردہ و زباں بصدق آں گواہی دادہ بخدا سوگند کہ من چناں مے بینم کہ اشراف آفاق و سادات وعظماء و اکابر اطراف و اکناف دعوت او را اجابت نمودہ اند و تصدیق قول او بجا آوردہ اند۔" فرمائیے اب کونسی بات اقرار اسلام میں باقی رہی ہے۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صہ ۳۳۹ میں بھی ابوطالب کی یہی تقریر موجود ہے اور مدارج النبوۃ صہ ۶ بھی ملاحظہ ہو۔ علامہ سید احمد دحلان مفتی مکہ کی کتاب اسنی المطالب صہ ۱۷ میں بھی حضرت ابوطالب کی یہ وصیت تمام و کمال درج ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پھر قتل ہوں پھر زندہ ہوں اور پھر قتل ہوں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل ہوں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل ہوں۔" سبحان اللہ! قربان اس عشقِ الٰہی اور محبتِ دین کے۔ بخاری شرح عسقلانی جلد ۵ صـ۲۳ - کتاب الجہاد۔

(بقیہ حاشیہ) جس کے آخر میں ہے کہ ابو طالبؓ نے قریش سے کئی دفعہ فرمایا۔ لن تزالوا بالخیر ما سمعتم من محمد وما تبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا (جب تک محمدؐ کی سنتے رہوگے اور اس کی اطاعت کیے جاؤ گے اور اس کے حکم کو مانو گے تمہارے لیے بہتری ہے) علامہ دحلان نے ابن سعد، ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب ابو طالبؓ کا انتقال ہوگیا تو میں نے ان کی وفات کی خبر رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی۔ آنحضرتؐ نے یہ خبر سنکر گریہ فرمایا اور مجھ سے ارشاد فرمایا اذهب فغسله وكفنه وادفنه غفر الله له ورحمه (جاؤ ابو طالبؓ کو غسل و کفن دو اور دفن کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو بخشے اور رحم فرمائے) اسنی المطالب صـ۱۱ ، مورخ ابو الفداء، پھر اسی صفحہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں۔ ومن شعر ابی طالب مما یدل انه کان مصدقاً لرسول الله یعنی ابو طالب کے یہ اشعار (جو درج کیے جاتے ہیں) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ابو طالبؓ حضرت رسول خدا کی نبوت اور رسالت کی تصدیق فرماتے تھے ؎

ودعوتنی وعلمت انك صادق
ولقد صدقت وکنت ثم امینا

(اے محمدؐ تم نے مجھ کو دینِ اسلام کی طرف دعوت دی اور میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تم امین بھی ہو)

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریة دینا

(بہ تحقیق مجھے یقین کے ساتھ یہ بھی علم ہے کہ محمدؐ کا دین دنیا کے سب دینوں سے بہتر ہے)

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اسی طرح رسولِ خداؐ کا پیارا نواسہ حسینؑ منی وانا من الحسین کا مصداق عشقِ خدا کا متوالا، راہِ الٰہی میں سر دینے والا، دین کا فدائی، اسلام کا شیدائی حسینؑ مظلوم بھی روزِ عاشورہ زخموں سے چور بھوکا پیاسا، خون میں ڈوبا، محبتِ الٰہی میں محو کربلا کے میدان میں اس طرح پکار رہا ہے۔ ربّ وددتُ ان اقتل واحی سبعین مرةً فی طاعتك ومحبتك سيما اذ كان فی قتلی نصرة دينك و احياء امرك وحفظ ناموس شرعك یعنی اے پیارے رب بس میری یہی خواہش و آرزو ہے کہ تیری اطاعت و محبت میں میں ستر مرتبہ قتل و زندہ کیا جاؤں، خاصکر اس وقت جب میرے قتل و شہید ہونے سے تیرے دین کی نصرت ہو، تیرا امر زندہ ہو اور تیری شریعت اور اسلام کی عزت و حرمت کی حفاظت ہو۔ بلاشک حسینؑ ایسا ہی خدا کا عاشق صادق اور اسلام کا ناصر و حامی ہے ؎

دل و جانم فدائے نامش باد (حوالہ کے لیے دیکھو ناموسِ اسلام حصہ اول)

(بقیہ حاشیہ) واللہ لن یصلوا الیك بجمعھم حتی اُوَسَّدُ فی تراب دفیناً

(قسم ہے خدا کی تمہارے بدخواہ کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک میں زندہ ہوں اور مٹی کے ڈھیر میں دفن نہ ہولوں)

صاحب معارج النبوۃ نے بھی ان اشعار کو درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوطالب نے یہی اشعار اپنی وفات کے وقت رسول اللہؐ کے جواب میں پڑھے ہیں۔ ص۴۷۔ نور الابصار مومن شبلنجی ص۱۸، تاریخ روضۃ المناظر علامہ ابوالولید محمد بن شحنا بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۷، ص۱۲۰ و ۱۲۱، میں بھی ابوطالب کے یہی اشعار مندرجہ بالا درج ہیں۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص۲۴۲ اور مواہب لدنیہ میں بھی یہی اشعار درج ہیں بلکہ مواہب لدنیہ اور بہجۃ المحافل امام عماد الدین میں ان اشعار کے سوا دو شعر اور بھی پائے جاتے ہیں۔

الم تعلموا انا وجدنا محمداً نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب

(باقی صفحہ آئندہ پر)

الفضہ رحمتِ الٰہی نازل ہوئی۔ نصرتِ خدا نے مدد فرمائی۔ شجاعتِ محمدی نے جلوے دکھائے۔ ذوالفقارِ حیدری نے بجلیاں گرائیں۔ حمزہ کے نعروں سے رن بول اٹھا۔ مسلمانوں کے نعروں سے دشت، گونجنے لگا۔ عتبہ مارا گیا۔ ابوجہل بھی معاذ بن عمر کے ہاتھ سے فی النار ہوا۔ ابوسفیان کے عزیز و اقارب بڑے بڑے شریر النفس، قریش کے بہادر علیؑ و حمزہ کی تلواروں سے موت کے گھاٹ اترے۔ فوجِ کفار کا نشان بردار طلحہ، علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا (کنز العمال) کافروں کے قدم اکھڑ گئے۔ صفیں درہم و برہم ہوگئیں۔ قریش پسپا ہو گئے۔ ابوسفیان دُم دبا کر بھاگا۔ کفر کے جھنڈے اُکھڑے۔ اسلام کے پھریرے کھلے۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اسلام کی فوج ظفر موج فتح کے پھریرے اڑاتی نعرۂ تکبیر لگاتی۔ اسیرانِ بدر کو

(بقیہ حاشیہ) (کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہم نے محمدؐ کو بھی ویسا ہی نبی پایا ہے جیسا کہ موسیٰ کو ان کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے)

وان علیہ فی العباد محبۃ ۔ لاخیر ممن خصہ اللہ بالحب

(اسکی محبت سب بندوں پر واجب ہے جس کو خدا محبت سے مخصوص فرمائے اس سے بہتر کوئی نہیں)

صاحب جامع الاصول شافعی المذہب لکھتے ہیں کہ اجمع اھل البیت علی ایمانہ (یعنی ابوطالب کے مسلمان ہونے پر رسولؐ کے گھرانے والوں کا اجماع ہے) (اھل البیت ادری بما فی البیت) (گھر والے ہی اپنی حالت کو خوب جانتے ہیں) منقول از مقصد الطالب فی احوال اجداد النبی وعمہ ابی طالب ہے۔ اکثر علمائے جلیل القدر محقق و فقیہہ عصر اہل سنت والجماعت بڑے زور شور سے حضرت ابوطالب کے ایمان و اسلام کو قبول کر کے ان کے اسلام کے اثبات کے متعلق کتابیں اور رسالے تصنیف فرماتے ہیں۔ علامہ ابی الحدید اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں امیرالمومنین علیؑ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ساتھ لیے مدینے کو واپس ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھو ابوالفداء جلد ا صفحہ ۱۳۵۔ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۵۔ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۵۹ و ۶۵۔ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۰۔ کنزالعمال تاریخ احمدی صفحہ ۳۶۔ سیرت النبی صفحہ ۲۳۶ لغایتہ ۲۳۹۔ مدارج النبوۃ از صفحہ ۱۰۱ تا صفحہ ۱۱۱ معارج النبوۃ صفحہ ۳۴ تا ۶۸۔ تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۵۳ سے صفحہ ۴۵۵ تک۔ نورالابصار صفحہ ۱۲۹ واقدی صفحہ ۵۲

(بقیہ حاشیہ) اور ان کے والد ماجد حضرت ابوطالب کی تعریف اور مدح میں بڑا فصیح و بلیغ قصیدہ لکھتے ہیں جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

ولولا ابوطالب و ابنہٗ لما مثل الدین شخصاً وقاما

فذاک بمکۃ آوی وحامی وھذا بیثرب خاض الحماما

(اگر ابوطالب اور آپ کے فرزند علیؑ نہ ہوتے تو دینِ اسلام قائم و مشخص نہ ہوتا ابوطالب نے مکہ میں دینِ الٰہی اور رسولِ خداؐ کو پناہ دی اور ان کے بیٹے علیؑ نے نصرت و حمایتِ اسلام کے لیے مدینہ منورہ میں اپنے کو خطروں اور موت کے پنجوں میں ڈالا)

حضرت رسولِ خداؐ کی ولادت کے وقت سے ابوطالب کی وفات کے زمانہ تک کے حالات و واقعات کو تاریخ و سیر کی کتابوں میں پڑھا جائے تو بلاشک پتہ چل جائے گا کہ رسولِ خداؐ کا یہ سچا سرپرست (ابوطالب) اپنی اولاد سے بڑھ کر حضرتؐ کو محبوب جانتا تھا۔ جب تک یہ پیارا بھتیجا کھانا نہیں کھا لیتا ابوطالب بھی تناول نہیں فرماتے۔ اپنے پہلو میں سلاتے ہیں، اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ راتوں کو حفاظت کرتے ہیں۔ خوابگاہ رسولؐ کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یعنی جس جگہ آنحضرتؐ اول شب میں سوتے ہیں آدھی شب یا آخر رات کو حضرت ابوطالب آپؐ کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ لٹا دیتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے کسی بیٹے کو سلا دیتے ہیں تاکہ مشرکین مکہ اگر موقع پا کر آنحضرتؐ کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

اس جنگِ بدر میں قریش مکّہ کے مقتولین میں سے نصف سے زیادہ مقتول علیؑ کی تلوار کے ہیں۔ علامہ قوشجی شرح تجرید صـ۴۸۶ پہ تحریر فرماتے ہیں۔ غزوۂ بدر وھی اوّل حرب امتحن بہا المومنون لقلتھم حنظلہ بن ابوسفیان ثم علقمہ بن عدی ثمّ نوفل بن خویلد ولم یزل یقاتل حتیٰ نصف المشرکین والباقی من المسلمین وثلاثۃ الاف من الملائکۃ المسوّمین قتل نصف الاخر ومع ذلک کانت الرایۃ فی ید علیؑ یعنی بدر کی لڑائی وہ پہلی جنگ ہے جس میں مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا بوجہ ان کی قلت اور کافروں کی کثرت کے۔ پس علیؑ نے ولید بن عقبہ کو قتل کیا۔ پھر ربیعہ کو پھر عاص بن سعد اور سعد بن عاص کو پھر ابوسفیان کے بیٹے حنظلہ اور علقمہ بن عدی کو۔ پھر نوفل کو اور برابر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ نصف علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے

(بقیہ حاشیہ) ستانے کو آجائیں تو جو کچھ گزرنا ہو ان کی اولاد پہ گزر جائے لیکن آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے پائے۔ دیکھو علی بن برہان محدث شافعی انسان العیون میں تحریر فرماتے ہیں۔ وکان ابوطالب فی کل لیلۃ یامر رسول اللہ ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام النّاس نافقامہ وامر احد بنیہ او غیرھم من اخوانہ وابن عمہ ان یضطجع مکانہ (ہر شب کو رسول اللہؐ کو اپنے فرش پر سلاتے تھے۔ جب سب آدمی سو جاتے تھے تو آپ کو وہاں سے اٹھاتے تھے اور کسی بیٹے یا بھائی یا چچازاد بھائی کو ان کی جگہ سلا دیتے تھے) غرض کیا گھر کیا باہر جہاں جاتے حضرتؐ کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ ہر وقت یہی خیال رہتا کہ محمدؐ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے (مدارج النبوۃ صـ۳۱۔ سیرت النبی جلد ا صـ۲۲۶ روضۃ الاحباب جلد ا صـ۱۱ و صـ۱۲۴)۔ کبھی خدا کے حبیب کو ساتھ لے کر سفر شام کرتے ہیں۔ راستے میں بحیرہ راہب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ نبوتِ محمدی کی بشارت دیتا ہے۔ اور حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ دشمنوں کا خوف ہوتا ہے وہیں سے مکہ کو واپس ہو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور باقی نصف کو دوسرے مسلمانوں اور تین ہزار ملائکہ نے (جو امداد کے لیے خدائے جلیل نے بھیجے تھے) قتل کیا اور اس جنگ کے ساتھ ساتھ نشانِ محمدی علیؑ کے ہاتھ میں برابر لہراتا رہا۔ اسد الغابہ، ابن اثیر۔ اصابہ اور صواعق میں عرب کے مشہور شاعر

(بقیہ حاشیہ) جاتے ہیں (مدارج النبوۃ ص۳۳ طبری جلد ۲ ص۱۹۵) تجارت شام سے واپسی کے بعد حضرت خدیجہ کی خواہش پر آنحضرتؐ کی شادی جناب خدیجہ سے قرار پا جاتی ہے۔ عقد کی تاریخ معین ہوتی ہے۔ رسولِ الٰہی کی برأت بنی ہاشم کے سرداروں کے ساتھ دلہن کے گھر پہنچتی ہے۔ یہ خدا کا پیارا نبیوں کا سردار، رسولوں کا سالار رسالتِ الٰہیہ کا شہانا خلعت پہنے توحید کا تاج سر پر رکھے تبلیغ ہدایت کا سہرا باندھے دولہا بنا تختِ فیروزی پر اپنے پیارے چچا ابوطالب اور حمزہ کے پہلو میں آفتاب کی طرح جلوہ گر ہے۔ چہرۂ اقدس کی نورانی چھوٹ سے خدیجہ کا گھر بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ابوطالبؑ کھڑے ہوتے ہیں اور بکمال فصاحت و بلاغت نکاح کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ اور پیارے بھتیجے رسولِ عربیؐ کی عظیم الشان شرافتوں اور فضیلتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ چار سو درہم طلائی مہر مقرر ہو کر نکاح کی رسم ادا ہوتی ہے (سیرت النبی جلد ۱ ص۱۳۷) تاریخ خمیس جلد ۱ ص۲۹۹ اور اسنی المطالب ص۱۰ میں بھی ابوطالب کا یہ خطبہ موجود ہے جس میں توحیدِ الٰہی اور فضائل حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہم السلام کو بیان کرتے، خانہ کعبہ کا شرف و منزلت اور اپنے پیارے بھتیجے کے فضائل و مناقب کا اظہار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ خدا کی قسم ہمارے محمدؐ کے لیے ایک خبرِ عظیم اور حصۂ بزرگ حاصل ہونے والا ہے۔ واللہ بعد ھذا لہ نباء عظیم وخطر جسیم۔ پس بتاؤ کہ اگر یہ محمدؐ کی نبوت اور رسالت کا اقرار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ مکہ میں ایک سال قحط پڑتا ہے۔ قریش بھوکوں مرتے ہیں۔ ابوطالب سے طلبِ باراں کی درخواست کرتے ہیں۔ وہ حضرت رسولِ خداؐ کو ساتھ لے کر دعائے بارش کے لیے نکلتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں اس کے محبوب کو نزولِ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اسید بن ایاس کا وہ مرثیہ ملاحظہ ہو جس میں قریش کی اس شکستِ فاش اور بدر کے ان مقتولین کا رونا رو کر قریش کو غیرت دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے قریش یہ فاطمہ بنتِ اسد کا بیٹا ہے جس نے تم کو قتل کر ڈالا اور بڑی تیزی سے تم کو قتل کر کے ٹھنڈا کر دیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رحمت کے لیے وسیلہ بناتے ہیں۔ گود میں اٹھا کر اور پشتِ کعبہ سے لگا کر دُعا مانگتے ہیں۔ اِدھر محبوبِ الٰہی کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھتے ہیں اُدھر ابرِ رحمت جھوم کر آتا ہے۔ مینہ برستا ہے۔ بطحیٰ کے خشک میدان پانی سے بھر جاتے ہیں (مدارج النبوۃ ص۲۲) ابو طالب اِس واقعہ کی طرف اپنے قصیدہ میں ایک شعر سے اشارہ کرتے ہیں ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

یعنی "وہ نورانی چہرہ ایسا مبارک ہے کہ بادل بھی اس سے سیراب ہوتے اور پانی مانگتے ہیں۔ وہ یتیموں کا پشت پناہ، و رانڈوں کا ملجا و ماویٰ ہے"۔ اِس مقام پر ایک اور نکتہ بھی غور کے قابل ہے جو میرے عزیز منشی غلام محمد صاحب مینیجر جنرل اسٹور پٹیالہ کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ ایک روز اس واقعہ کو سُن کر دورانِ گفتگو میں مجھ سے کہا اور خوب کہا کہ مشرک اور بُت پرست لوگ جو بتوں کو خدا مانتے ہیں یا خدا کا شریک سمجھتے ہیں یا قبولیتِ دُعا کا وسیلہ جانتے ہیں وہ اپنی دعائیں بتوں ہی سے مانگتے اور انہی کے سامنے سر رگڑا کرتے ہیں پس جب وہ طلبِ باراں کے لیے حضرت ابو طالب سے دُعا کے خواستگار ہوئے تو یہ بدیہی ثبوت اس بات کا ہے کہ ابو طالب ان کے ہم عقیدہ نہ تھے۔ اگر ان کی طرح حضرت ابو طالب بھی بت پرست ہوتے تو ضرور وہ بھی بتوں کے ہی سامنے دعا مانگتے۔ پس ان کا ایسا نہ کرنا اور بجائے بتوں کے خدا سے دعا مانگنا اور خدا کے رسول کو طلبِ رحمت کے لیے وسیلہ قرار دینا اس کا ثبوت ہے کہ وہ خدا پرست تھے۔ اگر بتوں کی محبت ان کے دل میں ہوتی تو ان کی طرف سے منہ پھرا کر اور پشتِ کعبہ سے پیٹ لگا کر ہرگز دعا نہ مانگتے بلکہ عام مشرکین کی طرح ان کے سامنے گڑ گڑا کر التجا کرتے۔

بعثت کے بعد کفارِ مکہ کے سردار عتبہ، شیبہ، ابو جہل اور ابو سفیان (باقی آئندہ صفحہ پر)

ہے دیکھو تاریخ بنی ہاشم صنہ۱ - اس لڑائی میں حنظلہ ابوسفیان کا ایک بیٹا بھی علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور دوسرا عمرو نامی بھی علیؑ ہی کے ہاتھ سے گرفتار ہو کر قید ہوا جو بعد میں مدینہ پہنچ کر اسیران بدر کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ کامل جلد ۲ صہ ۹۳ ابن ہشام صہ ۲۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وغیرہ جمع ہو کر رسولِ خدا کی شکایت کرنے کے لیے حضرت ابو طالب کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارا یہ بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ ہمیں بت پرستی سے روکتا ہے ہمارے دین کی توہین کرتا ہے پس تم محمد کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو اور ان کے بجائے ولید بن مغیرہ کے خوبصورت بیٹے عمارہ کو ہم سے لے کر اپنا بیٹا بنا لو۔ یہ سن کر ابو طالب کو غصہ آگیا فرماتے ہیں تم بڑے بے وقوف ہو۔ یہ کون سی دانائی کی بات ہے کہ میں اپنے فرزند کو قتل کرنے کے لیے تمہیں دے دوں اور تمہارے بچے کو لے کر پال لوں۔ دور ہو۔ میں کھلم کھلا کہتا ہوں جو محمد کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرے دین کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے (معارج النبوۃ صہ ۲۹) اس گفتگو میں یہ الفاظ کہ جو " میرے دین کا دشمن ہے " غور طلب ہیں۔ سیاقِ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ ضرور چھوڑ دیا گیا ہے۔ یقیناً انھوں نے یہ فرمایا ہوگا کہ محمد کا دشمن ہے اور محمد کے دین کا دشمن میرے دین کا دشمن ہے۔ یہ کاتب کی غلطی ہے یا بنی امیہ کے پروپیگنڈے کا اثر ہے۔ سیرتِ ابنِ ہشام میں بھی قریش کا آنا اور اس درخواست کا پیش کرنا اور ابو طالب کا انکاری جواب مندرج ہے صہ ۸۹ اور سیرت النبی صہ ۱۶۱ و صہ ۱۶۲ و تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۲۲ اور کامل جلد ۲ صہ ۲۵ میں بھی یہ واقعہ موجود ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ قریش کے جانے کے بعد ابو طالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا اور حضرت رسولِ خدا کے فضائل ان سے بیان فرما کر حمایت و حفاظت کی تاکید کی۔

ابو طالب نصرتِ اسلام اور حمایت و محبتِ رسول میں ڈوبے نظر آتے ہیں مشرکینِ مکہ سے سخت سخت مکالمے اور پرزور تقریریں کرتے ہیں۔ مدح و شمائلِ رسول بیان فرماتے ہیں مشرکوں کی ہجو کرتے ہیں۔ تعریفِ رسول میں قصیدے کہتے ہیں۔ ان کے دشمنوں سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

یہی داغ ہیں جو ابوسفیان اور معاویہ کے دل میں ہمیشہ عداوت کی آگ بھڑکاتے رہے اور اسی جنگِ بدر میں شکست کھانے اور بیٹوں اور عزیزوں کے قتل و اسیر ہونے کے صدمے اٹھا کر ابوسفیان نے یہ حلف کیا تھا کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا بدلہ محمدؐ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ غرضکہ طرح طرح سے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس پر دشمنانِ اہلبیت کا یہ کہنا کہ ابوطالب کافر مرے انتہائی ناحق پرستی اور ہٹ دھرمی ہے۔ سیرت ابنِ ہشام میں حضرت ابوطالب کا ایک طولانی قصیدہ درج ہے جس میں رسولؐ کی مدح اور ان کے دشمنوں کی قدح درج ہے۔ اس قصیدے کے اشعار نوّے سے زائد ہیں ہم اس کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں۔ ابنِ ہشام لکھتا ہے کہ جب ابوطالب کو یہ خوف پیدا ہوا کہ عرب کے قبیلے ان کی مخالفت میں مجتمع ہو جائیں گے اور قریش کے ساتھ مل کر کوئی فتنہ اٹھا کھڑا کریں گے تو اس وقت انھوں نے ایک قصیدہ کہا جس میں حرم کعبہ سے پناہ مانگتے ہیں اور اپنی منزلت و تعلق کو خانہ کعبہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اپنی قوم کے شرفاء کی تالیف قلب کرکے ان کو اور دوسرے قبیلہ والوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ابوطالب کبھی رسولِ خداؐ کو دشمنوں کے حوالے نہ کرے گا اور کبھی رسولؐ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ جب تک رسولؐ کے سامنے مر نہ جائے۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں ؎

کذبتم و بیت اللہ نترک مکۃ ۔۔۔ ونظعن الا امرکم فی بلابل

(تم جھوٹے ہو خانہ کعبہ کی قسم ہے کیا ہم مکہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ آگاہ ہو تمھارا معاملہ فتنہ و فساد میں ہے)

کذبتم و بیت اللہ نبزی محمداً ۔۔۔ ولما نطاعن دونہ و نناضل

(قسم ہے خانۂ خدا کی تم جھوٹے ہو۔ ہم محمدؐ کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک ان کے ساتھ ہم نیزے اور تلواریں نہ کھائیں)

ونسلمہ حتی نصرع حولہ و نذھل ۔۔۔ عن ابنائنا والحلائل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نہ لے لونگا اس وقت تک نہ عورت کے پاس جاؤں گا اور نہ سر میں تیل لگاؤں گا۔ پس غزوۂ سویق کی بنیاد ابوسفیان کی اسی قسم کی بنا پر پڑی تھی۔ دیکھو روضۃ المناظر برحاشیہ کامل جلد ۷ صفحہ ۱۲۷۔ کامل جلد ۲ صفحہ ۶۶۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹۹۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۶۹، معارج النبوۃ صفحہ ۸۴۔ مدارج النبوۃ صفحہ ۱۳۶۔ تاریخ خمیس۔ یہ اسی ادا کی پیروی تھی کہ یزید نے بھی ابن زیاد حاکم کوفہ کو لکھا تھا کہ جب تک حسینؑ فرزند رسولؐ کو قتل نہ کر لینا نہ پیٹ بھر کر کھانا کھائیو اور نہ تکیہ پر آرام سے سر رکھ کر سوئیو۔ دیکھو یزید کا خط مندرجہ ناموس اسلام حصہ اول

(بقیہ حاشیہ) (ہم محمدؐ کو اس وقت تک دشمنوں کے حوالے نہ کریں گے جب تک ان کے گرد لڑ کر مر نہ جائیں اور ہم محمدؐ کے لیے اپنے بیٹوں اور بی بیوں کو بھول جاتے ہیں)

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

(ان کے نورانی چہرہ سے بادل بھی سیراب ہوتے ہیں۔ وہ یتیموں کا پشت پناہ اور رانڈوں کا سرپرست ہے)

لقد علموا ان ابننا لامکذب لدینا ولا یعنی بقول الاباطل

(بے شک لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ہرگز جھوٹا نہیں اور نہ وہ لایعنی اور جھوٹی باتیں کہنے والا ہے)

فاصبح فینا احمد فی ارومۃ تقصر عنہ سورۃ المتطاول

(ہمارے درمیان احمدؐ اس طرح محفوظ ہے جیسے کوئی پہاڑ کی چوٹی پر محفوظ ہو کہ وہاں تک حملہ کرنے والوں کے جوش و خروش نہیں پہنچ سکتے)

فایدہ رب العباد بنصرہ واظہر دیناً حقہ غیر باطل

(بندوں کے پالنے والے رب نے اس کی نصرت فرمائی ہے۔ وہ اس کی تائید کرنے والا ہے اور اس نے ایسے سچے دین کو ظاہر کیا ہے جو ہرگز باطل نہیں ہے)

سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۱ و ۹۲

(باقی برصفحہ آئندہ)

ابوسفیان کی یہ خبیث تمنّا تو پوری نہ ہوئی لیکن اگرچہ ع "پدر اگر نتواند پسر تمام کند" معاویہ نے علیؑ اور حسنؑ سے بدلے نکالے اور یزید ملعون نے فرزندِ رسولؐ حسین مظلومؑ کو بھوکا پیاسا شہید کر کے دادا کی اس تمنّا کو پورا کیا۔ اور کشتگان بدر کا بدلہ لیا حسینؑ کے سرِ اقدس کو سرِ دربار سونے کی لگن میں رکھ کر ہونٹوں پہ چھڑی مارتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے آج آلِ محمدؐ سے اپنے بدر کے مقتولوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ دیکھو یزید کے اشعار: لیت اشیاخی ببدر شہدوا الخ جو صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۱ اور ینابیع المودۃ صفحہ ۲۲۵ میں درج ہیں جن کو ہم تفصیل سے کسی دوسرے موقع پہ درج کریں گے۔

(بقیہ حاشیہ) پس یہ توحیدِ الٰہی اور رسالتِ محمدی کا اقرار نہیں تو پھر کیا ہے؟ کیا مشرکین مکہ اور کافروں کا یہی عقیدہ تھا؛ کیا اسلام کا عقیدہ اس کے خلاف ہے؟

بعض متعصب مورخین نے امیر معاویہ کے جوشِ محبت میں یہ لکھ مارا ہے کہ یہ قصیدہ جو ابن ہشام نے نقل کیا ہے سرتاپا موضوع ہے جو ابوطالب کے نام سے مشہور کر دیا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے لکھتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں شعراء و فصحاء سے اشعار اور خطبے تصنیف کرائے جاتے تھے۔ اور جاہلیت یا ابنائے اسلام کے شعراء و خطباء کے نام سے مشہور کیے جاتے تھے۔ ابنِ ہشام نے حضرت خدیجہؑ حضرت ابوبکر، امیہ بن ابی الصلت اور ابوطالب کے سیکڑوں اشعار نقل کیے ہیں جو اس زمانہ کی زبان نہیں معلوم ہوتی اور ابن ہشام بھی ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر یہی لکھ دیتے ہیں کہ فنِ شعر کے ماہر ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر کے ایک قصیدہ کے متعلق جو عبیدہ بن الحرث کے بارے میں کہا گیا تھا انکار کرتے ہیں کہ یہ قصیدہ ابوبکر کا نہیں ہے۔ ہم ان لوگوں کے بیان کی تردید میں کہتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں جھوٹی اور وضعی احادیث و روایات کے بنائے جانے کا سلسلہ سلطنت و حکومت کے حکم سے بڑے زور شور کے ساتھ جاری تھا۔ علیؑ و آلِ علیؑ کی فضیلتوں کو مٹایا جاتا تھا۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بروایت تاریخ کامل ص۶۵ بدر کی خدمات کے صلہ میں آنحضرت نے علی مرتضیٰ کو ذوالفقار شعلہ بار عطا فرمائی۔ (نورالابصار مومن شبلنجی ص۵۸) اس سے پہلے ذات العشیرہ کے موقع پر علیؑ کو ابوتراب کے پیارے خطاب سے مخاطب فرما کر عزت بخشی تھی۔ اور ساتھ ہی زبان معجز بیان سے تقریباً چالیس سال بعد ہونے والے واقعہ کی پیشین گوئی

(بقیہ حاشیہ) اور ان کی جھوٹی برائیوں اور منقصتوں کو پھیلانے اور شہرت دینے کا خاص انتظام اور اہتمام کیا گیا تھا جیسا کہ تاریخوں سے ثابت ہے۔ خود مولانا شبلی نے بھی سیرت النبی میں اس کو لکھا ہے۔ پس ان متعصب حکومتوں میں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ ایسے اشعار کہ جو علیؑ کے باپ ابوطالب کی فضیلت اور ان کے اسلام کو ثابت کرتے ہوں۔ ابوطالبؑ کے نام سے بنائے جائیں اور ان کو بالاعلان شائع کیا جائے۔ بنی امیہ جو سچ کو مٹاتے اور اصلی باتوں پر پردے ڈالتے تھے جن کے خوف سے فضائل اہل بیتؑ کے متعلق بھی احادیث بھی لوگ نہیں بیان کر سکتے تھے بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ان کے زمانے میں ایسے اشعار کا شیوع ہو جاتا جو سراسر ان کے پروپیگنڈے کے خلاف تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ قصیدہ بلاشک ابوطالبؑ ہی کا ہے۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں کسی اور شاعر نے کہہ کر ان کے نام سے مشہور نہیں کیا۔ دوسرے ابن ہشام نے اس قصیدے کے نوے شعر سے زیادہ اپنی کتاب میں درج کیے ہیں اور پھر اس قصیدہ کو لکھ کر یہ نوٹ بھی دیا ہے کہ میرے نزدیک یہ وہ شعر ہیں جو ابوطالبؑ ہی کے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک اور روایت درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوطالب کے اس قصیدے کا شعر حضرت رسول خدا کے سامنے ابوطالب کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں پڑھا گیا اور کہا گیا کہ یہ شعر ابوطالب کا ہے اور حضورؐ نے اس کو تسلیم و قبول فرمایا۔ ابن ہشام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کو مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا ہے جن کو میں ثقہ اور معتبر سمجھتا ہوں کہ ایک سال مدینہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت رسول خدا کی خدمت میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی (باقی برصفحہ آیندہ)

فرماتے ہوئے یہ بتادیا کہ علیؑ کا مخالف، علیؑ کا دشمن، علیؑ کا قاتل بے شک شقی ترین مردم مبغوضِ خدا و رسولؐ ہے۔ دیکھو عمار یاسر کی روایت ذات العشیرہ کے موقع پر جبکہ علیؑ عمار یاسر کو لے کر قبیلۂ بنی مدلج کو دیکھنے لشکرِ اسلامی سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور ایک درخت کے نیچے ریتلی زمین پر دونوں لیٹ کر سو جاتے ہیں حضرت رسولِ خداؐ پیچھے سے تشریف لائے ہیں۔ جگا کر فرماتے ہیں۔ قم یا ابا تراب۔ اے ابوتراب اٹھو، میں تمھیں بتادوں کہ دنیا میں کون دو شخص شقی ترین مردم ہیں۔ ایک تو

(بقیہ حاشیہ) حضرت منبر پر تشریف لے گئے۔ بارش کے لیے دعا فرمائی۔ مینہ برسنا شروع ہوا۔ اور اتنا پانی برسا کہ لوگوں کو ڈوبنے کا اندیشہ ہو گیا۔ حضرت نے رکنے کی دعا فرمائی۔ بارش موقوف ہوگئی۔ اس وقت حضرت نے فرمایا۔ اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے اور یہ حال دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اصحاب میں سے کسی نے عرض کی۔ کیا آپ کی مراد ابوطالب کے اس شعر سے ہے وابیض یستسقی الغمام لوجہہ الخ فرمایا ہاں۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو اسی امر کے ثبوت میں درج کیا ہے کہ یہ قصیدہ ابوطالب ہی کا ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ اس کو غلط مان کر دوسرا خیال قائم کیا جائے۔ کتاب اسنی المطالب میں بھی صفحہ پر یہی روایت علامہ بیہقی سے منقول ہے۔ اس میں للہ در ابوطالب کا فقرہ اور زیادہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب بارش کا زور زیادہ ہوا تو اس وقت رسول اللہؐ نے یہ دعا مانگی۔ اللھم حوالنا ولا علینا اور پھر مسکرا کر فرمایا للہ درّ ابی طالب خدا ابوطالب کو جزائے خیر دے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو اس وقت بہت مسرور ہوتے۔ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کا قول ہمیں سنائے۔ پس حضرت علیؑ نے عرض کی۔ شاید آپ کی مراد ان کے اس قول سے ہے۔ وابیض یستسقی الغمام لوجہہ الخ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ علامہ برزنجی بھی اسکو قبول کر رہے ہیں۔ علامہ بیہقی نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ اشعار ابوطالب کے ہیں۔ ان تمام شہادتوں کے بعد بھی یہ کہنا کہ یہ اشعار ابوطالب کے نہیں تعصب و عداوت کا کھلا ہوا نشان ہے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

وہ ملعون سب سے زیادہ شقی ہے جو قوم ثمود سے ہے اور جس نے ناقۂ صالحؑ کو پے کیا اور دوسرا ملعون شقی ترین مردم تمہارا قاتل ہے۔ پھر علیؑ کے سر اطہر اور ریش انور پر دست حق پرست رکھ کر فرمایا۔ جو یہاں تیرے سر پر تلوار ماریگا اور تمہاری ڈاڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگین کرے گا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص۲۰۵۔ مدارج النبوۃ ص۱۰۱۔ معارج النبوۃ ص۳۴۔ طبری ج ۲ ص۲۶۱ و ص۲۶۲۔ رسالہ بارہ امام ص۱۲ مصنفہ احمد مکرم عباسی چڑیا کوٹی ضلع اعظم گڑھ۔ کامل ج ۲ ص۲۵۳۔ خمیس جلد اوّل ص۱۷۱۔ سیرت محمدی۔ اسعاف الراغبین ص۱۵۸)

(بقیہ حاشیہ) تیسرے اس قصیدے کے اشعار جب جنگ بدر کے موقع پر عبیدہ بن الحارث نے زخمی ہونے کے بعد پڑھے اور یہ کہا کہ کاش ابوطالب زندہ ہوتے اور دیکھتے کہ ان اشعار کا مصداق میں ہوں تو حضرت رسولِ خدا نے یہ نہیں کہا کہ یہ اشعار ان کے نہیں ہیں۔ خود مولانا شبلی نے بھی اس روایت کو مع ابوطالب کے اس شعر کے درج فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے دیگر معتبر کتابوں میں بھی مثلاً طبری جلد ۲ ص۲۷۹ کامل جلد ۲ ص۵۹۔ خمیس جلد ا ص۲۲۶۔ واقدی ص۳۴ اور کنز العمال وغیرہ میں بھی یہ روایت مع ان اشعار کے درج ہے۔ بنی امیہ کے ہوا خواہوں نے حضرت ابوطالب کی تنقیص کے لیے ان اشعار کا موضوع ہونا ثابت کیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے لکھ دی۔ امیر معاویہ اور بنی امیہ کی محبت کے دلدادہ علیؑ کے دریدہ دشمن متعصب مورخ اپنی اپنی تصنیفات میں علمی تحقیقات کی ٹٹیاں اور تاریخی حیثیت کی آڑیں بنا کر اپنے دل کا راز فاش کیا کرتے ہیں اور نفس رسولؐ پر جھوٹے طوفان باندھ کر ان کے دامنِ عصمت کو کذب و افترا کے ناپاک چھینٹوں سے داغدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور چودھویں کے نورانی چاند کو چوٹھے کا توا اور اپنے سیاہ توے کو چودھویں کا چاند ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس علمی تحقیقات کی ٹٹیوں کے کھوکھلے بانس اور اس تاریخی پہلو کے جال کے کچے دھاگوں کو محقق محترم جناب سید وصی احمد صاحب بلگرامی کی محققانہ مقراض نے خوب کاٹا چھانٹا اور تار تار کر کے بکھیر دیا ہے اور ان کے اس اندھیر پر نہایت صاف روشنی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

دربارِ رسالت کا یہ عطیہ خطاب (ابوتراب) علیؑ اپنا فخر سمجھتے تھے اور رسولِ خداؐ کو بھی علیؑ کی یہ کنیت بہت زیادہ محبوب اور پیاری تھی مگر بنی امیہ اور ان کا سردار معاویہ منبروں پر بیٹھ بیٹھ کر اسی نام اور اسی کنیت سے علیؑ کی توہین کیا کرتے تھے۔ اور معاذاللہ اسی کنیت سے آپ پر لعن و تبرا کیا جاتا تھا (مدارج النبوۃ ص۱۰۱) چونکہ ابوتراب کے نام سے بدر کے واقعات اور کشتگانِ بدر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اس لیے علیؑ کو بُرا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ) ڈال کر ان کی ملمع سازی کی قلعی اچھی طرح کھول دی ہے۔ شائقین حضرات رسالہ نگار ماہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں وصی احمد صاحب کا یہ لاجواب مضمون "ملکِ خطا کی شہزادی" ملاحظہ فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے وظیفہ خوار بڑے بڑے امام و علماء محدثین و مؤرخین نے علمِ حدیث و روایت میں جھوٹی حدیثوں کو جمع کر کے ایک عجیب اندھیر مچا رکھا ہے بادشاہانِ وقت کو خوش کرنے کے لیے ہزارہا جھوٹی حدیثیں گھڑ ڈالی ہیں اور سیرتِ محمدیہ کے صاف و شفاف چشمہ کو اپنی دروغ بیانی کی قابلِ تنفر نجاست سے ایسا گندہ بنا دیا ہے کہ غیر مذہب والوں کو زبانِ اعتراض کھولنے اور شریعت محمدیہ کے نورانی دامن پہ بدنما داغ لگانے کے موقعے دے دیے ہیں۔ رسولِ کریمؐ صاحبِ خلقِ عظیم، متمم مکارم الاخلاق جو ایک علیٰ خلقٍ عظیم کا مصداق، صفاتِ الٰہیہ کا مظہرِ اتم ہے اور جس نے اپنی سیرتِ پاک اور اسوۂ حسنہ سے حیوان صفت آدمیوں کو انسان کامل بنایا، اس کے نورانی و پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصائل کو اپنی خود ساختہ روایتوں سے اس لیے بگاڑا گیا ہے کہ ان نااہل اور بدترین خلائق خلفا کے اخلاق شنیعہ کی پردہ پوشی ہو جائے جو زبردستی اپنے کو جانشینِ رسولؐ بنا بیٹھے تھے افسوس ان ہوا و ہوس کے بندوں اور مال و دولت کے لالچی علماء نے سلاطینِ بنی امیہ کے زیرِ اثر سیاستِ رسولؐ کی تصویر ایسے بھونڈے الفاظ میں کھینچی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

جنگِ اُحد: عہدِ رسولؐ کے اسلامی غزوات کے سلسلہ میں بدر کے بعد اُحد کی لڑائی ایک مشہور معرکۃ الآراء جنگ ہے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے لالچ سے بہت نقصان اٹھانا پڑا اور مسلمانوں کی ان بدعنوانیوں سے رسولِ الٰہیؐ کو بھی بہت سے صدمے اور اذیتیں پہنچیں۔ مشرکینِ مکہ کفارِ قریش ابوجہل و عتبہ وغیرہ جیسے نامی سرداروں کو کھو کر اور شکست فاش کھا کر واپس ہوئے تھے۔ تقریباً ایک سال تک اپنے ساٹھ ستر ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے غم میں جو معرکۂ بدر

(بقیہ حاشیہ) کہ آنحضرتؐ سیاسی اور شرعی احکام سے قطعاً بے خبر تھے اور علم و عقل سے ان کو مس بھی نہ تھا۔ یہ سب کوششیں محض اس لیے تھیں کہ جاہل اور بدکردار حکمرانوں کی آبروریزی نہ ہو اور دنیا کو ان کے احمقانہ کردار پر انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔ ان حماقت شعاروں نے دُنیوی فوائد کی طمع میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ اپنے عہد کے جابر و ظالم، جاہل و فاسق خلفاء کی وقعت و منزلت اگر رسولِ خداؐ سے بلند اور اونچی نہ دکھا سکیں تو کم از کم برابر تو ضرور ہی دکھلا دیں۔ بالخصوص انتظامی اور سیاسی معاملات میں تو ضرور ایسی احادیث و روایات کو دکھلا دیں جن سے حضرت رسولِ خداؐ کا خود ان معاملات سے ناواقف اور بے علم ہونا اور بادشاہانِ دنیا کی طرح مشیروں کی رائے کا محتاج ہونا ثابت ہو سکے اور سلطنتِ الٰہیہ اور سلطنتِ دُنیویہ کے درمیان کوئی خاص ما بہ الامتیاز فرق باقی نہ رہے اور خدا کا رسولؐ ایک معمولی انسان کی صورت میں نظر آنے لگے۔ بھلا ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ انھوں نے اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے یہ لکھ مارا ہو کہ یہ اشعار ابوطالب کے نہیں ہیں۔ اہل بیتؑ سے جیسی کچھ عداوت لوگوں کو بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں رہی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں سے کیا بعید معلوم ہوتا ہے اگر وہ ایسی بدیہی اور صریحی بات کے منکر ہو جائیں۔ ابوطالب حضرت علیؑ کے باپ تھے۔ پس علیؑ کے فضائل جہاں اور جہت سے مٹائے گئے (باقی بر صفحۂ آئندہ)

میں مقتول ہوئے تھے سوگ نشین اور ماتم زن رہے لیکن اس مدت میں ان کے پرکینہ سینوں سے انتقام کشی کی آگ کے شعلے برابر اٹھتے ہی رہے۔ عورت، مرد، جوان و پیر سب کے سب آنحضرتؐ سے بدلہ لینے کے لیے بے چین نظر آرہے تھے۔ انتقام کی آوازیں ہر طرف سے آرہی تھیں چونکہ عتبہ اور ابوجہل مارے جاچکے تھے لہٰذا کفارِ قریش نے اپنی سرداری کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھ دیا تھا (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۶۶)

(بقیہ حاشیہ) ایک یہ بھی سہی کہ ان کے پدر بزرگوار کو کافر ثابت کیا جائے۔ ان اشعار کے متعلق ابھی ہمارے پاس بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ ص ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "دریں ابیات ہجو و مذمت قریش کردہ در انکار و عداوت قریش مرا او را ترغیب نمودہ بر اطاعت و اذعان و قبولِ اسلام و ایں یقین گفتہ کہ دریں ابیات دلالت است بر آنکہ ابوطالب مے دانست نبوت آنحضرتؐ راپیش از بعثت" اور پھر لکھتے ہیں کہ شیخ ابن حجر عسقلانی گفتہ "انشاء ابوطالب ایں شعر را بعد از بعثت است و معرفت ابوطالب نبوتِ آنحضرتؐ را در بسیاری از اخبارِ آمدہ"۔ مدارج النبوۃ میں حضرت ابوطالب کا ایک شعر اور بھی مدحِ آنحضرت میں درج ہے۔ و ہو ہذا ؎

وشق لہ من اسمہٖ لیجلہٗ فذو العرش محمود وھذا محمدؐ

دربارِ رسالت کے شاعر حسانؓ بن ثابت نے ابوطالبؑ کے اسی شعر کو تضمین کیا ہے۔

حسان رضؓ کا شعر ؎

الم تر ان اللہ ارسل عبدہٗ بآیاتہٖ واللہ اعلیٰ و امجدُ

"کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا اور اللہ سب سے اعلیٰ اور بزرگ ہے۔"

ابوطالبؑ کا شعر ؎

وشق لہ من اسمہٖ لیجلہٗ فذو العرش محمود وھذا محمدؐ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

عادتِ رسولؐ میں چونکہ ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کے دماغ سب سے زیادہ جل رہے تھے لہٰذا ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور ابن ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے، اور مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ امسال تجارت شام میں جو کچھ منافع ہوا ہے وہ سب جنگی ساز و سامان میں صرف کرکے پیغمبرِ اسلامؐ سے جنگِ بدر کا پورا پورا انتقام لیا جائے۔ چنانچہ مدینہ پر چڑھائی اور مسلمانوں سے لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں۔ عمرو عاص جو امیر معاویہ کا وزیرِ خاص اور مشیر تجربہ کار تھا اور اس کا باپ عاص بن وائل جو رسولِ خداؐ کا سخت ترین دشمن تھا اسی بدبخت نے حضرت ابراہیم فرزندِ رسولؐ کی وفات پر حضرت رسولِ خداؐ کو ابتر کہا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ ص۲۳) اور ابوعزہ اور ابن زبعری شاعر کو عرب

(بقیہ حاشیہ) (ترجمہ:) "خدا نے اس کا نام اس کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس خدا کا نام محمود ہے اور اس کا نام محمدؐ ہے" (مدارج النبوۃ ص۲۲)

بے شک ابوطالبؑ جس طرح بعثت سے پہلے رسولِ خداؐ کی نبوت کو مان چکے تھے اسی طرح بعد بعثت بھی رسالت محمدی کا اقرار کرچکے ہیں۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ قریش کے سرداروں ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، ولید اور عمر عاص وغیرہ نے دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح محمدؐ کو نہیں چھوڑتے اور ان کی نصرت و حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور محمدؐ کی تبلیغ روزافزوں ترقی کر رہی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے اور امیر حمزہ جیسا سید و سردارِ قوم، بہادر و شجاع عم رسولؐ بھی اسلام لاکر محمدؐ کے ساتھ ہوگیا ہے۔ اور حضرت عمر ابن خطاب جیسا ایک خاص قابلیت کا شخص بھی جو ابتداء میں اسلام کی عداوت و دشمنی میں کفارِ قریش کے شریک حال اور پر زور ہمصدا و ہمنوا تھے۔ بعثتِ رسولؐ سے پانچ یا چھ سال بعد مسلمان ہوگئے۔ جناب عمر ابن خطاب ایک خاص سیاسی قابلیت کے آدمی تھے اور اسلام قبول کرنے سے پہلے دینِ اسلام کی مخالفت اور عداوت اور مسلمانوں سے دشمنی کرنے میں کفار

(باقی برصفحہ آئندہ)

کے قبیلوں میں اپنی آتش بیانیوں سے انتقام کی آگ بھڑکانے کا بہت کچھ موقع ملا۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۷ - مدارج النبوۃ صفحہ ۲۸، سیرۃ النبی شبلی، واقدی صفحہ ۶، معارج النبوۃ صفحہ ۸، تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱، سیرت ہشام جلد ۲ صفحہ ۶، تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۲، سیرت محمدی وغیرہ)

الغرض جنگِ بدر سے ایک سال بعد شوال کے مہینے ۳ھ میں ابوسفیان پوری تیاریوں کے ساتھ بڑے بڑے نامی بہادروں کو ہمراہ لے کر مع اپنی نامور بی بی ہندہ مادرِ معاویہ اور ان کی چودہ سہیلیوں کے تین ہزار کی جمعیت سے جن میں سات سو

(بقیہ حاشیہ) قریش کے شریک حال ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ جناب رسولِ خدا کے نہایت دشمن اور مسلمانوں کو تکلیف و اذیت پہنچانے میں نہایت تیز و تند تھے (تاریخ ابن ہشام صفحہ ۲۲۴ و صفحہ ۲۲۷، تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۴، تاریخ ابو الفداء جلد ۲ صفحہ ۱۲) خود اپنی ایک کنیز کو جس کا نام لُبینہ تھا اور یہ بیچاری مسلمان ہو چکی تھی مسلمان ہونے کے جرم میں اس قدر مارتے تھے کہ جب تک تھک نہ جاتے چھوڑتے نہ تھے اور کہتے کہ میں نے تجھے چھوڑا نہیں بلکہ تھک کر ٹھہر گیا ہوں جس کا اس مظلومہ مومنہ نے یہ جواب دیا کہ اس طرح خدا بھی تیرے ساتھ کرے گا۔ اگر تو مسلمان نہ ہوا۔

حضرت امیر حمزہ ابن عبد المطلب عم رسولِ کریم کے مشرف بہ اسلام ہونے کے تین دن بعد یعنی بعثتِ رسول کے پانچ یا چھ سال بعد یکایک مسلمان ہو گئے۔ جناب ممدوح کے اسلام قبول کرنے کے حالات و کیفیت کو علمائے سیر و تاریخ و محدثین اور مورخین اسلام نے تفصیل کے ساتھ اپنی مستند تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ مصنف تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۳۳۲ میں لکھتے ہیں۔ ان قریشًا اجتمعت فتشاوروا فی امر النبیؐ فقالوا ای رجل یقتل محمدًا فقال عمر ابن الخطاب انا لھا" یعنی قریش نے جمع ہو کر آنحضرت کے معاملہ میں باہم مشورہ کیا اور کہا کون شخص ہے جو محمدؐ کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

زرہ پوش جوان، دو سو سوار ہزار اونٹ، پندرہ ہودجیں تھیں شہنشاہِ اسلامؐ سے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ بدھ کے دن مدینۂ رسولؐ کے قریب پہنچ کر اُحد پر ڈیرے ڈال دیے (سیرت النبی ص۲۷۳، مدارج النبوۃ ص۱۴۱، سیرت ہشام ص۵۸، کامل جلد ۲ ص۶۲، طبری ج ۲ ص۱۲۷، خمیس جلد ۱ ص۴۷۳ - ابنِ خلدون جلد ۲ ص۲۴ واقدی ص۶۹ - ابوالفدا جلد ۲ ص۱۳۷ - معارج النبوۃ ص۸۶

ادھر ابوسفیان کی چڑھائی کی خبریں پہنچنے اور انس و مونس اسلامی خبر رسانوں کے اطلاع دینے پر کہ ابوسفیان کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے جانوروں نے صاف کر دیا ہے۔ رسول اللہؐ بھی بعد نماز جمعہ

(بقیہ حاشیہ) "قتل کا بیڑا اٹھائے۔عمر ابن الخطاب نے کہا میں اس کام کو پورا کروں گا"

صاحبِ معارج النبوۃ رکن سوم ص۵۸ میں لکھتے ہیں۔"ابوجہل گفت اے معشرِ قریش محمدؐ در دینِ شما طعن میکند الہ ہائے شما را دشنام می دہد و آباء و اجداد شما را در آتش منزل تعین می نماید و ایں ہمہ اہانت بما و اجداد و آبا رما و الہ ہائے ما میرساند ہر کہ اورا از شما بقتل رساند صد ناقہ حمرا و ہزار اوقیہ زر و نقرہ دیلفیا رکہ چہل ہزار درہم باشد با و تسلیم نمایم۔ امیرالمومنین عمر ابن الخطاب (سبحان اللہ اس وقت بھی حضرت عمر امیرالمومنین کے خطاب کے مستحق ہیں) از میان قریش برخاست وگفت یا ابا الحکم الغمان (ابا الحکم ابوجہل کی کنیت ہے) صحیح ؟ انچہ وعدہ میکنی بوصول خواہد پیوست یا بجز سخنے است گفت البتہ بوصول میرسد نقد نہ نسیہ عمر گفت سوگند بلات و عزیٰ کہ چنیں اشت ؟ گفت بلے۔عمر دستِ ابوجہل گرفت و بکعبہ در آمد و ہبل را کہ اعظم اصنام بود گواہ گرفتند۔ عمر بیروں آمد و شمشیر حائل کردہ بقصد قتل آنحضرتؐ رواں شد سوگند بلات و عزیٰ یاد کرد کہ باز نیایم و از پائے نہ نشینم (خاکم بدہان معاذاللہ) تا سر محمدؐ را نیارم۔"

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مقابلہ اور مدافعت کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ بروایت مدارج النبوۃ صفحہ ۱۴۴ و معارج النبوۃ صفحہ ۵۳۱، و واقدی صفحہ ۴۳ و تاریخ خمیس صفحہ ۴۲۷ فوج اسلامی کے تین نشان ترتیب دیے جاتے ہیں۔ مہاجرین کا علم علی مرتضیٰؓ یا مصعب ابن عمیر کو دیا گیا قبیلۂ خزرج کا علم حباب ابن منذر یا سعد بن عبادہ انصاری کو اور قبیلۂ اوس کا علم اُسید بن حضیر کو عطا گیا۔ اسلامی فوج میں سپاہیوں کا شمار ایک ہزار ہے لیکن مدینہ سے باہر نکل کر جب عبد اللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہو جاتا ہے تو میدان میں صرف سات سو جان نثار و جانباز مسلمان باقی رہ جاتے ہیں۔ کل

(بقیہ حاشیہ کا ترجمہ) "ابو جہل نے کہا اے گروہ قریش محمدؐ تمہارے دین کو طعنہ دیتا، تم کو تمہارے خداؤں کو بُرا کہتا اور تمہارے باپ دادوں کو جہنمی بتاتا، ہمارے ہمارے باپ دادوں اور خداؤں کی ذلت اور توہین کرتا ہے۔ جو شخص تم میں سے اس کو قتل کرے میں اس کو سو سرخ بالوں والے اونٹ ایک ہزار اوقیہ سونا چاندی جو چالیس ہزار درہم کے برابر ہے انعام دوں گا۔ عمر ابن الخطاب اس مجمع قریش میں سے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے ابو الحکم (یہ ابو جہل کی کنیت ہے) کیا یہ صحیح ہے؟ جو وعدہ تم کرتے ہو یہ ضرور پورا ہو گا یا محض باتیں ہی باتیں ہیں؟ ابو جہل نے کہا کہ ضرور نقد، نہ اُدھار۔ عمر نے کہا لات و عزیٰ کی قسم؟ ابو جہل نے کہا ہاں۔ عمر نے ابو جہل کا ہاتھ پکڑا اور خانۂ کعبہ میں لے جا کر بڑے بت ہبل کو گواہ بنایا اور باہر آ کر تلوار نکال کر آنحضرتؐ (دل و جانم فدائے جانش امتش باد) کو قتل کرنے کے ارادہ سے چل پڑے اور لات و عزیٰ کی قسم کھائی کہ نہ بیٹھوں گا اور نہ واپس آؤں گا جب تک کہ (معاذ اللہ) محمدؐ کا سر نہ لاؤں۔"

انسان العیون حلبی اور جملہ مورخین۔ نے اسی طرح اس کیفیت و حالات کو اپنے اپنے انداز سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت عمر کا جوش شجاعت و بہادری

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فوج میں صرف دو گھوڑے اور سو زرہ پوش ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت النبی ص۲۷۲ و ص۲۷۳ - کامل جلد ۲ ص۶۲ طبری ج ۲ ص۱۲ - سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص۶۵ - ۶۸ مدارج النبوۃ ص۱۴۱ و ص۱۴۵ وغیرہ - الغرض لشکر قریش مقابلہ کو بڑھتا ہے - ابوسفیان اس طرح صف آرائی کرتا ہے کہ میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو قائم کرتا ہے رسواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کے ماتحت کیا جاتا ہے تیر اندازوں کا افسر عبد اللہ بن ربیعہ کو بنایا جاتا ہے - علمدار لشکر طلحہ قرار پاتا ہے - ہندہ بنت عتبہ امیر معاویہ کی ماں اپنی چودہ سہیلیوں کے ساتھ دفلیں بجاتی کشتگانِ بدر کا ماتم کرتی اور رگوں میں انتقامی خون اونٹانے کے لیے پُرجوش رجزیں گاتی آگے آگے آتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) ہیں تیز و تند ہو کر انعام کے لالچ میں غضبناک شمشیر بکف رسول اللہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلنا - راستے کے حالات - سعد ابن وقاص سے مڈبھیڑ ہونا اور بہن بھائی کے مسلمان ہو جانے کی خبر سنکر پہلے ان کے گھر تلوار کھینچے جانا اور بہن بہنوئی کو خوب مارنا پیٹنا، لہولہان کرنا اور اس راسخ الاعتقاد نیک مومنہ کا بھائی کے ہاتھوں لہولہان ہو کر یہ کہنا کہ عمر جو بن آئے کرو مگر اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا اور حباب و سعد کے ساتھ رسول اللہ کی طرف آنا تفصیل سے درج کیا ہے - اور بیان کیا ہے کہ جب حباب و سعد کے ساتھ حضرت عمر تلوار سونتے رسول اللہ کی طرف آئے اور دروازے پر دستک دی حضرت حمزہ اور اصحاب رسول نے جو موجود تھے عمر کو اس ہیئت اور صورت سے دیکھا تو حضرت حمزہ نے فرمایا آنے دو - کچھ پروا نہیں - اگر دوستی کے ارادہ سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا - پھر آنحضرت خود بنفسِ نفیس اٹھے صحن میں تشریف لائے اور عمر کی چادر پکڑ کر ایسا سخت کھینچا اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ ہیبتِ محمدی اور خوفِ رسالت سے عمر کانپ اٹھے - دینِ اسلام کی سچائی، رسولِ الٰہی کی روحانیت و

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پس اُحد کی لڑائی میں اگر ایک طرف امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان قریش کے بڑے بُت ہبل کو سر پر اٹھائے رسولِ عربیؐ کے مقابلہ میں اسلام کے مخالف کفار کے لشکر کو لڑاتے اور مشرکین مکہ کی فوجوں کو کمان کرتے دکھائی دیتے ہیں تو ان کے ساتھ ساتھ دوسری جانب ان کی بی بی امیر معاویہ کی مادرِ گرامی ہندہ بنتِ عتبہ سولہ سنگار کیے بال بال موتی پروئے سہیلیوں کے جھرمٹ میں حسن کی جھلکیاں دکھاتی دفیں بجاتی عشق و محبت کے گیت گاتی ہے

(بقیہ حاشیہ) حقانیت نے جلوہ دکھایا۔ رسولِ الٰہیؐ کے صداقت بھرے بارعب الفاظ نے کان کھول دیے۔ تلوار پھینک کر مودبانہ حضورِ رسولؐ بیٹھ گئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کیوں اے عمر، تم کس ارادے سے آئے ہو؟ کیا تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے؟ جب تک ولید بن مغیرہ کی طرح تم پر بھی عذابِ الٰہی نازل نہ ہو؟ پس آفتابِ رسالت نے جلوہ دکھایا۔ کلامِ الٰہی کا رعب طاری ہوا۔ حضرت عمر نے تھرا کر کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔ تاریخ کامل صفحہ ۳۴۔ تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۱۲۔ تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۳۳۳ و صفحہ ۳۳۴ وغیرہ۔ مولانا شبلی الفاروق حصہ اول صفحہ ۲۴ و ۲۵، اور نواب محسن الملک آیاتِ بیّنات صفحہ ۵۰ میں تحریر کرتے ہیں:" حضرت عمر اور دوسرے ابوجہل نہایت مغرور اور مشہور نامور تھے اور ان کو سب سے زیادہ عداوت بھی پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ تھی۔ یہ شب و روز اسلام معدوم ہو جانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ابوجہل نے جس کو پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ دلی عداوت تھی اپنے بھائیوں سے کہا کہ جو کوئی پیغمبر صاحبؐ کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لائے اس کو ہزار شتر سرخ بالوں والے اور بہت سے درہم و دینار صلہ میں دوں گا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس کلام کو اپنے ذمہ لے لیا اور پیغمبر صاحبؐ کے قتل کے ارادے سے چلے۔ جب دولت سرا پہنچے تو کوئی دروازہ کھولنے کو نہ اُٹھا مگر حضرت امیر حمزہ چچا پیغمبر صاحبؐ کے یہ کہہ کر اُٹھے کہ وہ ایک آدمی ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق
مشی القطا البوارق   والمسک فی المفارق
والدر فی المخانق   ان تقبلوا نعانق
ونفرش النمارق   ان تدبروا نفارق
فراق غیر وامق

(ترجمہ) ہم ستارۂ صبح کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قطا پرندے یعنی چکور کی طرح بانکپن کی چال سے اپنے پاؤں سے مسندوں کو روندتی ہیں۔ ہم اپنے سر کے بالوں میں مشک ملے ہوئے اور موتیوں کے کنٹھے پہنے ہوئے ہیں۔ پس اگر تم لڑائی میں آگے بڑھو گے تو ہم تم کو پیار سے گلے لگائیں گے اور اگر تم پیٹھ پھرا کر بھاگو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔ بیزاری سے الگ ہونا۔"

(بقیہ حاشیہ) اگر اطاعت کے ارادے پر آتا ہے تو خیر ورنہ اس کی تلوار ہے اور اس کا سر۔ چنانچہ حضرت عمر اندر داخل ہوئے۔ جناب پیغمبر صاحبؐ بہ نفس نفیس اٹھے اور ان کو ایسا دبایا کہ ان کی آنکھیں نکل پڑیں۔ نیز دیکھو نور الابصار مومن شبلنجی صفحہ ۹۱۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے خدائے جلیل سے دعا فرمائی تھی کہ عمر کو مسلمان ہونے کی عزت بخشی جائے۔ لان الاسلام تعز ولا اعز۔ تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۲۴۴

بلاشک اسلام ہی انسان کو عزت و شرف بخشتا ہے نہ کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے سے دین الٰہی اسلام محمدی کو کوئی عزت و شرف حاصل ہو۔ بیشک اسلام قبول فرمانے سے پہلے پہلے تو جناب ممدوح تلوار کے بڑے دھنی اور اسلام کی مخالفت میں جیتی شجاعت و بہادری کے پتلے نظر آتے ہیں مگر اسلام قبول فرمانے کے بعد حضرت اسلام میں کبھی کہیں بہ نفس نفیس کسی جنگ میں، کسی لڑائی میں، کسی جہاد میں، کسی غزوہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ یا بعد میں اس بہادری کے جوہر دکھلاتے نظر نہیں آتے نہ کسی کافر مشرک کا سر کاٹتے قتل کرتے

(باقی برصفحہ آئندہ)

غرضکہ اس طرح سپاہیوں کو جنگ کا جوش دلاتی فتح پر وصال کے وعدے اور بھاگنے پر ہجر کی دھمکیاں دبتی ہو دجوں کے اندر چمکتی دمکتی نظر آرہی ہیں اور کبھی فوج کے نشان بردار بنی عبدالدار کے سپاہیوں کو دوسرا راگ سنا کر آمادۂ جنگ کرتی ہیں۔

ضربًا بنی عبدالدار ضربًا حماۃ الدار
ضربًا بکل تبار

(ترجمہ) "ہاں اے بنی عبدالدار کے بہادرو ایک وار کر کے دکھاؤ۔ ہاں اے وطن یعنی مکہ کے حامیو اپنی تلواروں کے جوہر دکھاؤ۔ ہاں خوب تلواریں مارو۔"

(بقیہ حاشیہ) دکھائی دیتے ہیں۔ کم از کم ہم کو تو کسی تاریخ میں کسی جنگ کے موقع پر کسی ایک کافر کو بھی حضرت عمر کے دستِ شجاعت سے قتل ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔ نہ بدر میں نہ احد میں نہ خندق میں نہ خیبر وغیرہ میں۔

الغرض تاریخوں سے ثابت ہے کہ قریش کے نمودار سرداروں نے ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، ولید اور عمرو عاص وغیرہ نے دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح محمدؐ کو نہیں چھوڑتے اور ان کی نصرت و حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور محمدؐ کی تبلیغ روز افزوں ترقی کر رہی ہے مسلمانوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے تو سب نے جمع ہو کر آنحضرتؐ کے بارہ میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ابوطالب اور بنی ہاشم سے ترکِ موالات کی جائے۔ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کا سلسلہ بند کیا جائے۔ مناکحت و معاملت کو قطع کیا جائے۔ کھانے پینے کی چیزیں قطعاً ان کو نہ دی جائیں۔ نہ کوئی ان سے مل سکے نہ وہ کسی سے مل سکیں۔ غرضکہ اس امر پر قسمیں کھا کر ابوطالب و بنی ہاشم کے بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کر لیا اور اس کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا ابوطالب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے پیارے بھتیجے کے ساتھ مع اپنے خاندانی افراد کے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں جو "شعب ابی طالب" کے نام سے مشہور ہے پناہ گزین ہو گئے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

انجام کار ہندہ جگر خوار نے وہ شرمناک بار بھی اپنے گلے میں ڈالا جس نے دنیائے انسانیت کی آنکھ نیچی کردی۔ علامہ شبلی سیرت النبی صلعم ۲۷۳ و ۲۸۰ پر لکھتے ہیں۔ نمازونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بدلہ لیا۔ ان کے کان ناک کاٹ لیے۔ ہند (معاویہ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اُگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا

(بقیہ حاشیہ) ابولہب بدبخت نے بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ دیا اور ہندہ بنت عتبہ کے پاس جاکر کہا دیکھو میں نے کیسا لات و عزیٰ کی نصرت و حمایت میں بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور تمھارے ساتھ شامل ہوگیا ہوں۔ ہندہ بہت خوش ہوئی اور کہا شاباش ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

ابوطالب تین سال تک بنی ہاشم کے ساتھ رسول خدا کی حمایت میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے اور فاقہ کشی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ اپنی جان سے زیادہ محمدؐ کو جانتے اور اپنی اولاد سے زیادہ ان کی حفاظت کرتے تھے۔ جو سر پر پڑی وہ جھیلی مگر آنحضرتؐ پر آنچ نہ آنے دی۔ تین سال کا زمانہ اسی پریشانی میں گزر گیا آخر حکم خدا سے قریش کے بس معاہدہ کو دیمک نے کھا لیا۔ خدائے جلیل نے اپنے حبیبؐ کو خبر دی اور رسول کریمؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے بیان فرمایا۔ ابوطالب ان کی صداقت پر یقین کامل رکھتے تھے۔ یہ خبر سنکر خانہ کعبہ میں آئے قریش کو جمع کرکے فرمایا۔ دیکھو میرے بھتیجے محمدؐ نے خبر دی ہے کہ تمھارے اس معاہدہ کو خدا کے حکم سے دیمک نے کھا لیا ہے اور سوائے خدا کے نام کے "باسمک اللّٰھم" کے کوئی لفظ باقی نہیں ہے۔ پس اس کو کھولو اور دیکھو۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یقین کرو اور سمجھ لو کہ ہم سچے ہیں اور تم باطل پر ہو۔ یہ سنکر قریش اٹھے۔ خانہ کعبہ میں سے اس معاہدہ کو لائے کھول کر دیکھا تو جیسا حضرتؐ نے فرمایا تھا ویسا ہی پایا۔ ابوطالب خوش ہو کر فرمانے لگے۔ کیوں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ہے وہ اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔ یہی مضمون تاریخ ابو الفداء جلد ۱ ص ۱۳۷ و ۱۳۹ - اور سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۷۹ و ۸۸ ، اور ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۴ و ۲۶ - طبری جلد ۱ ص ۲۴۵ - کامل جلد ۲ ص ۴۲ و ۴۸ - تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۷۴ روضۃ المناظر ص ۱۲۹ و ۱۳۰ برحاشیہ کامل جلد ۷ - واقدی ص ۴۶ و ص ۹۵ - استیعاب جلد ۱ ص ۱۰۲ - اعجاز التنزیل ص ۲۷۴ و ص ۲۷۵ - مدارج النبوۃ ص ۱۴۱ و ۱۶۰ - معارج النبوۃ ص ۸۵ و ۱۰۹ - سیرت محمدی و روضۃ الصفا وغیرہ

(بقیہ حاشیہ) ہم نہیں کہتے تھے کہ تم لوگ ظالم اور جھوٹے ہو؟ اور پھر یہ شعر پڑھے ؎

وقد کان فی امر الصحیفۃ عبرۃ ۔۔۔ متی ما یخبر غائب القوم تعجب

" بیشک اس صحیفہ اور معاہدہ کا معاملہ بہت عبرت خیز ہے جب اس واقعہ کی خبر ان سے بیان کی جائے جو موجود نہ تھے وہ بہت تعجب کریں گے۔"

محا اللہ منہم کفرہم وعقوقہم ۔۔۔ وما نقموا من الحق الحق معرب

" خدا نے ان کے کفران کی نافرمانی اور ان کے ظلم و جور کو اپنے حق گوئی کے ساتھ بالکل مٹا دیا ہے۔"

فاصبح ما قالوا من الامر باطلاً ۔۔۔ ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

" پس جو عہد ان لوگوں نے باندھا تھا وہ جھوٹا ہو گیا اور جو شخص خلاف حق بولنے کی عادت رکھتا ہے وہ ہمیشہ جھوٹا ہوتا ہے!" (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۴۲)

یہ تاریخی واقعہ اور مسلّمہ امر ہے کہ رسول خداؐ کی بعثت سے پہلے اور ظہور اسلام سے قبل ملک عرب اور قبائل قریش بت پرستی اور شرک و گمراہی میں پھنسے ہوئے تھے۔ قبیلہ قبیلہ کا بت جدا تھا۔ گھر گھر بت پرستی ہوتی تھی۔ جدا جدا بت پوجے جاتے تھے۔ کوئی نائلہ کے آگے سر جھکاتا تھا تو کوئی لات کے پاؤں پر ناک رگڑتا تھا۔ کوئی ہبل کو سر پر رکھے پھرتا تھا کوئی عزیٰ کو سجدے کرتا تھا مگر کوئی تاریخ ثابت نہیں کر سکتی کہ ابو طالب یا ہاشم کا بھی کوئی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

میں بھی موجود ہے۔

تفسیر و حدیث و تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس جنگِ اُحد کے واقعات کو اپنی اپنی تحقیق و اطلاع کے مطابق درج کیا گیا ہے۔ اس معرکہ میں رسولِ خدا کے قوتِ بازو علیؑ بن ابی طالب بدر و اُحد کے ہیرو۔ فاتح خیبر کی لاثانی و بے مثال اسلامی خدمات اور حضرت حمزہؑ سید الشہداء عم رسولؐ کی بے نظیر دینی حمایتوں، ابو دجانہ و انس بن نضر جیسے جانباز بہادر اصحاب کی وفادارانہ جان نثاریوں اور ان کے سچے اسلام پر جس طرح

(بقیہ حاشیہ) بُت تھا۔ اسی طرح کسی تاریخ اور کسی روایت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کسی وقت میں بھی ابو طالب کو کسی بُت کے آگے سر جھکاتے یا کسی کی جے پکارتے دیکھا گیا ہو جیسا کہ ابوسفیان روزانہ لات و عزیٰ کی پوجا پاٹ کرتا تھا۔ اور لڑائیوں میں ہبل کو سر پر اٹھائے "اعلیٰ الھبل، اعلیٰ الھبل" کے نعرے لگایا کرتا تھا (دیکھو کنز العمال واقعہ خندق) حذیفہ کو سخت و شدید سردی اور بارش کی رات میں لشکرِ کفار کی طرف جاسوسی کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ حذیفہ بحکمِ رسولؐ جاتے ہیں تو ابوسفیان کو وقتِ صبح لات و عزیٰ کے آگے سر گڑتے دیکھتے ہیں۔ اذا کان وجہ السحر قام ابوسفیان یدعو اللات والعزیٰ والشرک۔ یعنی جب سحر ہوئی تو ابوسفیان اٹھا اور لات و عزیٰ کی پرستش کرنے لگا۔ برخلاف اس کے حضرت رسولِ خدا کے آبا و اجداد ہاشم و عبد المطلب وغیرہ ہمیشہ سے اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین کے ماننے والے اور خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ جاننے والے رہے ہیں۔ اس کی تصدیق خود خداوندِ عالم نے قرآن میں فرمائی ہے دیکھو آیۂ وتقلبك فی السّاجدین۔ بلاشک یہ نورِ الٰہی ہمیشہ اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ میں ہی منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کے دامن ہمیشہ بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف رہے۔ انا و علیؑ من نورٍ واحد اس پر شاہد ہے کہ رسولؐ کی طرح علیؑ بھی ہمیشہ نجاستِ شرک سے محفوظ رہے۔ وہ اپنی نورانی

(باقی بر صفحۂ آیندہ)

پوری روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ابوسفیان اور ہندہ وغیرہ کی وحشیانہ اور زنانہ حرکات اور دین اسلام سے بغض وعناد کا حال بھی بخوبی روشن ہوتا ہے۔

القصہ جب ابوسفیان کے زیرکمان قریش کا لشکر ہندہ اور اس کی سہیلیوں کے رزمیہ گیت اور سریلے نغموں سے مست ہوکر مسلمانوں کے مقابلہ کو بڑھا تو شہنشاہ اسلام حضور سرورِ عالم نے بھی اُحد کو پشت پر رکھ کر لشکرِ اسلامی کی صف آرائی فرمائی۔ قریش کے علمبردار طلحہ کے مقابلہ میں لشکرِ اسلامی کا علم مصعب ابن عمیر کو دیا گیا۔ زبیر ابن العوام رسالہ

(بقیہ حاشیہ) خلقت میں رسولِ الٰہی کے شریک ہیں۔ (ملاحظہ ہو ارجح المطالب مولوی عبیداللہ امرتسری ص۴۵۵ - ۴۵۹ اور مناقب احمد حنبل خوارزمی، ابن عساکر، ابن مغازلی، ینابیع المودۃ ص۱۰ و تفسیر زین الفتی امام عاصمی)

بیشک حضرت ہاشم اور حضرت عبدالمطلب کا وہی دین تھا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا تھا اور بیشک حضرت ابوطالب کا بھی وہی دین تھا۔ جو عبدالمطلب کا تھا۔ وہ حضرت رسولِ خدا کی معرفت پر ابتدا سے آخر تک قائم رہے اور سچے مسلمان دنیا سے اٹھے۔

میرزا حیرت صاحب دہلوی بھی ابوطالبؑ کی خدماتِ اسلامی اور رسولِ الٰہی پر جان نثاری کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔ خلاصہ سیرت محمدیہ ص۲۱۹ میں ذاتِ ابوطالبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابوطالب کا کیا انتقال ہوا گویا محمدؐ نے اپنا ایسا سرپرست جس نے نہایت محنت اور دلی شفقت سے بچپن ہی کے زمانہ سے حفاظت کی تھی کھو دیا اور جو اپنی وفات تک محمد اور اس کے دشمنوں کے بیچ میں جما رہا۔ گویا مرتے دم تک سینہ سپر رہا اور محمد پر آنچ نہ آنے دی اور پھر ص۲۲۱ میں ابوطالب کو رسول اللہ کے قابلِ تعظیم سرپرست اور محافظ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

ینابیع المودۃ ص۲۶۵ پر ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا کہ نہ عبدالمطلب نے بتوں کی پرستش کی اور نہ ان کے ذبیحہ کو کھایا اور عبدالمطلب ملتِ ابراہیمی پر تھے اور یہی قول حضرت ابوطالب کا تھا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے افسر بنائے گئے۔ حضرت حمزہ کو اس حصہ فوج کی کمان دی گئی جو زرہ پوش نہ تھے اور چونکہ لشت کی جانب سے دشمن کے حملہ کا احتمال تھا اس لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں اس درّہ پر متعین فرما کر انکو تاکیدی حکم دیا گیا کہ خواہ لڑائی کی کچھ بھی حالت ہو، فتح ہو یا شکست تم لوگ اس مورچہ کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا! پس جب جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو کفارِ قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارتا ہے۔ کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے دوزخ میں پہنچائے یا

(بقیہ حاشیہ) کہ انا علی دین عبد المطلب (میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں)

ابوطالب کا کفارِ قریش کے ساتھ بظاہر یہ استمالت کا رویّہ اور سلوک جس سے وہ ان کو اپنے ہی طور و طریق اور اپنے ہی دین و مذہب پر سمجھنے کا دھوکہ کھاتے رہے اور ابوطالب کو کھلم کھلا مسلمانوں کے گروہ میں شامل اور رسولؐ کے دین پر نہ سمجھتے تھے۔ غور کرو تو یہ عین دینِ الٰہی کی حمایت اور اشاعتِ اسلام تھی۔ اس کا معاملہ بعینہٖ مومن آلِ فرعون کا سا تھا جس کی صفت قرآن میں یکتم ایمانہٗ ذکر کی گئی ہے۔ اس بات کو حضرت رسولِ خداؐ ہی جانتے تھے اور بس۔

ابوطالب کی وفات کے بعد ہی قریش کے ظلم و تشدد بڑھ گئے اور حضرت رسولِ خداؐ اور ان کے تمام تابعین کو قسم قسم کی مصیبتوں کا سامنا ہو گیا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ جب ابوطالب اور خدیجہؑ کا انتقال ایک ہی سال میں ہو گیا فعظمت المصیبۃ علی رسول اللہ حتی نثر علی راسہ التراب (حضرت کی مصیبت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ بدبختوں نے سرِ اقدس پر مٹی اور خاک کے بھرے ٹوکرے ڈال دیے) حضرت کا طائف میں بغرضِ تبلیغ تشریف لے جانا اور وہاں کفار کی طرح طرح کی بدسلوکیاں، مجنون کہہ کر پکارنا، پتھر برسانا، سنگریزوں پر پابرہنہ چلنے سے پیروں کا زخمی ہو جانا، پھر بے نیلِ مرام وہاں سے غمزدہ واپس آنا (باقی بر صفحہ آئندہ)

خود میرے ہاتھ سے بہشت کی سیر کرے۔ یہ سنکر ساقیٔ صہبائے اسلام، محبت رسولؐ کا متوالا محبوبِ خداؐ کا قوتِ بازو، قسیم النّار والجنّۃ، حیدرِ صفدرؑ صف سے نکل کر پکارتا ہے۔ کہ ہاں اے دوزخی ٹھہر، دم لے، میں ابھی تجھے دوزخ کا پروانہ دیتا ہوں۔ اور تجھے وہاں پہنچاتا ہوں۔ پس ذوالفقارِ حیدری کوندتی ہے اور طلحہ کی لاش خاک پر تڑپتی نظر آتی ہے۔ پھر طلحہ کا بیٹا عثمان علم اٹھاتا ہے اور رجز پڑھتا ہوا حملہ کو بڑھتا ہے۔ اس طرف سے امیر حمزہ اسد اللہؔ، عمّ رسولؐ شیر کی طرح بپھر کر نکلنے

(بقیہ حاشیہ) قریش کا سرِ اقدس پر خاک پھینکنا۔ آنحضرتؐ کا غمگین و ملول گھر میں تشریف لانا پیاری بیٹی فاطمہ زہراؑ کا یہ حال دیکھ کر بلبلا اٹھنا، خاک جھاڑنا اور باپ کے سر کو دھونا اور زار زار رونا اور حضرت کا تسلّی دے کر فرمانا۔ بیٹی رو ؤ مت۔ خدا تمھارے باپ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ آہ جب تک ابو طالب زندہ ہے قریش مجھ کو اذیت نہ پہنچا سکے (طبری جلد ۲ صـ۲۲۹) اس کے بعد آنحضرتؐ کے قتل کی تجویزیں، ہجرت کی ضرورت پس یہ سب مصائب و آلام ایک دم حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد ہی شروع ہو گئے۔

ابو طالب کی وجاہت اور بظاہر کفارِ قریش سے میل جول ہی ان تمام تکلیفوں اور کافروں کے ظلم و جور کو روکے ہوتے تھا۔ خود رسول اللہؐ فرماتے ہیں۔ یا عمّ ما اسرع ما وجدت بعدک (اے چچا آپ کے بعد ہی کس قدر جلدی مجھ پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں) تفصیل کے لیے دیکھو اسنی المطالب سید احمد ذہبی دحلان صـ۶۲ و ۱۸۱)

ابو طالب کے ایمان و اسلام پر سوادِ اعظم کی یہ چہ میگوئیاں، مورخین و علماء کے اختلافات سچے اور اصلی واقعات میں مخالفانہ بیانات کا خلط ملط یقیناً معاویہ کے اس گہرے اور مضبوط پروپیگنڈے کا اثر و نتیجہ ہے جو علیؑ کی دشمنی کی بنیاد پر آلِ محمد و علیؑ کے فضائل و مناقب مٹانے اور زمانے کے دلوں سے انکا اثر و اقتدار مٹانے کے لیے کیا گیا تھا۔ معاویہ کے زمانہ میں بڑی پوری کوشش اس بارہ میں کی گئی کہ اصلی واقعات و

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ہیں۔ حمزہ کی تلوار چمک کر گرتی ہے اور عثمان کی کمر تک اُتر آتی ہے۔ ساتھ ہی حمزہ پکارتے ہیں۔ ہاں ہاں میں ہوں ساقی حجاج کا بیٹا! (سیرۃ النبی عسقلانی، شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۲۴۳)

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ بقول مولانا شبلی، حضرت حمزہ، حضرت علیؑ اور ابو دجانہ فوجوں کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔ ایک طرف کا فروں کے دل بادل میں ذوالفقار حیدری چمک چمک کر گرتی ہے۔ سروں کا ملبہ برستا ہے۔ لہو کے دریا بہتے ہیں۔ مشرکین خون میں ڈوبتے ہیں اور لاشوں کے ڈھیر

(بقیہ حاشیہ) روایات پر پردہ ڈال کر وضعی اور جعلی حدیثوں اور روایتوں کو پھیلایا جائے چونکہ سلطنت کا زور اور مال و دولت کی قوت حاصل تھی اس لیے بہت جلد یہ مصنوعی سکّے تمام ملک میں رائج ہو گئے۔ انشاء اللہ آیندہ ہم اس کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

اس صدی کے علمائے جلیل القدر بھی اگرچہ نسلاً بعد نسلٍ اسی پروپیگنڈے کے زیر اثر چلے آنے کی وجہ سے امیر معاویہ اور بنی امیہ سے خوش اعتقادی رکھتے ہوئے ابوطالب کو مسلمان کہنے کی جرأت نہیں کر سکے مگر در پردہ وہ ابوطالب کے حالات اور نصرت و حمایتِ دین اور محبتِ خاتم النبیینؐ کو بیان کرتے ہوئے دبی زبان سے نجاتِ ابوطالب کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے۔

مولانا شبلی بھی بخاری اور ابن ہشام کی موافق و مخالف روایتوں کا موازنہ کر کے اور صحت و عدم صحتِ روایات پر سرسری اور غیر تنقیدی فیصلہ تحریر فرما کر حضرت ابوطالب کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔ "ابوطالب نے آنحضرتؐ کے لیے جو جان نثاریاں کی ہیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں ضائع جائیں گی؟" (سیرت النبی ص ۱۸۱) (باقی بر صفحہ آیندہ)

لگتے ہیں۔ دوسری جانب امیر حمزہ کے شیرانہ نعروں سے رن گونج رہا ہے۔ ابودجانہ انصاری سرخ رومال سر پر باندھے بانکی رفتار سے رسول اکرمؐ کی عطا کی ہوئی تلوار کو چمکاتے، صفوں کو چیرتے لاشہ پہ لاشہ گراتے بڑھ رہے ہیں۔ امیر حمزہ جوش شجاعت ہیں جس صف پر جا پڑتے ہیں خون کا دریا بہا دیتے ہیں۔ سبّاع غبشانی تلوار کی زد پر آجاتا ہے۔ فرماتے ہیں، او نامرد کدھر جاتا ہے؟ تلوار کا وار اس پر ہوتا ہے۔ وہ خاک پہ گر کر مر جاتا ہے۔ جبیر بن مطعم کا حبشی غلام وحشی نام شقی ازلی آزادی کے

(بقیہ حاشیہ) شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنی کتاب "امہات الامہ" کے صفحہ ۹۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "جس وقت پیغمبر صاحبؐ نے اسلام کی منادی شروع کی آپ کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گو انھوں نے ظاہر اسلام قبول نہیں کیا مگر وہ دل سے پیغمبر صاحبؐ کو سچا پیغمبر اور اسلام کو صادق دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک ہم لوگوں کے اسلام سے ان کا کفر بہت زیادہ ممنون ہے۔ الٰہی صدقہ اپنے پیغمبرؐ کا ابوطالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب، ہماری نسلوں کو نصیب" فقط

بے شک حضرت ابوطالب کو معاذ اللہ کافر اور مخالف اسلام بنانا انصاف کا خون کرنا ہے۔

بس اب میں اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ انصاف پسند ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔ آخر میں، میں بھی وہی الفاظ عرض کرتا ہوں جو میرے عم بزرگوار حضرت وزیر الدولہ سید محمد محسن خان بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ اعلی اللہ مقامہ وحشرہ اللہ مع محمد و آلہ الطاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین نے اپنی کتاب بے عدیل "اعجاز التنزیل" میں حضرت ابوطالب کے اسلام و کفر کی بحث پر تحریر فرماتے ہیں۔ وھو ہٰذا۔

"افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسے ناصر دین خدا اور محافظ و مصدق رسول اللہؐ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وعدے اور ہندہ سے انعام لینے کے شوق میں حمزہ کی گھات میں لگا بیٹھا تھا۔ جونہی وہ جناب لڑتے لڑتے اس کی طرف سے گزرے اس نامرد عاقبت برباد نے گھات کی جگہ سے نکل کر دور سے ایک چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ بولتے ہیں پھینک مارا۔ وہ حضرت حمزہ کی ناف پر جا لگا اور جسم کے پار ہو گیا۔ آپ اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں مگر لڑکھڑا کر گر پڑتے ہیں اور روح پرواز کر جاتی ہے۔ سیرۃ النبی ص۲۷۵۔ شاہ عبدالحق دہلوی مدارج النبوۃ جلد۲ ص۱۵۱ میں لکھتے ہیں کہ ہندہ (مادرِ معاویہ) نے

(بقیہ حاشیہ) کے ایمان میں گفتگو کی ہے اور اس کو کافر بتایا ہے مگر اپنا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش ایسا کافر میں ہوتا کہ بقدر اپنی طاقت و قدرت کے اپنے مظلوم رسولؐ کی خدمت و نصرت کرتا اور میرے اس کام میں مجھ کو کوئی کافر کہتا خواہ مسلمان مگر میں اپنے خدائے کریم و رحیم سے یہی کہتا ہ

اگر خدمتم رد کنی در قبول

من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ" (اعجاز التنزیل)

فاطمہ بنتِ اسد زوجۂ ابوطالب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالب کے ذکرِ خیر کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا تذکرہ ان کی زوجۂ مکرمہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کا بھی کر دیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ماں اور باپ دونوں حضرت رسولِ خداؐ کے کس درجہ دالہ و شیفتہ اور نصرتِ دین کے کس حد تک شیدائی تھے۔ حضرت فاطمہ بنتِ اسد وہ صاحبِ ایمان، صاحبِ شرف اور مقدس بی بی ہیں جن کو رسولؐ نے ماں کے پیارے خطاب سے یاد فرمایا۔ (دیکھو ازالۃ الخفاء ص۲۵۱)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ "فاطمہ بنتِ اسد ہماری ماں ہیں۔ اس ماں کے بعد جن سے ہم پیدا ہوئے"، اور فرمایا کہ جب ابوطالب

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اس وحشی (قاتل حضرت امیر حمزہ) سے کہا تھا کہ حمزہ کو قتل کرکے ان کا جگر نکال کر میرے پاس لانا۔ چنانچہ یہ بدبخت حضرت امیر حمزہ کو شہید کرکے پیٹ چاک کرکے جگر نکال کر ہندہ کے پاس لے گیا ہندہ نے امیر حمزہ کا جگر چبایا اور اس وحشی بدبخت کو زیور کپڑے، لباس انعام میں دیے اور کہا کہ حمزہ کی لاش پر اس کو لے جائے۔ وحشی کے ساتھ حضرت حمزہ کی لاش پر آ کر اسی خبیثہ ہندہ (مادرِ معاویہ نے لاش کو مثلہ کیا۔ یعنی ناک، کان اور خاص اعضاء کاٹ کر مکّہ لے گئی۔

(بقیہ حاشیہ) ہم کو جمع کرکے اپنے ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے تو فاطمہ بنتِ اسد اس کھانے میں سے کچھ کھانا میرے لیے بھی رکھتی تھیں جو ہم دوبارہ آ کر کھایا کرتے تھے۔"

بلا شک یہی وہ بی بی ہے جو بعد خدیجۃ الکبریٰ عورتوں میں سابق الاسلام کہلانے کی مستحق ہے۔ یہی وہ بی بی ہے جو رسولؐ کی محبت اور دینِ اسلام کی حمایت میں بعالم پیری و ناتوانی ننگے پاؤں مکّہ سے مدینہ کو ہجرت فرما رہی ہے۔ راستے کی صعوبتیں اور دھوپ کی اذیتیں اٹھاتی ہے مگر پیارے بھتیجے رسولِ الٰہیؐ کی محبت کے جوش میں ان سب تکلیفوں کو راحت سمجھتی ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ سبطِ ابن جوزی ص۲۱۱ اور فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۱۵۱ وھی اول امرأۃ ھاجرت من مکۃ الی المدینۃ ماشیۃ حافیۃ وھی اول امرأۃ بایعت رسول اللّٰہ بمکۃ بعد خدیجۃ (فاطمہ بنتِ اسد وہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے مکّہ سے مدینہ کو پاپیادہ ننگے پاؤں ہجرت فرمائی یہی وہ پہلی عورت ہیں جس نے بعد خدیجہ مکّہ میں رسول اللہؐ سے بیعت کی)

قال الزھری کان رسول اللّٰہ یزورھا ویقیل عندھا فی بیتھا وکانت صالحۃ (فاطمہ بنتِ اسد بڑی صالحہ بی بی ہیں۔ رسول اللہؐ ان کی زیارت کو جاتے تھے اور ان کے گھر میں ان کے پاس قیام فرماتے تھے) تذکرہ سبطِ ابن جوزی ص۲۱۱ وقال ابن عباس لما نزلت یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک الایۃ

(باقی برصفحۂ آئندہ)

غرض دونوں طرف سے بڑے زور کی لڑائی ہو رہی ہے کفار کی فوج کے بہادر بڑی دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ ادھر سے بھی ذوالفقار علیؑ سروں کا مینہ برسا رہی ہے۔ نامی گرامی علمدار کٹ کٹ کر گر رہے ہیں مگر نشانِ کفر سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ ایک گرتا ہے تو دوسرا فوراً جھنڈے کو سنبھال لیتا ہے۔ کفار میں ہل چل مچی ہوئی ہے۔ ایک دلیر عورت جس کا نام عمرہ بنتِ علقمہ حارثیہ ہے غیرتِ کفر سے جوش کھا کر بڑھتی ہے۔ خاک پر گرے ہوئے علم کو اٹھاتی ہے۔ بھاگے ہوئے کفار پھر علم کے

(بقیہ حاشیہ) یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیۂ مجیدہ (اے نبیؐ جب مومنہ عورتیں تمہارے پاس بیعت کرنے کے لیے آئیں الخ) انہی (فاطمہ بنتِ اسد) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

بے شک فاطمہ بنتِ اسد بھی رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ خدا کے لیے اس کے رسول کریمؐ پر اسی طرح فدا ہوئی ہیں جس طرح ابوطالب سینہ سپر ہونے اور جاں نثاری کرتے تھے۔ بیٹوں سے زیادہ عزیز اور اپنی جان سے زیادہ پیارا جانتی ہیں۔ خود آنحضرتؐ ان کی اس محبت و جاں نثاری کی گواہی دیتے ہیں۔ دیکھو ارجح المطالب صفحہ ۲۳۵۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں انس بن مالک صحابیٔ رسولؐ سے منقول ہے کہ جب علیؑ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنتِ اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہؐ تشریف لائے اور فاطمہ کے سرہانے بیٹھے اور فرمایا۔ رحمك الله یا امی كنت امی بعد امی (خدا آپ پر رحم فرمائے آپ میری ماں کے بعد میری ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں مگر مجھے کھلاتی تھیں۔ اچھی غذائیں میرے لیے رکھتی تھیں اور خود نہ کھاتی تھیں، خود نہ پہنتی تھیں مگر مجھے پہناتی تھیں اور یہ سب محبت اور پیار آپ کا میرے ساتھ خدا کی رضا اور دارِ آخرت کے لیے تھا" انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہؐ نے غسل کا حکم دیا اور جب آپ کو کافور سے غسل دینے کی نوبت آئی تو خود حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے کافور کا پانی ڈالا اور پھر اپنا پیراہن مبارک فاطمہ بنتِ اسد کو پہنایا اور حضرت عمرؓ، ابوایوب انصاری اور اسامہ بن زید

(باقی برصفحہ آئندہ)

گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ بنی عبد الدار کا غلام صواب نامی بڑھ کر علم کو اس سے لے لیتا ہے۔ ساتھ ہی علیؑ کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی ہے اور آناً فاناً میں اس بدبخت کے خرمنِ حیات کو پھونک کر رکھ دیتی ہے۔ نشانِ کفر خاک پہ گر جاتا ہے۔ (معارج النبوۃ صہ۹۲۔ تاریخ خمیس جلد۱ صہ۴۸۱)

الغرض حضرت علیؑ، حضرت حمزہ اور ابو دجانہ انصاری کے شیرانہ حملوں نے کافروں کے پاؤں اکھاڑ دیے اور ان میں یکایک بھاگڑ پڑ گئی۔ ابوسفیان بھی بھاگ

(بقیہ حاشیہ) کو قبر کھودنے کا حکم دیا اور لحد کو خود دستِ مبارک سے کھودا۔ مٹی نکالی، صاف کیا اور پھر خود لحد میں لیٹے۔ بعد ازاں میت کو حضرت عباس اور ابوبکر کی مدد سے قبر میں اتارا اور دعا فرمائی کہ خدایا تو میری ماں فاطمہ بنتِ اسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ کر بحق اپنے نبی محمدؐ اور انبیائے سابقین کے۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ کے اس خاص عمل اور سلوک کو فاطمہ بنتِ اسد کے ساتھ دیکھ کر اصحاب نے عرض کی، حضورؐ نے ایسا عمل آج تک کسی اور کے ساتھ نہیں فرمایا۔ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں ابوطالب کے بعد فاطمہ بنتِ اسد سے زیادہ میرے ساتھ کوئی نیکی کرنے والا نہ تھا (استیعاب عبدالبر کی صہ۷۵۳ جلد۲ - مدارج النبوۃ صہ۱۸۷ و ۱۸۹۔ تاریخ خمیس جلد اول صہ۵۲۶۔ فصول المہمہ صہ۱۵ تذکرہ خواص الامہ صہ۶۔)

کوئی شک نہیں کہ حضرت مریم مادرِ عیسیٰؑ کی شان و عظمت اور بزرگی و منزلت روشن و ہویدا ہے اور وہ بیشک اس زمانہ کی سیدۃ النساء العالمین ہیں لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کی ولادت باسعادت کا وقت آتا ہے تو حضرت مریمؑ کو حکم ہوتا ہے کہ اے مریم یہ بیت المقدس ہماری عبادت و طاعت کا گھر ہے۔ زچہ خانہ نہیں ہے۔ اس وقت یہاں سے باہر چلی جاؤ مگر جب خانہ زادِ الٰہی نفسِ رسولِ عربیؐ علی بن ابی طالب کی ولادت باسعادت کا وقت آتا ہے اور فاطمہ بنتِ اسد مادرِ علیؑ استشفاء اور دعا کے لیے خانہ کعبہ میں پہنچتی ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

نکلا۔ اس کے نامور علمدار یکے بعد دیگرے مارے گئے جن میں سے آٹھ کو حضرت علیؑ نے مارا (اعجاز التنزیل) آسمان سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار کی آوازوں سے فضا گونج رہی تھی۔ خدائے جلیل اپنے ولی کی شجاعت پر مباہات فرما رہا تھا (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۲ ص۱۷۲ نیز تاریخ کامل جلد ۲ ص۷۴) قال لما قتل علی بن ابی طالب اصحاب الالویۃ فابصر رسول اللہ جماعۃً من المشرکین فقال لعلی احمل علیہم فحمل

(بقیہ حاشیہ) تو دیوار کعبہ شق ہو جاتی ہے اور فاطمہ خانہ کعبہ میں داخل ہو جاتی ہیں۔ وہیں علیؑ کی ولادت ہوتی ہے۔ خانہ کعبہ بیت اللہ الحرام علیؑ کی جائے ولادت اور فاطمہ بنت اسد کا زچہ خانہ قرار پاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء وفضلنا بعضھم علی بعض۔ ملاحظہ ہو حال ولادت علیؑ ارجح المطالب ص۳۸۷۔ ابن مغازلی شافعی وغیرہ۔ فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۱۲۔ ولد علی بمکۃ المشرفۃ فی داخل البیت الحرام فی یوم الجمعۃ ثالث عشر من شہر رجب ولم یولد فی البیت الحرام قبلہ احد سواہ وھی فضیلۃ خصہ اللہ تعالیٰ اجلالاً لہٗ واعلاءً لمرتبتہٖ واظہاراً لمکرمتہٖ۔ یعنی علی علیہ السلام کی ولادت جمعہ کے دن ۱۳ رجب کو مکہ مشرفہ میں خانہ کعبہ کے اندر واقع ہوئی اور علیؑ سے پہلے خانہ کعبہ میں علیؑ کے سوا کسی کی ولادت نہیں ہوئی۔ یہ ایسی فضیلت ہے کہ جس سے خداوند عالم نے علیؑ کو مخصوص فرمایا۔ علیؑ کی جلالت و منزلت کو روشن فرمانے کے لیے۔ ازالۃ الخفاء ص۲۵۱۔ نور الابصار علامہ شبلنجی ص۱۱۱۔ آیات محکمات ص۱۹۳ کفایۃ الطالب علامہ بن محمد یوسف شافعی مطبوعہ مصر ص۲۶۹۔ کتاب المناقب علامہ ابن شہر آشوب، مناقب ابن مغازلی شافعی تنزیل الابرار علامہ بدخشی۔ مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۶۲۔ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامہ۔ وسیلۃ النجاۃ مولوی محمد مبین فرنگی محلی۔ مطالب السؤل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

علیہم وتفرق جمعھم وقتل عمرو بن عبد اللہ الجمحی۔ ثم ابصر رسول اللہ جماعۃً من المشرکین قریش فقال لعلیؑ احمل علیہم ففرق جماعتھم وقتل شیبۃ بن مالک احد بنی عامر بن لوی فقال جبرئیل یارسول اللہ انّ ھذا المواساۃ فقال رسول اللہ انہ منّی وانا منہ فقال جبرئیل انا منکما قال فسمعوا صوتاً لاسیف الّا ذوالفقار ولا فتیٰ الّا علی۔ یعنی راوی بیان کرتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ) اخبارِ متواترہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ بنتِ اسد کے بطن سے امیر المومنین علیؑ کی ولادت عین کعبے کے اندر (فی جوف الکعبہ) واقع ہوئی۔ اور آپ روز جمعہ ۱۳ رجب عام الفیل سے تیس برس کے بعد کعبہ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے یعنی علیؑ کے سوا نہ پہلے نہ بعد کوئی شخص کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ اخطب خوارزمی مناقب میں لکھتے ہیں۔ لم یولد فی البیت قبلہ احدٌ وھی فضیلۃٌ خصّہُ اللہ بھا اجلاً ولہ اعلاءً لمرتبتہٖ یعنی خانہ کعبہ کے اندر علیؑ سے پہلے کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ یہ وہ فضیلت و بزرگی علیؑ کی ہے جو خدا نے علیؑ کی جلالتِ منزلت اور بلند مرتبت کو ظاہر فرمانے کے لیے آپ کے ساتھ مخصوص قرار دی گئی

بنی امیہ اور معاویہ کا پروپیگنڈا یہاں بھی علیؑ کی اس خداداد فضیلت کو مٹانے کے لیے کام کرتا رہا ہے۔ زبیر بن بکار کی زبانی یہ جھوٹی روایت مشتہر کی گئی کہ حکم بن حزام کی ولادت بھی خانۂ کعبہ ہی میں ہوئی تھی۔ جو حقیقت میں سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن صباغ مالکی کے الفاظ بالا ولم یولد فی البیت الحرام قبلہ احد (سوائے علیؑ کے بیت اللہ میں ان سے قبل کوئی پیدا نہیں ہوا) ظاہر ہے۔ اور نیز صاحب میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۲۰۸ میں لکھتے ہیں کہ زبیر بن بکار، راوی روایت ولادت حکم بن حزام فنِ حدیث میں غیر معتبر اور منکر الحدیث ہے اور نیز صاحب اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۵۶ میں لکھتے ہیں (باقی برصفحہ آئندہ)

جب علیؑ بن ابی طالبؑ نے کافروں کے علمبرداروں کو قتل کر دیا تو رسول اللہؐ نے مشرکین قریش کی ایک جماعت کو دیکھ کر علیؑ سے فرمایا، ان پر حملہ کرو۔ علیؑ نے ان پر حملہ کر کے ان کی جماعت کو منتشر کر دیا اور عمرو بن عبداللہ جمحی کو قتل فرمایا۔ پھر رسول اللہؐ نے ایک دوسری جماعت کو قریش کی دیکھ کر علیؑ سے فرمایا کہ ہاں اب ان پر حملہ کرو۔ علیؑ نے ان کو بھی مار کر بھگا دیا اور شیبہ بن مالک جو بنی عامر بن لوی میں سے تھا قتل کر دیا۔ پس جبرئیلؑ نے اس وقت کہا، یارسول اللہؐ یہ ہے مواسات اور یہ ہے جاں نثاری و غم خواری۔ جبرئیل کا یہ کلام سنکر رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کیوں نہ ہو، علیؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ جبرئیلؑ نے عرض کی یارسول اللہؐ میں بھی دونوں میں سے ہوں۔ پھر یہ آواز سنی گئی کہ نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے اور نہ علیؑ جیسا کوئی بہادر جوان ؎

صورتے گردد مجسّم فتح گویدآشکار

لافتا الّا علیؑ لاسیفَ الّا ذوالفقار

(تاریخ کامل جلد ۲ صہ ۷۴ ۔ مدارج النبوۃ صہ ۱۵۳ و صہ ۱۵۴ ۔ معارج النبوۃ صہ ۹۵ ابن ہشام صہ ۹۲ ۔ نورالابصار صہ ۷۵)

مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں۔ علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور ابودجانہ

(بقیہ حاشیہ) کہ حکم بن حزام جس کی ولادت خانہ کعبہ میں بتائی جاتی ہے حضرت خدیجہ اور زبیر بن العوام کا بھتیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبیر ابن بکار نے جو اسی خاندان سے خود حدیث وضع کی تھی اس کے علاوہ یہ امر بھی اس روایت کو وضعی ثابت کر رہا ہے کہ اس روایت کا راوی یعنی زبیر بن بکار دشمنان آلِ اطہارؑ میں سے تھا۔ حضرت یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کے قتل کا باعث یہی بدبخت تھا۔ اس نے علیؑ کی فضیلت کو مٹانے کے لیے اس روایت کو وضع کر کے شہرت دی۔

کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پُرجوش نازنین جو اپنے سُریلے رجزوں سے سپاہیوں کے دل ابھار رہی تھیں۔ وہ بھی بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ (سیرۃ النبی صـ ۲۷۶ - طبری صـ ۱۶ کامل صـ ۱۴۳ - اعجاز التنزیل)

لیکن غضب یہ آیا کہ کافروں کو بھاگتا دیکھ کر مسلمانوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ لڑائی کو چھوڑ کر لُوٹ میں پڑ گئے۔ تیراندازوں کا وہ دستہ بھی جو پشت کی جانب درۂ کوہ پر متعین کیا گیا تھا مورچہ کو چھوڑ کر لُوٹ میں شامل ہو گیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ بیچارے نے بہت سر مارا، روکا، ہٹایا، رسولِ خدا کا حکم یاد دلایا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کے مورچے کو خالی پایا موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایک دستہ فوج قریش لے کر پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا عبداللہ ابن جبیر جو تھوڑے سے وفادار سپاہیوں کے ساتھ مورچے پر موجود تھے جم کر لڑے اور خوب لڑے اور آخر سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے اپنے دستے کے سواروں کو لے کر سختی سے حملہ کیا۔ مسلمان لوٹ میں مصروف تھے کہ یکایک پیچھے سے تلواریں پڑنے لگیں اور ادھر سامنے سے ابوسفیان بھی خالد کے حملہ کو دیکھ کر بھاگی ہوئی فوج کو لے کر پلٹ پڑا۔ اب مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ بدحواسی کا عالم چھا گیا۔ خود ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتے تھے۔ اس جنگ مغلوبہ میں بڑے بہادر مسلمان شہید ہو گئے۔ شکست کے آثار نمایاں ہوئے اور فتح کا رنگ بدل گیا جان نثار مسلمان بہادروں نے پھر تیزی سے جنگ شروع کی۔ مصعب بن عمیرؓ علمبردار محمدی علم کو سنبھالے تلواریں برسا رہے تھے کہ ابن قمیہ کافر نے ان پر حملہ کیا۔ مصعب شہید ہو کر گر پڑے۔ رسول اللہ صؐ نے علیؑ کو علم محمدی عطا فرمایا اور علیؑ مصروف جنگ ہوئے (کامل صـ ۶۴ طبری صـ ۱۸ ابوالفداء صـ ۱۳۸ واقدی صـ ۳۷ خمیس صـ ۸۵ سیرت

ابن ہشام جلد ۲ صلا)

قال ابن اسحاق وقاتل مصعب بن عمیر دون رسول اللہ حتیٰ قتل وکان الذی قتلہ ابن قیمہ اللیثی وھو یظن انہ رسول اللہ فرجع الی قریش فقال قتلت محمداً فلمّا قتل مصعب ابن عمیر اعطی رسول اللہ اللواء علی ابن ابی طالب وقاتل علی بن ابی طالب ورجال من المسلمین وقال ابن ھشام لما اشتد القتال یوم احد جلس رسول اللہ تحت رایۃ الانصار وارسل رسول اللہ علی بن ابی طالب ان تقدم الرایۃ فتقدم علیؑ وقال انا ابو القصم۔

(ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مصعب بن عمیر رسول اللہؐ کے سامنے جنگ کر رہے تھے کہ ابن قیمہ نے مصعب کو قتل کر دیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے رسول اللہؐ کو قتل کیا ہے۔ یہ گمان کرکے وہ قریش کی طرف لوٹا اور اس نے جاکر کہا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ جب مصعب بن عمیر شہید ہو گئے تو رسول اللہؐ نے علم علیؑ کو عطا فرمایا۔ علیؑ نے تھوڑے سے مسلمان سپاہیوں کے ساتھ کافروں پر حملہ کیا۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ جب احد کے روز لڑائی بڑی سختی کے ساتھ ہو رہی تھی۔ رسول اللہؐ نے علیؑ کو حکم بھیجا کہ علم بڑھاؤ اور حملہ کرو۔ علیؑ حملہ کے لیے بڑھے اور کہتے جاتے تھے۔ میں ابو القصم ہوں (یہ علیؑ کی ایک کنیت ہے) سیرت ہشام۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خداؐ اس لڑائی میں خود بنفس نفیس جنگ فرما رہے تھے اور شجاعت الٰہیہ کے جوہر دکھا رہے تھے۔ وقاتل رسول اللہ یوم احد قتالاً شدیداً (کامل جلد ۲ صفحہ ۷۔ طبری خمیس) جنگ تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ مشرکین کی ایک جماعت حضرت کی طرف بڑھی اور ایک بدبخت نے آنحضرتؐ کی طرف تیر پھینکا جس سے نیچے کے چار دانت مجروح ہو گئے اور پیشانی اقدس بھی زخمی ہوئی۔

میدانِ جنگ سے بعض صحابہ کا فرار

عبداللہ بن قمیہ وغیرہ کفارِ قریش سختی کے ساتھ آنحضرتؐ پر حملہ کر رہے تھے۔ تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ اس طرف ابو دجانہ اور ابوطلحہ سینہ سپر تھے اور کفار کے حملہ سے حبیبِ خدؐا کی حفاظت کر رہے تھے کہ کافروں میں سے ایک شیطان نے پکار کر کہا۔ "محمدؐ قتل ہو گئے"! اس آواز کے بلند ہوتے ہی چند جان نثار اصحاب کے سوا سب مسلمان بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر جیسے نامور صحابی جن کی بہادری اور صداقت اسلامی تاریخ اسلام میں مائیہ نازخیال کی جاتی ہے ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ان کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ یہ بھی سر پہ پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خود حضرت عمر بیان فرماتے ہیں۔ قال عمر لما کان یوم اُحد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد رایتنی انزو کانی اروی۔ تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری جلد ۴ صـ۹۶۔ کنز العمال جلد اول صـ۲۲۹۔ تفسیر درِ منثور جلال الدین سیوطی جلد صـ۸۸ و ۸۸۔

(ترجمہ) "حضرت عمر فرماتے ہیں، جب روزِ اُحد ہم کو شکست ہوئی میں بھاگا، یہاں تک کہ پہاڑ پہ چڑھ گیا۔ اگر تم مجھے دیکھتے تو معلوم کرتے کہ میں پہاڑی بکری کی طرح پہاڑ پر اُچکتا جاتا ہوں۔"

نیز تاریخ طبری جلد ۳ صـ۲۰ وتفرق عنہ اصحابہ ودخل بعضھم المدینۃ وانطلق فوق الجبل الی الصخرۃ فقاموا علیھا وجعل رسول اللہ یدعوا الناس الیّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ۔ اصحاب آنحضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کچھ شہر (مدینہ) کی طرف چلے گئے۔ کچھ پہاڑ پر چڑھ کر جا بیٹھے اور رسولؐ پکار رہے تھے۔ اے بندگانِ خدا، الیّ الیّ، میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ۔ پہاڑ پہ بھاگ کر چڑھ جانے کو خدا نے بھی اپنے کلام پاک میں یاد دلایا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے۔

اذ تصعدون ولا تلوون علیٰ اُحَدٍ والرّسول یدعوکم الخ یاد کرو اس وقت کو جب جان کے خوف سے بھاگے پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ اور رسولؐ تم کو پکار رہے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ ص۷۵۔ ملاحظہ ہو اصل عبارت۔

انتھیٰ انس بن النضر عمّ انس بن مالک الیٰ عمرؓ و طلحہ فی رجالٍ من المہاجرین قد القوا بایدیہم فقال ما یحبسکم قالوا قد قتل النبی قال فما تصنعون بالحیاۃ بعد موتہ موتوا علیٰ ما مات علیہ ثم استقبل القوم فقاتل حتیٰ قتل فوجد سبعون ضربۃً طعنۃً وما عرفہ الا اُختُہ، عرفتہ ببنانہٖ (انس بن مالک کے چچا انس بن نضر لڑتے بھڑتے آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت عمر اور طلحہ چند مہاجرین کے ساتھ ہاتھ پیر چھوڑے ہتھیار پھینکے علیحدہ بیٹھے ہیں۔ پوچھا، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ جنگ سے کیوں منہ موڑ لیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا رسول اللہؐ تو قتل ہو گئے (اب لڑ کر کیا پانا ہے) یہ سن کر انس نے کہا، پھر رسولؐ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ یہ کہہ کر خود فوج میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ بعد میں جب ان کی لاش کو دیکھا گیا تو اس بزرگوار کے جسم پر تیر اور نیزے کے ستر زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ انس بن نضر کی لاش ہے۔ ان کی بہن نے بس انگلی دیکھ کر پہچانا (سیرت النبی ص۲۷۷ واقدی ص۲ و ص۹۲ و ص۹۸۔ تاریخ خمیس جلد اوّل ص۴۸۸۔ طبری جلد ۳ ص۱۹۔ سیرت ہشام جلد ۲ ص۷۵۔ معارج النبوۃ ص۹۹۔ مدارج النبوۃ ص۱۴۸۔ درِ منثور سیوطی۔ تفسیر کبیر رازی۔

مستدرک حاکم قرۃ العین و تاریخ احمدی وغیرہ[1]۔ اور حضرت عثمان تو بہت

---

[1] مولانا شبلی "الفاروق" حصہ اوّل بذیلِ واقعۂ جنگِ اُحد تحریر فرماتے ہیں :۔

"تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مدینہ سے اِدھر دم ہی نہ لیا کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہؐ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ۔ حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبریؒ نے بسند متصل جس کے رواۃ ابن حمید سلمہ محمد بن اسحاق، قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع ہیں روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انسؓ بن نضر نے حضرت عمرؓ و طلحہؓ اور چند مہاجرین و انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو انھوں نے پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے تو شہادت پائی۔ انسؓ بولے کہ رسول اللہؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی انھیں کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انسؓ بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ پر کیا گزری؟ میں نے کہا، میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انسؓ نے کہا، رسول اللہؐ شہید ہوئے تو ہوئے، خدا تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔

پھر لکھتے ہیں۔ علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنھوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں موجود تھے جو اُحد کے دن بھاگے تھے لیکن خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (باقی بر صفحہ آیندہ)

ہی دور نکل گئے تھے۔ تاریخ طبری جلد ۲ صہ ۲۱۱۔ تین دن کے بعد جب واپس آئے تو رسولؐ نے فرمایا۔ لقد ذھبتم فیھا عریضہ۔ آپ تو بہت ہی دور بھاگ گئے مدارج النبوۃ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی صہ ۱۴۸:۔

" ابوبکر و عمر بگوشہ رفتند و عثمان ازاں سہ روز بعد سہ یوم در آمدند"

حبیب السیر جلد اوّل جزو دوئم صہ ۳۷۔ تفسیر کبیر جلد ۸ صہ ۳۔ حضرت ابوبکر بھی میدان چھوڑ کر تشریف لے گئے تھے۔ صاحب تاریخ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نیستان میں جا چھپے تھے۔ صاحب تاریخ خمیس خود حضرت ابوبکر کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ قال ابوبکر لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ فکنت اوّل من جاء النبی۔ تاریخ خمیس۔ ابوبکر فرماتے ہیں جب کہ سب لوگ اُحد کے دن رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تو سب سے پہلے میں نبیؐ کے پاس آیا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ جنگِ اُحد کو یاد کر کے بشدت رویا کرتے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ میں اُحد کے دن بھاگ گیا تھا۔ پھر دوسری روایت حضرت عائشہ سے اسی مضمون کی کنز العمال صہ ۲۷۴۔ بے شک حضرتِ ابوبکر ابتدائے جنگ میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے لڑنے کے لیے تلوار کھینچ کر نکلے تھے مگر آنحضرتؐ کے روکنے پر ہٹ گئے۔ عبدالرحمٰن حضرت ابوبکر کے بڑے فرزند ابھی تک ابوسفیان کے ساتھی کا فرانِ قریش کے ہی دین وملت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت عمرؓ نے جو اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہ ہیں۔ حضرت عمر نے کہا، نہیں۔ کیونکہ اس کا باپ اُحد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود عمر) ثابت قدم نہیں رہا تھا"

(دیکھو الفاروق حصہ اول صہ ۴۶-۴۷)

میں تھے۔ اُحد کی جنگ میں ابو سفیان کے شریکِ حال اسلام کے مخالف رسولِ کریمؐ سے لڑنے کو آئے تھے۔ صفِ مشرکین سے نکل کر مبارز طلب کیا۔ یعنی مسلمانوں میں سے کوئی لڑنے کو آئے۔ حضرت ابوبکر تلوار نکال کر بڑھے۔ آنحضرتؐ نے روک دیا۔ فرمایا۔ شم سیفك و التعنا بك (بے شک آنحضرتؐ نے خیال فرمایا ہوگا کہ ہمارے بڈھے یارِ غار شرمسار ہو جائیں گے) تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷۵۔ مگر حسب میدانِ کارزار گرم ہوگیا تو ان کی شمشیرِ آبدار میان سے باہر نہ نکلی، کہیں مشرکین کے سروں پر چمکتی نظر نہ آئی۔ بھاگ کر ہی جان بچانا تاریخوں سے ثابت ہے۔

غرض کہ سوائے چند جان نثار انصار و مہاجرین کے کوئی مسلمان رکابِ رسولؐ میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کوئی پہاڑ پر چڑھ گیا تو کوئی شہر کو بھاگ گیا۔ صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ اصحاب دراں حین بر چہار قسم شدند۔ جمیعے جنگ کردند و شہید ند و گروہے در زوایا و شعاب جبل مخفی گشتند و بعضے بہ شہر رفتند و فرار گرفتند و عثمان بن عفان از انجملہ بود و بعد از اتمام معاملہ و مقابلہ و تسکین نائرہ جنگ بخدمت تشریف مراجعت نمودند صفحہ ۱۴۱ تیسیر القاری شرح بخاری صفحہ ۱۵۲ پر بھی یہی مضمون ہے لیکن حضرت علی مرتضیٰؑ ایک قدم میدان سے نہ سرکے، برابر تلوار چلاتے، صفوفِ کفار کو برہم کرتے اور حضرت رسولِ خداؐ کی جستجو میں آگے کو بڑھتے رہے۔ چونکہ یہ آواز کان میں پڑ چکی تھی کہ آنحضرت شہید ہو چکے ہیں لہٰذا بہت مضطرب اور سخت طیش میں تھے۔ لڑتے لڑتے آپ نے دیکھا کہ مسلمان دوسری طرف ابھی تک لڑ رہے ہیں۔ پس اس طرف کو بڑھے اور کافروں کو مارتے گراتے وہاں تک پہنچے جہاں ابو دجانہ وغیرہ چند جانباز جاہد سینہ سپر کیے آنحضرتؐ کو دشمنوں کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ کو زندہ پا کر علیؑ کی جان میں جان آئی اور پہلے سے بھی زیادہ شدت و قوت کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ (اعجاز التنزیل صفحہ ۲۷۷)

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ اس ہل چل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازوں کا زور بھی نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا۔ آنحضرتؐ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو الٹتے جاتے تھے لیکن کعبۂ مقصود، رسول اللہؐ کا پتہ نہ تھا۔" پھر لکھتے ہیں کہ جان نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سردارِ دو عالم کو ڈھونڈتی تھیں۔ سب سے پہلے کعب بن مالک کی نظر آپ پر پڑی۔ چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ کعب نے پہچان کر پکارا۔ مسلمانو! رسول اللہؐ یہ ہیں۔ یہ سنکر جان نثار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کرکے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقارؓ کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔" (سیرۃ النبی)

صاحبِ مدارج النبوۃ ص۱۵۲ پر لکھتے ہیں:۔

"منقول است چوں مسلماناں روئے ہزیمت آوردند حضرت رسولؐ را تنہا گذاشتند، حضرت آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشتہ شمال مردار بدر دید در آنحالت نظر کرد علیؓ ابن ابی طالب را کہ بر پہلوئے مبارکش استادہ است فرمود چوں دست کہ تو بہ برادرانِ خود ملحق نہ گشتی علیؓ گفت ءاکفر ابعد الایمان انّ لی لک اسوۃ یعنی آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستیکہ مرا بتو اقتدا است یعنی مرا بشما کار است با یاران و برادران کہ در پے غنیمت رفتند و ہزیمت شوند چہ کار دارم۔ دریں حین جمعے از کافران متوجہ

؎ ذوالفقار اور علیؓ کا نام ایسا لازم و ملزوم ہوگیا ہے کہ صرف ذوالفقار کا لکھ دینا ہی کافی ہے۔ اسی ایک لفظ سے حضرت علیؓ کی تمام اسلامی جانبازیاں اور شجاعانہ کارناموں کا پورا مرقع کھنچ جاتا ہے۔ اسی لیے مولانا شبلی نے محض ذوالفقار کا لفظ لکھا ہے اور حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

حضرت علیہ السلام شدند فرمود اے علیؓ مرا ازیں جمع نگاہدار وحق خدمت و نصرت بجا آر کہ وقت نصرت است علی مرتضیٰؓ متوجہ آں قوم شد و دمار از روزگار شان برآورد و ایشاں را بتفرق گردانید و جمع کثیر را بدوزخ فرستاد۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"چوں علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہٗ۔ ایں مردانگی کرد و نصرت نمود، جبرئیل ع باآنحضرت فرمود کہ ایں کمال مواساۃ و جوانمردی است کہ علی باتو مے برد۔ آنحضرت فرمود انہ منی وانا منہ یعنی بدرستیکہ علیؓ از من است و من از ویم کفایت است از کمال اتحاد و اخلاص و یگانگت و آمدہ است کہ چوں آنحضرت ایں کلمہ فرمود۔ جبرئیل گفت وانا منکما من از شما بر دوام وگو بیداآوازے شنیدند کہ گوینده غیبی مے گفت "لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار" اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"بالجملہ وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت بجائے آورد کہ فوق آں تصور نتواں کرد۔ روایت است از قیس کہ وے از پدرش سعد روایت کرد کہ گفت از علی مرتضیٰؓ شنیدم کہ فرمود در روز احد شانزدہ ضربت بمن رسید کہ در چہار ضربت بر زمین افتادم مردے خوبرو خوشبو بازوے مرا مے گرفت و مرا بر پائے مے کرد و مے گفت، متوجہ کافراں شو کہ تو در اطاعت خدا و رسولؐ روی و ایشاں ہر دو از تو راضی اند بعد از فراغ جنگ آں واقعہ را با حضرت رسالت عرض کردم آں سرور فرمود تو او را مے شناسی گفتم نہ اما بدحیہ کلبی سے دانستم، فرمود اے علیؓ خدائے تعالیٰ چشم ترا روشن کناد آں جبرئیل بود۔" (مدارج النبوۃ ص ۱۵۴)

(معارج النبوۃ رکن چہارم ص۹۴، ۹۵ و ۹۶)

اس موقع کا نقشہ ایک ہندی شاعر نے کیا خوب کھینچا ہے ؎

احد میں چھوڑ نبیؐ جی کو بھاگے میت کہانے کی لاج نہ آئی
ایک برادر شیر بہادر پاس رہا جن فوج ہٹائی
منصف ہو کے بچار کرو جو بھیڑ پڑے پر نہ ہو سنکھ دائی
بھاگنے والوں کو واکے برابر کیسے امانت دیجیے بڑائی

قربان اس ذاتِ قدسی کے، فدا اس ہادی و رہبر کے اور نثار اس نبی رحمت کے اشاعتِ دین میں کیسی کیسی سخت سے سخت مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ مخلوقِ الٰہی کو جو ضلالت و گمراہی کے تاریک غار میں پڑے ہیں۔ روشنی میں لانے کی سعی فرما رہے ہیں۔ طرح طرح کے رنج و تکلیفیں سہتے ہیں۔ زخم کھاتے ہیں۔ دندانِ مبارک سے خون جاری ہے۔ پیشانی اقدس مجروح ہے۔ لہو بہہ رہا ہے مگر یادِ الٰہی میں مشغول ہیں خدمتِ دین سے منہ نہیں موڑتے۔ بے درد ظالم اس نورِ الٰہی پر تیروں کا مینہ برساتے ہیں مگر اس پر بھی حضور کی زبانِ اقدس سے یہی نکلتا ہے۔ ربّ اغفر قومی فانھم لا یعلمون (بار الٰہا میری نادان قوم کو بخشدے، تیرے نبیؐ اور تیرے دین کی قدر نہیں جانتے) سیرت النبی ص۲۷۵ صحیح مسلم۔

سبحان اللہ! یہ ہے سیرتِ محمدی اور یہ ہے اسوۂ رسولؐ ؑ او جہد مے کند کہ برآرد غریق را۔ بیشک ؑ ہزار جان گرامی فدائے نامش باد۔ بلاشک اس رحمۃ للعالمین رسول الٰہیؐ کا یہ جہاد ملک گیری کی غرض سے نہ تھا بلکہ اشاعتِ دین کی غرض سے تھا۔

مشرکین قریش کے ساتھی ابو عامر شقی نے میدان جنگ میں ایک گڑھا کھود کر خس پوش کر دیا تھا کہ مسلمان اس میں گریں اور چوٹیں کھائیں اور زخمی ہوں۔

رسولِ کریمؐ اس گڑھے کی طرف آ جاتے ہیں اور گر جاتے ہیں۔ پس علیؑ فوراً بڑھ کر ہاتھ تھامتے ہیں اور طلحہ اٹھا کر باہر نکال لیتے ہیں (سیرت ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۴، معارج صفحہ ۱) غرضکہ علیؑ اور ان جان نثار اصحاب نے زبردست اور متواتر حملے کر کے دشمنوں کو پسپا کیا۔ کافروں کا ہجوم ہٹایا اور آنحضرتؐ کو دشمنوں کی زد سے بچا کر ایک محفوظ مقام پہ چڑھا لے گئے۔ (تاریخ خمیس جلد اول صفحہ ۴۹۱)

وکان سلمان جعل نفسہ وقایۃ لہ من وراء ظہرہ من سہام الکفار واواہم ویقول نفسی فداء لرسول اللہ والعباس بن عبدالمطلب ممسک لعنان فرسہ یقودہ وعلی بن ابی طالب معہ وانہ مجروح مکسور الید حمل علی الکفار فہزمہم فجاء جبرئیل وقال یا محمد من ذا الذی بارز الکفار انفاً فان اللہ یباھی بہ الملائکۃ قال ھو علی فانما ردّ بہ الی احد لعد ان یصیعون بالفرس فحول رجلہ الی جانب الآخر واعتمد علی منکب علی فنزل عن الفرس وصعد الجبل۔ یعنی آنحضرتؐ کی پشت مبارک کی طرف سے سلمان فارسی سینہ سپر کیے ہوئے کفار کی ایذا رسانی اور تیر بارانی میں رسول اللہؐ کی حفاظت کر رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ میری جان رسول خداؐ پر قربان ہو جائے اور عباس بن عبدالمطلب آنحضرتؐ کے رہوار کی باگ تھامے ہوئے ہانک رہے تھے۔ اور علی بن ابی طالب باوجودیکہ زخمی ہو رہے تھے، ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا مگر کافروں کو بھگاتے اور حملہ کرتے ساتھ ساتھ چلے آتے تھے۔ جبرئیل امین آئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہؐ کون شخص ہے جو حضورؐ کی حمایت و نصرت میں اس وقت کافروں سے لڑ رہا ہے کہ جس پہ خدائے جلیل صف ملائکہ میں مباہات فرما رہا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اے جبرئیلؑ یہ علیؑ ہیں۔ پس یہ سب لوگ رسول اللہؐ کو کوہِ اُحد کی طرف لے گئے مگر جب

گھوڑے پر سوار پہاڑ پر نہ چڑھ سکے تو اپنے پلسئے مبارک کو دوسری جانب پھرایا اور علیؑ کے شانے پر سہارا دے کر گھوڑے سے اترے اور پہاڑ پر تشریف لے گئے۔

دینِ اسلام بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرنے والے اصحاب ذرا ان سچے اور حقیقی کامل الایمان مسلمانوں اور رسولِ خداؐ کے سچے فدائیوں علیؑ، سلمانؓ، ابودجانہ، حذیفہ، نضر بن انس، کعب، حنظلہ، مصعب، عبد اللہ بن جبیر کے کارناموں، جاں نثاریوں اور خدمت گزاریوں پر نظر ڈال کر بتائیں کہ کیا یہ جانباز بہادر جو اپنے پیغمبر کی حفاظت میں جانیں لڑا رہے تھے، تلوار کی آگ میں کودتے تھے۔ آنحضرتؐ کے قدموں پر جانیں قربان کرتے تھے۔ تیر و شمشیر کے زخم پر زخم کھاتے تھے۔ کیا یہ سب ملک و دولت کے لالچ سے تھا؟ نہیں نہیں۔ بلکہ اسلام کی صداقت اور رسولِ خداؐ کی روحانیت کے جلووں سے ان کے قلوب روشن و منور ہو چکے تھے۔ اسلام کے نام پر فدا ہو جانا وہ اپنا فرض اور اپنے خدا کی خوشنودی کا سبب جانتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو "لا کفر بعد الایمان" کے الفاظ ان کی زبانوں سے نہ سنائی دیتے۔ اور انس بن نضر کی زبان سے یہ پُرجوش فقرے نہ نکلتے کہ اگر محمدؐ قتل ہو گئے ہیں تو پھر دنیا میں کس لیے زندہ رہیں۔ پس جس دین پر محمدؐ شہید ہو گئے ہیں ہم کو بھی اسی دین پر مر جانا چاہیے۔ اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو محمدؐ کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ بلاشک اگر ان بزرگواروں کی سچائی اور صداقت ایمانی میں ذرا بھی فرق ہوتا تو یہ بھی کافروں کی اس جھوٹی آواز پر کہ محمدؐ قتل ہو گئے بھاگ جاتے۔

رسولِ خداؐ کے ان سچے جاں نثاروں کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ذرا ان کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد بیبیوں کے جوشِ ایمانی کو دیکھو جو میدانِ اُحد میں لڑائی کی بھڑکتی آگ میں اپنے پیارے رسولؐ کی نصرت کرتی اور ان کی محبت کا دم بھرتی ہیں۔ مجروح ہوتی ہیں۔ اپنے عزیزوں کو قربان کرتی ہیں مگر خدمتِ اسلام

سے ہاتھ نہیں اٹھائیں۔ ام سلیط اور ام عمارہ کے کارناموں کو دیکھو۔ ان کی جانبازیوں پر نظر ڈالو کس طرح جوشِ ایمانی سے لبریز اور محبتِ رسول ؐ میں محو ہیں۔ صفوں کو چیر کر حضرت ؐ کے پاس پہنچتی ہیں۔ نیزہ و شمشیر کے حملوں کو اپنے سینوں پر روکتی ہیں۔ تلوار اور سے شانہ گھائل ہو جاتا ہے مگر ان کی بھنوؤں پر بل نہیں آتا۔ نصرتِ رسول ؐ سے ہاتھ نہیں اٹھاتیں بہادرانہ حملے کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہٹا دیتی ہیں۔ (سیرت النبی)

حضرت کعب کی با ایمان بیٹی نسیبہ مازنیہ کے حالات پڑھو۔ میدانِ جنگ میں جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے وہ کس جوش کے ساتھ خدمتِ رسول ؐ کر رہی ہے۔ کفار کے وحشیانہ حملوں کو روکتی ہے۔ رسولِ خدا ؐ کی حفاظت کرتی ہے۔ سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ نامور اصحاب آنحضرت ؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ وہ دیکھتی ہے کہ بھاگنے والوں میں اس کا بیٹا بھی ہے۔ دوڑ کر اس کو پکڑ لیتی ہے اور للکار کر کہتی ہے کہ خدا اور اس کے رسول ؐ کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے؟ واپس لاتی ہے۔ بیٹا جنگ کرتا ہے۔ اور ماں کی آنکھوں کے سامنے تلواریں کھا کر شہید ہو جاتا ہے۔ پھر وہ با ایمان خاتون خود حملہ کرتی ہے اور ایک بھاگنے والے مسلمان کی ڈھال ہاتھ میں لے کر اپنے رسول ؐ کی حفاظت کرتی ہے (حیات القلوب مجلسی جلد ۲ صفحہ ۱۶۶)

ایک اور کامل الایمان بی بی کا حال مولانا شبلی سیرت النبی میں لکھتے ہیں۔ انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی اور شوہر سب اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑی لیکن وہ ہر بار یہ پوچھتی تھی کہ رسول اللہ ؐ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی "آپ کے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں" ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا ‏ ‏ ‏ اے شہِ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶۵)

یہ دینِ خدا کے سچے مجاہد کیا عورت کیا مرد محبتِ ایمانی اور جوشِ اسلامی سے سرشار توحیدِ الٰہی اور روحانیتِ محمدی کے جلوے دیکھ کر اسلام کے سچے فدائی اور رسولِ عربی کے سچے شیدائی بنے تھے نہ کہ تلوار کے زور سے یا ملک و دولت کے لالچ سے پس سچے اسلام اور حقیقی ایمان کی ایسی ہی چند مجسم تصویریں جو حقیقتاً اپنی نظیر آپ ہیں کربلا کے چلتے پھرتے میدان میں ضرور نظر آتی ہیں۔ جس طرح اُحد کے میدان میں بہ چند مرد و عورت، مہاجر و انصار اپنے جوش ایمانی میں ڈوبے ہوئے حمایتِ دین اور محبتِ ختم المرسلین میں بے محابا اپنی جانوں کو قربان کرتے دکھلائی دیتے ہیں اسی طرح کربلا کے میدان میں بھی ابوسفیان کے پوتے یزید کی فوجوں کے مقابلہ میں ایمان و ایقان کے وہ بے مثال پیکرِ روحانیت کے پتلے وفا کے مجسمے اسی رسولِ برحق کے جان و جگر، خدا کے پیارے حسینؑ مظلوم کی حمایت و نصرت میں اپنی جانیں بڑے شوق سے دے رہے ہیں۔ سر کٹا رہے ہیں۔ زخم کھا رہے ہیں۔ خون میں نہا رہے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسی راسخ الاعتقاد بی بیاں ایمان کامل کی دلویاں ہیں جو محبتِ دین میں سرشار ہیں۔ وہ فرزندِ رسولؐ کی بلائیں لیتی اور اپنی اولاد کو فاطمہ کے لختِ جگر پہ خوش ہو کر قربان کرتی ہیں۔ کوئی بیٹے کو تلواریں کھاتا اور خون میں نہاتا دیکھ کر شکرِ خدا بجا لاتی ہے۔ کوئی شوہر کو خلعتِ شہادت پہنے دیکھ کر مسکراتی ہے۔ جنت کو سدھارنے پہ مبارکباد دیتی ہے۔ کوئی جانِ رسولؐ پہ سے بھائی کو قربان کرتی ہے تو کوئی بیٹے کو نثار کرتی ہے۔ کوئی خیمہ کی طناب نکال کر دشمنوں پہ حملے کے لیے بڑھتی ہے۔ گویا زبانِ حال سے کہتی ہے ؎

بوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
گھر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

ہاں ہاں، یہاں کمالِ ایمان اور عشقِ الٰہی کے امتحان کا ایک درجہ اور بھی بڑھا

ہوا نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ اُحد کے مجاہدوں میں کوئی بھوکا پیاسا نہیں تھا۔ بہی مسلمان بی بیاں جوش کر اسلام میں خدمتِ دین کر رہی تھیں، پانی کی مشکیں چشموں سے بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں مگر کربلا کے میدان میں حسینی مجاہد ایک دن کے نہیں بلکہ تین شب و روز کے بھوکے پیاسے بھی ہیں وہ سب آبِ شمشیر سے سیراب ہوتے ہیں۔ وہ وقتِ جنگ پیاس سے بے حال ہیں۔ ان کے گلے خشک ہیں۔ زبانوں پر کانٹے پڑ گئے ہیں۔ دریا سامنے لہریں مار رہا ہے مگر کیا ممکن کہ ایک قطرہ بھی ان پیاسوں کے خشک گلے تک پہنچ سکے۔ فدا ان کے کمالِ ایمان پر اور نثار ان کے صبرِ عظیم پر سے

پیاسے ایسے تھے کہ آ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

آمدم بر سرِ مطلب۔ اس طرف رسولِ مقبولؐ زخمی و مجروح پہاڑ پر تشریف لے گئے، اس طرف رسولؐ کے شہید ہونے کی خبر مدینہ میں مشہور ہوگئی۔ فاطمہ زہراؑ باپ کی شیدا بیٹی، اس غمناک خبر کے سنتے ہی بے قرار ہوگئیں۔ روتی پیٹتی گرتی پڑتی پا برہنہ دو چار عورتوں کو ساتھ لے کر باپ کی تلاش میں گھر سے نکل پڑیں۔ وہاں پہنچ کر باپ کو زندہ و سلامت پایا تو جان میں جان آئی۔ روتی ہوئی دوڑیں اور باپ سے لپٹ گئیں۔ دیکھتی ہیں کہ پیشانیٔ اقدس مجروح ہے۔ چہرۂ مبارک سے خون بہ رہا ہے۔ علیؑ پاس کے چشمۂ مہراس سے ڈھال میں پانی بھر کر لاتے ہیں۔ وہ پانی ڈالتے جاتے ہیں۔ فاطمہؑ زخموں کو دھوتی ہیں۔ خون بند ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے بیٹھے بیٹھے ہی ان لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جو آپ کو زندہ و سلامت سن کر جمع ہو گئے تھے (اعجاز التنزیل ص۲۷۷) مولانا شبلی سیرت النبی میں تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہراؑ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ پس حضرت علیؑ سپر میں پانی لائے۔ سیدہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا خون فوراً تھم گیا" (سیرت النبیؐ صـ۲۷۹، یہی مضمون صحیح بخاری شرح عسقلانی غزوۂ احد صـ۲۴۹۔ تاریخ کامل جلد ۲ صـ۷۵۔ طبری جلد ۳ صـ۲۔ تاریخ خمیس جلد ا صـ۴۹۱، مدارج النبوۃ صـ۱۶، معارج النبوۃ رکن چہارم صـ۱۰۹ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صـ۷۶۔ روضۃ الاحباب صـ۲۷ اور الزہرا صـ۶۶ پر بھی مرقوم ہے)

افسوس ہے کہ اس جنگِ احد میں مسلمانوں کی طمع اور بزدلی دونوں نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا جس سے شوکتِ اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر حضرت علیؑ جیسا نامور شجاع اس جنگ میں شریک نہ ہوتا تو دشمنانِ دین شمعِ رسالت کو اس روز ضرور گُل کر دیتے اور پھر مسلمانوں پر وہ بلا نازل ہوتی جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

الغرض جب قریش چلے گئے تو حضرت پہاڑ سے اترے اور میدانِ جنگ کا ملاحظہ کیا۔ حمزہؑ کی لاش کو دیکھا کہ ناک کان کٹے ہوئے، کلیجہ چرا ہوا پڑی ہے۔ کمال رنج ہوا۔ حکم دیا کہ حمزہ کی لاش پر چادر ڈال دو۔ کہ ان کی بہن صفیہ (زبیر بن العوامؓ کی والدہ) اس حال سے نہ دیکھیں (ابن اثیر۔ تاریخ خمیس) مقتولین میں سے حمزہ کو ایک قبر میں اور باقی اصحاب کو ایک ایک قبر میں دو دو تین تین کرکے دفن کر دیا۔ تاریخ خمیس جلد اول صـ۴۹۷ پر بحوالہ ذخائر العقبیٰ درج ہے کہ امیر حمزہ کے کفن کی چادر ایسی چھوٹی تھی کہ اگر پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا اور اگر سر کو ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھلے رہتے تھے۔ آخر سر کو چادر سے ڈھانک کر پاؤں اذخر گھاس اور پتوں سے

ڈھانپ دیئے۔ پھر رسول اللہ نے جنازے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ "یا حمزہ، یا اسد اللہ و اسد رسولہٗ یا حمزہ یا فاعل الخیرات، یا حمزہ یا کاشف الکربات، یا حمزہ یا ذات عن رسول اللہ، فطل بکاوہ۔" یہ رسول اللہ کا رونا اور نوحہ نہیں تو اور کیا ہے؟

مولانا شبلی سیرت النبی صفحہ ۲۸۳ میں لکھتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے بعد آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو غیرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقّت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ امّا حمزہ فلا بواکی لہٗ لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ سنا تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ دولت کدۂ رسالت پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ حضرت نے شکر گزاری کا اظہار فرمایا۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کیا کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہ کے ماتم سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندیٔ رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہ کی حقیقی محبت۔" تاریخ کامل، تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے۔ حسینؑ نواسۂ رسولؐ کی شہادت پر ماتم اور نوحہ خوانی اور آہ و بکا کو منع کرنے والے حضرات اس پر غور کریں۔

مدینہ کی تاریخ میں امام تاج الدین سبکی نے شفاء السقام سے نقل کیا ہے کہ جب معاویہ نے نہر نکالی اور شہیدوں کو ان کی قبروں سے نکالنے کا حکم دیا تو ایک پھاوڑا حضرت حمزہ کے قدم میں لگا اور خون اس سے جاری ہوا۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۹۵) اور منہاج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۴ میں ہے کہ جب معاویہ نے اُحد میں نہر

نکالنے کا حکم اپنے عامل مدینہ کے پاس بھیجا ہے تو معاویہ کو لکھا گیا کہ یہ نہر کسی طرح جاری نہیں ہو سکتی جب تک شہدائے احد کی قبروں پر سے نہ گزرے۔ معاویہ نے لکھا کہ قبریں کھود ڈالو اور شہیدوں کو چڈھیوں پر اٹھا کر دوسری جگہ لے جاؤ۔ (یہ تھا بنی امیہ کے مایۂ ناز سردار معاویہ بن ابوسفیان کا اسلام۔ اول تو نبش قبر یونہی حرام ہے اور پھر شہدائے احد کی قبروں کا کھودنا وہ بھی محض نہر نکالنے کی غرض سے۔ تف ہے اس اسلام پر) لکھا ہے کہ جب شہیدوں کو قبروں میں سے نکالا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوتے ہیں۔ قبریں کھودنے میں ایک پھاوڑا حضرت حمزہ کے پاؤں میں لگ گیا تھا، فوراً اس سے خون جاری ہو گیا۔ یہ ہے شہیدان راہ خدا کا مرتبہ کہ مرنے کے بعد بھی ان کے اجسام اسی حالت میں رہتے ہیں جس طرح حالت زندگی میں تھے۔ زمین کی کیا تاب کہ ان کا کچھ بگاڑ سکے۔ یہ واقعہ جنگ سے ۴۶ سال بعد کا ہے۔

جنگِ خندق: اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ بنی نضیر (یہودیوں کا ایک قبیلہ) جلا وطن ہو کر خیبر کے قلعوں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور ان کے بعض سردار مثلاً حی بن اخطب، سلام بن ابی اور کنانہ بن ربیع وغیرہ ہر وقت انتقام لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ آخر بیس آدمی ان میں سے مکہ گئے اور ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے مخالفت رسول ؐ پر معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ ابوسفیان چار ہزار قریشیوں کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ راستہ میں چھ ہزار یہودی اور اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

آنحضرت ؐ کو اس چڑھائی کی خبر پہلے ہی لگ گئی تھی۔ ایک تو مسلمان جنگ احد میں زک پا چکے تھے دوسرے اندیشہ تھا کہ قریش کے پوشیدہ معاون مدینہ میں بھی ہوں گے۔ یہاں کے یہودیوں اور منافقوں پر بالکل بھروسہ نہ تھا (یہی

تو تھے جو میدانِ اُحد میں رسول ؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ آئے تھے) منافق تعداد میں زیادہ بھی تھے اور طاقتور بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی ان کا سردار تھا۔ اب شہر مدینہ کے بچانے میں بہت کوشش کی گئی۔ حضرت رسولِ خدا نے شہر سے باہر نکل کر لڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ مدینہ کے اور اطراف تو شہر پناہ اور دیگر عمارتوں سے مضبوط تھے، صرف کوہ سلع کی طرف سے جگہ خالی تھی۔ وہیں سے غنیم کے حملہ کا اندیشہ تھا پس اس کے سامنے سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودنے کا حکم دیا۔ عرب کے لوگ اب تک خندق کھود کر لڑنے کے فن سے ناواقف تھے۔ عرب میں اس کے موجد حضرت سلمان ہی تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ سلمان لڑائی میں آنحضرت ؐ کے شریک ہوئے۔ حکم ہونا تھا کہ سلمان خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ سلمان سب سے دُگنا کام کرتے تھے اور بروایت روضۃ الاحباب[1] دس گنا، اور کبھی حضور سرورِ کائنات خود بھی خندق کھودنے میں شریک ہوتے تھے چنانچہ چھ دن میں خندق تیار ہو گئی۔ خندق کا تمام ہونا تھا کہ دشمن بھی قریب کی پہاڑیوں پر آموجود ہوا۔ آنحضرت ؐ ابن مکتوم کو مدینہ کی حکومت پر چھوڑ کر تین ہزار آدمیوں کے ساتھ میدان میں تشریف لائے۔ اور اس طرح صف باندھی کہ خندق سامنے رہے اور کوہِ سلع پشت پر۔ غنیم پہلے تو خندق دیکھ کر بہت حیران ہوا پھر انھوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ سے مسلمان بہت پریشان ہوئے۔ خندق کھودنے کی تکان، بھوک کی تکلیف[1]، دشمنوں کا مقابلہ ادھر سردی کی شدت تھی۔ نہ امن کو

---

[1] روضۃ الاحباب تاریخ کامل اور تاریخ طبری میں ہے کہ خندق کا کام حضرت ؐ نے مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا تھا۔ سلمان کے بارہ میں مہاجرین و انصار میں جھگڑا ہوا۔ انصار کہتے تھے ہم میں سے ہے اور مہاجرین کہتے تھے ہم میں سے ہے۔ اس پر رسول خدا ؐ نے فرمایا۔ سلمان منّا اهل البیت (سلمان ہم اہل بیت ؐ میں سے ہے)

اور رات کی سرد ہوا برچھی کی طرح لگتی تھی۔ اِدھر ایک مصیبت یہ تھی کہ رات کو جاگنا بھی پڑتا تھا کہ کفار شب کو دھاوا نہ کریں۔ بلکہ یورش کے خوف سے دن کو بھی مسلمان ہتھیار لیے مستعد رہتے تھے۔ ایک آفت یہ بھی کہ بعض منافق مسلمانوں کو بہکاتے تھے کہ مدینہ میں پھر چلو، اپنی جانیں کیوں دیتے ہو۔ انھیں راتوں میں سے آخری رات کی بابت معارج النبوۃ، روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ اور تاریخ خمیس میں حذیفہ یمانی کا بیان ہے کہ بخدا اس رات کو بھوک اور سردی نے ہمیں ایسا ستایا تھا کہ خدا ہی جانتا ہے۔ کسی قدر رات گزرے حضرت خواب سے بیدار ہوئے اور چند رکعت نماز ادا کرکے یاروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تم میں سے کون ایسا ہے کہ جاکر ان لوگوں کی خبر لے آئے تاکہ خدا اس کو بہشت میں میرا رفیق قرار دے۔ کسی نے حضرت کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب تین مرتبہ یہ فرما چکے اور کسی نے جواب نہ دیا تو صحابہ کرام میں سے تین چار کا نام لے کر بھی کہا۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے اس مشقت سے معاف رکھا جائے اور کہیں نہ بھیجا جائے۔ اور حضرت ابوبکر نے کہا، یا رسول اللہؐ حذیفہ کو بھیج دیجیے (سیرۃ محمدیہ۔ سیرۃ الحلبیہ) اس کے بعد میرا (حذیفہ) نام لیا۔ میں نے عرض کی لبیک۔ یا رسول اللہؐ۔ فرمایا تجھ سے ہو سکتا ہے کہ آج رات کو ہماری حراست کرے تاکہ قیامت کے دن تو ہمارے ساتھ ہو۔ میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہؐ مگر بھوک اور سردی نے مجبور کر رکھا ہے۔ حضرتؐ نے دعا کی میری بھوک اور سردی جاتی رہی اور میں حضرتؐ کے حکم سے مخالفین کے لشکر کی خبر لایا تو پھر وہی سردی معلوم ہونے لگی۔

صاحب روضۃ الصفا اور معارج النبوۃ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ

جب مخالفوں کے لشکر نے مسلمانوں کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جلتے رہے۔ بہت ڈر سے۔ ایک تو لشکر کی کثرت دوسرے اس میں عمر ابن عبدود جیسا نامی پہلوان موجود تھا جسے اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر سمجھتے تھے جرأت و شجاعت کے ساتھ آلات حرب کے استعمال میں کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اس موقع پر بیان کیا کہ ایک دن ہم طائفہ قریش کے ساتھ کہ جن میں عمر بن عبدود بھی تھا بہت سامال تجارت لے کر شام کی طرف جا رہے تھے کہ ناگاہ ہزار کے قریب رہزنوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اہل قافلہ نے جان و مال سے ہاتھ دھوئے اسی اثنا میں عمر ابن عبدود نے ایک شتر بچہ بجائے سپر ہاتھ میں لے کر شیر ژیاں کی طرح مخالفوں پر حملہ کیا۔ اس کا ان کی طرف منہ کرنا تھا کہ وہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے اور قافلہ سلامتی سے گزر گیا۔ حضرت عمر سے یہ باتیں سن کر مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ بزدلی چھا گئی۔ یہ عمر ابن عبدود بدر کی لڑائی میں زخم کھا کر جنگ سے بھاگ گیا تھا۔ احد میں کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا تھا اب تلافیٔ مافات کے لیے آیا تھا۔

اسی اثنا میں جاسوس خبر لائے کہ ابوسفیان نے حی بن اخطب کو بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس بھیج کر یہودان بنی قریظہ کو بھی جن کا مضبوط قلعہ شہر کے قریب تھا اور آنحضرتؐ سے معاہدہ صلح کیے ہوئے تھے اپنے سے ملا لیا۔ فوج تھوڑی تھی اور تمام خندق کی حفاظت اس سے دشوار تھی۔ بنی قریظہ کے بے ایمانی کے حملے سے بچنا اور شہر میں امن قائم رکھنا بہت مشکل تھا۔ لہذا حضرت نے مشورہ کیا اور ان کے حمائیتیوں کو ہٹانا چاہا۔ قوم غطفان اور فزارہ کے بہت سے لوگ قریش کے ہمراہ آئے تھے آنحضرتؐ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ قریش سے الگ ہو جائیں تو میں مدینہ میں ایک سال کے اندر جتنی کھجوریں پیدا ہوں گی اس کا

ایک ثلث ان کو دے دوں گا۔ وہ راضی ہو گئے تھے لیکن انصار نے خصوصاً سعد بن معاذ نے کہا کہ ہمارے میووں پر ان کو کبھی جرأت نہ ہوگی۔ جب ہم مسلمان نہ تھے اور مثل ان کے کافر تھے تب تو بنی غطفان بغیر دام دیے ہماری کھجوریں لے ہی نہ سکے، اب تو ہم سچے دین پر ہیں اور آپ ہمارے سردار ہیں، اب ہم کہاں دینے والے ہیں۔ قسم خدا کی اگر وہ کھجوروں پر دانت رکھتے ہیں تو تلوار سے ہیں۔ حضرتؐ نے بھی اس رائے کو مان لیا اور بات گئی گزری ہوئی۔ (ابن اثیر و روضۃ الاحباب)

خندق درمیان میں تھی۔ کفّار کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ایک دم سے حملہ کرکے مسلمانوں کو کچل ڈالیں۔ لیکن پھر بھی کوئی دن لڑائی سے خالی نہ جاتا تھا۔ جہاں کفار نے خندق پھاندنے کا قصد کیا اور مسلمانوں نے پتھر مارنے شروع کیے۔ بیس دن سے زیادہ یہی حال رہا۔ ایک روز کفار نے خندق کا ایک تنگ حصہ دریافت کرلیا اور عکرمہ بن ابی جہل اور عمر بن عبدود اور نوفل بن عبداللہ و ضرار بن الخطاب، ہبیرہ بن ابی لہب و مرداس وغیرہ چند نامی جنگجو خندق سے گھوڑے کو دا کر اس پار آ گئے اور مبارز طلب کیے۔ لڑائی کی کیفیت دیکھنے کو ابوسفیان مع خالد بن ولید بہت سے آدمیوں کا پرا جمائے کھڑا تھا عمر بن عبدود بڑا ہی شجاع تھا۔ ایک معرکہ میں اکیلے نے پچاس آدمیوں کو ہلاک کیا تھا مسلمانوں میں سے کسی نے اس کے مقابلے کی ہمت نہ کی اور بروایت روضۃ الاحباب و حبیب السیر و تاریخ خمیس و روضۃ الصفا وغیرہ ان کی حالت کا نما علی رؤسہم الطیر کی ہوگئی یعنی بالکل بے حس و حرکت ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اپنے اصحاب سے کہا کہ کون اس کے مقابلہ کو جاتا ہے۔ تینوں مرتبہ صرف حضرت علیؑ ہی بولے کہ یا رسول اللہؐ میں اس سے لڑوں گا۔ دو دفعہ تو حضرتؐ نے

فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ مگر تیسری مرتبہ حضرت بولے کہ اے علیؑ یہ عمرو ابن عبدود ہے۔ حضرت نے عرض کی کچھ پرواہ نہیں۔ میں بھی تو علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ پس آنحضرت نے اپنی تلوار یعنی ذوالفقار علیؑ کی کمر سے باندھی، اپنی زرہ پہنائی۔ عمامہ اپنا ان کے سر پہ رکھا اور دعا کی۔ یا الٰہا۔ عبیدہ جنگ بدر میں مجھ سے جدا ہوئے۔ حمزہ احد میں مارے گئے۔ صرف ایک علیؑ رہ گئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ الغرض علیؑ پیدل میدان میں آئے۔ عمرو ابن عبدود سے مقابلہ ہوا۔ عمرو کی تلوار علیؑ کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو کا سر کٹ کر قدم پہ جا کر گرا۔ مسلمانوں کو اس لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دست بدعا تھا۔ دونوں میں سخت گتھم گتھا ہوئی۔ دونوں گرد کے بادلوں میں چھپ گئے۔ گرد میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی لیکن حضرت علیؑ کی تکبیر سنکر مسلمانوں نے کہا، وہ مارا۔ عمرو مارا گیا تو پھر بقیہ کفار سے لڑائی ہوئی۔ طرفین سے چند آدمی مارے گئے۔ سعد بن معاذ سخت زخمی ہوئے۔ آخر وہ کفار جو خندق پھاند کر آئے تھے بھاگے۔ بھاگتے ہوئے نوفل کا گھوڑا خندق نہ پھاند سکا اور خندق میں جا گرا۔ علی مرتضیٰؑ نے خندق میں کود کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر دشمنوں کا تعاقب کیا گیا۔ عکرمہ علیؑ کے ہاتھ سے زخمی ہوا۔ ضرار بن خطاب ابن مرداس فہری حضرت علیؑ کی صورت دیکھتے ہی بھاگا۔ حضرت عمرؓ نے بھاگتا دیکھ کر پیچھا کیا، وہ پلٹ پڑا اور نیزے کا وار کرنا چاہا۔ پھر یہ کہہ کر کہ اگر میں نے عہد نہ کیا ہوتا کہ کسی قریشی کو نہ ماروں گا تو قتل کر ڈالتا، رک گیا اور سر پہ چھوا کر کہا، یہ نعمت مشکورہ ہے کہ میں نے تم پر ثابت کی۔ جاؤ یاد رکھنا۔ احسان نہ بھولنا (روضۃ الاحباب، ازالۃ الخفا، خمیس وغیرہ)

عمرو کو مار کر حضرت علیؑ نے اس کی زرہ جو نہایت قیمتی تھی نہ اتاری اور اس کا

سر لا کر آنحضرتؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس وقت حضرتؐ نے فرمایا "ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین" (علیؑ کی ضرب جنگِ خندق میں جو عمرو کے سر پہ پڑی عبادتِ دوجہان سے بہتر ہے) ابن اثیر نے علی مرتضیٰؑ اور عمرو ابن عبدود کی لڑائی کو اس طرح بیان کیا ہے۔ عمرو جنگِ خندق کے دن عَلم لیے ہوئے اپنا مرتبہ دکھلانے کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ نکلا۔ جب وہ اور اس کے ہمراہی میدان میں آ کھڑے ہوئے تو پکار کر کہنے لگا۔ کون شخص میرے مقابلہ کو نکلے گا؟ یہ سنکر علی مرتضیٰؑ میدان میں آئے۔ عمرو نے دیکھ کر کہا، تم ابھی کمسن ہو۔ اس قابل نہیں کہ مردانِ جنگ کے سامنے آؤ۔ اُلٹے پھر جاؤ۔ ابوبکر یا عمر کیوں نہیں آتے جو تم سے بڑے ہیں (روضۃ الصفا) حضرت علیؑ نے کہا، مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں۔ میں ابھی دم بھر میں تیرا غرور سر سے نکالے دیتا ہوں۔ پھر فرمایا، میں نے سنا ہے کہ تو نے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر قریش کا کوئی آدمی دو باتوں میں سے کسی ایک کی درخواست کرے تو میں ضرور مان لوں گا۔ عمرو نے کہا بے شک میرا یہی عہد ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا، میں تجھے خدا اور اس کے پیغمبر اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تب عمرو نے کہا۔ مجھے اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا، میں تجھے میدان میں اترنے کے واسطے بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا میں تمھیں قتل کرنا نہیں چاہتا (کیونکہ میری تیرے باپ سے دوستی تھی) (حبیب السیر روضۃ الاحباب۔ روضۃ الصفا) حضرت علیؑ نے فرمایا، خدا کی قسم میں تو تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ اس پہ عمرو کو جوش آیا اور گھوڑے سے اُتر کر کھڑا ہوا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور منہ زخمی کر دیا اور حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ (عمرو نے تلوار کا وار کیا۔ علیؑ نے سپر

پر ردکا مگر تلوار سپر کو کاٹ کر سر پر بیٹھی۔ اس وقت شاہِ ولایت پناہ نے ضرب ذوالفقار
سے اسکو دو ٹکڑے کر ڈالا۔ (حبیب السیر) آخر کار جب علی مرتضیٰؑ نے اس کو قتل
کر ڈالا اس کے ہمراہی شکست کھا کر خندق سے بھاگتے ہوئے نکل گئے۔ اسی طرح مسلمانوں
اور کفار میں کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور گو کہ مسلمانوں ہی کا بول بالا رہا۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ کفار
محاصرہ کیے رہے۔ اتنے میں خبر آئی کہ کفار مدینہ پر حملہ کریں گے۔ اس لیے کچھ لوگ
میدانِ جنگ سے مدینہ کی حفاظت کو بھی گئے۔ مسلمانوں کی عورتیں مدینہ کے قلعوں
میں پناہ گیر تھیں۔ خندق کی لڑائی مسلمانوں کے لیے سخت مصیبت تھی۔ اتفاقاً
اسی رات کو آندھی آئی اور وہ بھی صحرا کی طرف سے نہایت سخت سردی کے
ساتھ مینہ بھی برسا خیمے اکھڑ گئے۔ کیمپ کی آگیں بجھ گئیں۔ کفار میں شور مچ
گیا کہ محمدؐ نے جادو سے یہ طوفان برپا کیا ہے اور اب فوج لے کر حملہ کرتا
ہے۔ ان میں بڑا اضطراب اور ہلچل مچ گئی۔ ابوسفیان کا جی چھوٹ گیا۔ اپنے
اونٹ پر سوار ہوا اور بازگشت کا حکم دیا۔ کچھ رات رہے دشمن کی فوج میں
سے قریش مکہ کی طرف اور ان کے مددگار اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو
گئے۔ مسلمان یہ خبر سنکر مسرور ہوئے اور ایک طور پر اپنے کو کامیاب سمجھے اور
خوشی خوشی مدینہ واپس آئے۔

ارونگ لکھتا ہے کہ ابوسفیان نے غم و غصہ کی حالت میں آنحضرتؐ کو
لکھا اور ملامت کی کہ یہ کیا بزدلی ہے کہ کھائی کے پیچھے سے لڑے اور یہ وہ چیز ہے
کہ عرب لوگ جنگ میں اس سے واقف نہیں۔ یہ بھی لکھا کہ آیندہ کبھی بدلہ لوں گا جب
جنگِ احد کی طرح کھلے میدان میں مقابلہ ہوگا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں لکھا کہ
مرد ہے تو میدان میں آجا۔ اور پیشینگوئی کی کہ عنقریب وہ دن آتا ہے کہ قریش کے
بتوں کو پارہ پارہ کرتا ہوں۔ صاحب روضۃ الاحباب اور صاحب مدارج النبوۃ جلد۲ ۲۱۳

لکھتے ہیں کہ اس غزوہ میں خاص کر حیدرِ کرار صاحب ذوالفقار علی مرتضیٰ سے وہ مبارزت و مقاتلت واقع ہوئی کہ حدِ قیاس اور احاطۂ عقل سے باہر ہے جیسا کہ اخبار میں وارد ہوا ہے۔ لمبارزۃُ علیّ یوم الخندق افضل من اعمال امّتی الیٰ یوم القیامۃ (علیؑ بن ابی طالب کا خندق کی لڑائی میں جنگ کرنا میری امت کے اعمال نیک سے جو قیامت تک ہوں گے، بہتر ہے) ایک روایت میں، بجائے اعمالِ امتی کے عبادۃ الثقلین (جنّ و انس کی عبادت سے) واقع ہوا ہے۔ اور بعض روایات میں لمبارزۃ علی کی جگہ لضربۃ علی وارد ہوا ہے اور صاحب سیرۃ المحمدیہ اور حیوٰۃ الحیوان ناقل ہیں کہ جمہور اہلِ سیر روایت کرتے ہیں کہ جب جناب امیر عمرو بن عبدوُد کے مقابلہ کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا برز الایمان کلّہ الی الشرک کلّہ یعنی پورا پورا ایمان پورے پورے کفر کے مقابلہ کو نکلا ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان نعمت حیدر) نیز اس روایت کو حاکم نے صحیح میں، دیلمی نے فردوس میں، خوارزمی نے مناقب میں، امام فخرالدین رازی نے اربعین میں اور جمال الدین محدّث نے روضۃ الاحباب صـ۳۱۷ بڑے وثوق سے درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جناب علامہ عینی شاہ صاحب نظامی حیدرآبادی کا مضمون مندرجہ اخبار منادی دہلی ۵ و ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء جو اہلِ سنت کے نہایت مستند علما سے ہیں۔

کشف الغمّۃ میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے اس مجلس میں اٹھ کر حضرت علیؑ کے سر کو چوم لیا اور عبداللہ بن مسعود نے پڑھا کفی اللّٰہ المومنین القتال بعلیّ و کان اللّٰہ عزیزاً حکیم (منقول از تاریخ اسلام مولفہ ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم)

غزوۂ حدیبیہ ۶ھ: حضرت نے خواب میں دیکھا کہ اصحاب کے

ساتھ حج کر رہا ہوں۔ صبح کو حج کا ارادہ کیا۔ ذلیقعد کا مہینہ تھا جس میں علاقہ حرم میں دشمنوں کو بھی لڑنا منع ہے۔ کچھ تو زیارت کعبہ کا شوق، کچھ وطن جانے کی خوشی، اکثر مہاجر اور انصار بھی سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ یکم ذلیقعد کو ۱۴-۱۵ سو مسلمان آنحضرت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ستر اونٹ قربانی کے واسطے ساتھ لے گئے۔ قریش کو خبر ہوئی، وہ مزاحمت کے لیے آمادہ ہوئے۔ آنحضرت کو قریش کی مزاحمت کا حال معلوم ہوا تو مکہ سے ایک منزل پر چاہ حدیبیہ کے پاس ٹھہر گئے۔ یہاں سے ایلچیوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ قریش کا ایک ایلچی عروہ بن مسعود ثقفی جو اہل طائف کا سردار تھا آنحضرت کے پاس آکر کہنے لگا کہ اب کے سال قریش نے لڑائی کا بڑا سامان کیا ہے۔ آپ مکہ تشریف نہ لے جائیں۔ اثنائے گفتگو میں عروہ کا ہاتھ حضرت کی ڈاڑھی کو لگ گیا۔ ایک صحابی نے عروہ کے ہاتھ پر چھڑہ مار کر ہٹایا اور کہا، یہ کیا گستاخی ہے؟ علاوہ اس کے عروہ کو بڑا تعجب ہوا جب اس نے دیکھا کہ اصحاب آنحضرت کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی بھی اتنی تعظیم ان کی رعیت نہیں کرتی۔ بروایت آبرونگ جب آپ وضو کرتے تو آب وضو کو اصحاب متبرک کر لیتے۔ تھوکتے تو تھوک اٹھا لیتے۔ کوئی بال جھڑ جاتا یا ناخن کترا جاتا تو تبرک سمجھ کر اٹھا لیتے۔ عروہ نے کمال حیرت کے ساتھ قریش میں واپس آکر یہ حال بیان کیا۔

بروایت ابن اثیر روضۃ الاحباب اور حبیب السیر عروہ کی واپسی کے بعد آنحضرت نے حضرت عمر کو بلا کر کہا کہ تم قریش سے جا کر کہو کہ رسول اللہ تم سے لڑنے کو نہیں آئے بلکہ صرف حج کے ارادے سے آئے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ قریش میرے دشمن ہیں مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ وہاں میرا کوئی حمایتی نہیں۔ اگر عثمان کو بھیجیے تو بہتر ہوگا کیونکہ قریش ان کو عزیز رکھتے ہیں۔ پس

حضرت عثمان کو شرفائے قریش کے پاس روانہ کیا گیا۔ قریش نے عثمان کی بڑی خاطرداری کی کیونکہ آپ ابوسفیان کے رشتہ کے بھتیجے بنی امیہ سے ہی تھے۔ اور کہا اے عثمان اگر تیرا ارادہ حج کرنے کا ہے تو بیشک طواف کر جا۔ حضرت عثمان نے کہا میں بغیر رسول اللہؐ کے کس طرح طواف کروں۔ قریش نے خفا ہو کر ان کو گرفتار کر لیا۔

بروایت ابن اثیر ایک کیکر کے درخت کے نیچے تمام صحابہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہم اپنی جان دے دیں گے، کفار کو ماریں گے خود مر جائیں گے مگر اس مقام سے ہرگز نہ ٹلیں گے۔ اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ جابر نے کہا ہے کہ یہ بیعت ہم نے اس لیے کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں اور کبھی لڑائی سے منہ نہ موڑیں گے۔ اس بیعت کے کرنے والے اصحاب شجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی تعداد طبری نے ۱۴سو یا ۱۵۲۵ لکھی ہے۔ حبیب السیر نے ۱۴سو ہی کی روایت نقل کی ہے۔ الغرض جب صحابہ مرنے پر تیار ہو گئے تو قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کی غرض سے حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں بھیجا اور عثمان کو بھی رہا کر کے سہیل کے ساتھ بھیج دیا۔ حضرتؐ نے ان کی شرائط کو مان کر صلح کر لی۔ حضرت عمر اس پر بہت بگڑے۔ عرض کی یا رسول اللہؐ یا تو آپ خدا کے رسول نہیں ہیں یا ہم لوگ مسلمان نہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا، کس طرح۔ عمر نے کہا آپ دین اسلام کی کیوں عزت کھوتے ہیں۔ ان لوگوں سے لڑنا ہی مناسب ہے۔ حضرت نے فرمایا، میں ایک خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ مجھ کو تباہ اور ضائع نہ کرے گا۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۹۹

قال رسول اللہ یا عمر قد رضیتُ و تابی انت یعنی صلحنامہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے عمر سے فرمایا، عمر میں بہ تحقیق راضی ہوں اس پر اور تم انکار کرتے ہو۔ نیز بخاری جلد ۲ صفحہ ۱ باب الشرائط بجہاد والمصالحۃ مع اہل عرب۔ قال

عمر ابن الخطاب فاتیت النبی فقلت الست نبی اللہ حقاً قال بلی قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذن قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری۔ یعنی حضرت عمر خود بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا ہاں میں سچا نبی ہوں۔ پھر میں نے کہا کیا ہم مسلمان حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن جھوٹ پر؟ آپؐ نے فرمایا ہاں اسی طرح ہے۔ پھر میں نے کہا تو پھر ہم اپنے دین کی اتنی کمزوری کیوں دکھا رہے ہیں؟ (اتنے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار سے صلح کر رہے ہیں) رسول اللہؐ نے فرمایا، میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا دیگر روایتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے یہ بھی عرض کی، کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ مکہ فتح ہو جائے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا سچ ہے۔ مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال فتح ہوگا۔ یہ صلح حدیبیہ بھی خدا کے حکم اور مرضی کے مطابق کی جا رہی ہے۔ اس پر بھی حضرت عمر کی تسلی نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کیا یہ خدا کے سچے نبی نہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ سچے ہیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے ذیل میں درج ہے۔ خود حضرت عمر کا بیان ہے۔ قال عمر لقد دخلنی امر عظیم وراجعت النبی مراجعۃ ما راجعتہ مثلھا قط قال الراوی فرجع عمر متغیظاً فلم یصبر حتی جاء ابا بکر الخ حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بہت بڑا خدشہ پیدا ہوا۔ میں نے بار بار نبیؐ سے دریافت کیا اور اس قدر تکرار کیا کہ اس سے پہلے کبھی میں نے رسول اللہؐ سے ایسا تکرار نہیں کیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بھی حضرت عمر کی تسلی نہ ہوئی اور صبر نہ ہو سکا۔ غیظ و غصہ میں بھرے ہوئے حضرت

ابوبکر کے پاس پہنچے اور یہی کہا، کیا یہ نبی اللہ کے سچے نبی نہیں؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ سچے نبی ہیں۔ نیز مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷۔

حضرت عمر کا یہ قول ماشککت اسلمت الا لیو مئذٍ

اسلام لانے کے بعد سے مجھے کبھی ایسا شک نہیں ہوا جیسا کہ اس روز۔ تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی جلد ۶ صفحہ ۷۹۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲۶ صفحہ ۵۰ زادالمعاد نظامی جلد ۱ صفحہ ۳۷۶۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ معالم التنزیل بغوی جلد ۴ صفحہ ۷۹ و ۸۰۔

الغرض حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا، یا علیؑ ایک صلحنامہ تحریر کر دو۔ اس طور پر کہ اول میں اس کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ سہیل نے کہا ہم یہ نہیں جانتے۔ بسمک اللھم لکھو جو قریش لکھا کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، خیر یونہی لکھ دو۔ جب یہ لکھ چکے تو فرمایا، اے علیؑ اب لکھو یہ صلحنامہ ہے جو محمد رسول اللہؐ نے قریش سے کیا۔ سہیل نے کہا کیا خوب۔ اگر ہم آپ کو رسول جانتے تو آپ سے لڑتے ہی کیوں۔ آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے۔ حضرتؐ نے یہ بھی منظور کیا (ابوالفدا) اور بروایت صاحب تذکرۃ الکرام اور حبیب السیر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہؐ کو محو کر کے محمدؐ بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؑ نے بفرط ادب فرمایا کہ یہ کام ہم سے نہیں ہو سکتا کہ وصف رسالت کو محو کر دیں (عبدالحق محدث دہلوی جلد ۲ مدارج النبوۃ صفحہ ۲۲۳۔ میں لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر علیؑ اپنا ہاتھ قبضۂ شمشیر پر لے گئے انکار کرنا حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہؐ محو کرنے سے بلحاظ ترک حکم نہ تھا بلکہ عین مستلزم حکم برداری اور ادب ہے۔ اور غایت عشق و محبت رسولؐ پر مبنی تھا) اس پر حضورؐ نے خود محو کر دیا اور اس کی جگہ محمدؐ بن عبداللہ لکھوا دیا۔ معارج النبوۃ شواہد النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ تاریخ خمیس۔ تاریخ کامل۔ حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، اے علیؑ تم کو بھی ایک زمانہ میں یہی دن

پیش آنے والا ہے (چنانچہ جنگِ صفین کے بعد صلحنامہ لکھا گیا کہ یہ عہدنامہ ہے امیرالمومنین علیؑ کا معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ۔ تو معاویہ کی طرف سے عمرو عاص نے کہا کہ لفظ امیرالمومنین کو محو کردو اور اس کے بدلے علیؑ بن ابی طالب لکھو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا سچ کہا تھا رسول اللہؐ نے اور عمرو عاص کے کہنے کی بموجب منظور کیا)

صلح نامہ حدیبیہ کے تحریر ہونے کے بعد ابوسفیان نے بہت بغلیں بجائیں اور قریش کے مجمع میں کہا، اب ہم نے محمدؐ کو دبا لیا ہے۔ عنقریب ہم ان کی تمام قوت کو توڑ دیں گے لیکن اس کی یہ مراد پوری نہ ہوئی بلکہ اس کے برخلاف خدا نے اس کی ہی ناک رگڑ وادی جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آتا ہے۔

قریش مکہ سے یہ صلحنامہ طے ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا لیکن حضرت عمر کی ناراضی و ناپسندیگی اور اظہارِ شک کی وجہ سے اس صلحنامہ کے متعلق اور لوگوں میں بھی کچھ بے دلی و ناراضی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لیے لوگوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنے میں دیر و درنگ اور پہلوتہی کی تو آنحضرتؐ غضبناک و ناراض ہو کر جناب ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے اور ان سے مسلمانوں کی اس حرکت کے متعلق شکایت فرمائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ آپ باہر تشریف لے جا کر خود قربانی فرما دیں اور سرِ اقدس منڈوالیں۔ پھر یہ سب حضورؐ کے اتباع میں قربانی بھی کرلیں گے اور سر بھی منڈالیں گے۔ ابنِ خلدون جلد ۲ ص ۳۵۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ: حضرت رسولِ خداؐ کے مدینہ میں پہنچنے کے بعد دینِ الٰہی نے ترقی کی۔ اسلام کا زور ہوا۔ جوق جوق لوگ آکر دینِ خدا میں داخل ہونے لگے۔ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ

اَفْوَاجاً۔ مسلمان روز بروز طاقت و قوت پکڑتے جاتے تھے۔ بدر و اُحد کی لڑائیوں میں بھی قریش مکہ شکست کھا کر بھاگ چکے تھے مگر پھر بھی مکہ معظمہ ابھی کفر کا گھر بنا ہوا تھا۔ خانہ کعبہ میں ابھی بتوں کا دور دورا ہے۔ بیت اللہ بیت الصنم بن رہا ہے۔ خدا کا حبیب مناسب وقت کو تلاش کر رہا تھا تاکہ حرمتِ کعبہ بھی قائم رہے اور مکہ معظمہ بلا جنگ و جدل فتح ہو کر بتوں سے پاک ہو جائے۔ اسلام کا پھریرا، توحیدِ الٰہی کا جھنڈا بغیر فساد و خونریزی کے خانۂ الٰہی پر لہرائے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ کی پُراثر صدا کعبہ کی چھت سے بلند ہو کر حجاز کی پہاڑیوں میں سے گونجے اور چار دانگِ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا دے۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا کہ ابراہیم خلیل اللہ کا وارث بیت اللہ کا مالک، توحیدِ اسلام کا مبلغ، دینِ الٰہی کا بانی، حبیبِ رب العالمین اپنے محبوب کے گھر کی عظمت و وقار کو قائم رکھتا ہوا بلا قتل و غارت مکہ معظمہ اور حرمِ خدا میں داخل ہوتا ہے۔

اسلام کی فوج ظفر موج دس ہزار مسلمانوں کا لشکرِ جرار مکہ کی طرف بڑھتا ہے اور مکہ کے قریب پہنچکر لشکرِ نبوی کا پڑاؤ ہوتا ہے۔ سرورِ عالم کے حکم سے الگ الگ ہر ایک رسالہ نے فوج کے کیمپوں میں آگ روشن کر دی ہے جس سے مکہ کا جنگل وادئ ایمن بن گیا ہے۔ سردارانِ قریش مشرکین مکہ ابوسفیان وغیرہ پہلے ہی شکستیں کھا کر دل ہار چکے تھے۔ اسلامی لشکر کے اس ہیبتناک نظارہ کو دیکھ کر جو سمندر کی طرح لہریں مار رہا تھا اور کوکبۂ نبوی کو دیکھ کر جو چاند کی طرح توحیدِ الٰہی کا نور برسا رہا تھا، اور بھی خائف ہو گئے۔ ابوسفیان، حضرت عباس کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بظاہر اسلام کا اقرار کیا (تفصیل کے لیے دیکھو مدارج النبوۃ حبیب السیر وغیرہ) اب لشکرِ اسلام سمندر کی طرح موجیں مارتا اسلامی پھریرے اڑاتا

توحیدِ خدا کے ڈنکے بجاتا تکبیر کے نعرے لگاتا مع شہنشاہِ دو عالم سرورِ کونین خُلقِ مجسم رحمت اللعالمین صلعم کے مکہ معظمہ میں داخل ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات خُلقِ محمدی کے پھول برساتے ہوئے عفو و بخشش کے فرمان جاری کرتے ہوئے، مروّت و احسان کا حکم سناتے ہوئے خانۂ محبوب کی طرف جاتے ہیں اور عظمتِ خانہ کعبہ اور اپنے عہد کو برقرار رکھتے ہوئے یہ اعلان فرماتے ہیں کہ جو شخص بیت اللہ میں پناہ لے یا خانۂ ابوسفیان میں داخل ہو جائے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے یا ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے۔ یہ ہے رحمِ محمدی۔ یہ ہے خُلقِ نبوی۔ دیکھو تاجدارِ رسالت نے یہ رعایت اس ابوسفیان کے ساتھ ملحوظ رکھی ہے جو اسلام کا سب سے زیادہ دشمن، رسولِ خدا صلعم کے خون کا پیاسا اور بقول مولانا شبلی وہ شخص تھا کہ اس کے گزشتہ اعمال کی ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعویدار تھی۔ اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائلِ عرب کا اشتعال، آنحضرت ص کے خفیہ قتل کی سازش۔ غرض ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی۔ (سیرت النبی صفحہ ۳۷۶) ایسے شخص کو امان دینا بلکہ اس کے گھر میں داخل ہونے والے کو بھی امان بخشنا اسی رسول ص کا کام تھا (مگر افسوس اس احسانِ محمدی کا بدلہ ابوسفیان کے پوتے یزید نے رسولِ عربی ص کے جان و جگر حسین ع کو اسی مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ کے اندر اس طرح دیا کہ ان کے قتل کا عین خانۂ کعبہ میں حکم صادر کیا اور مکہ میں ان کے رہنے کو ممنوع قرار دیا)

الغرض ہر ایک قبیلہ کا سردار اور ہر فوج کے افسر کو حکم دیا گیا کہ کوئی تلوار نہ چلائے، کسی کو قتل نہ کرے، کسی کا گھر نہ لوٹے۔ حضرت عباس، رسول اللہ سے ایما سے ابوسفیان کو لیے ہوئے ایک ٹیلے پر پہنچے اور اسلامی شان کا منظاہرہ کرایا۔ مسلمانوں کا ٹڈی دَل دیکھ کر ابوسفیان کے چھکّے چھوٹ گئے۔ دیکھا کہ رسالہ پر رسالہ

اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں اسلامی تنظیم کے مطابق بڑھ رہا ہے۔ علموں سے پھریرے ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔ اللہ اکبر کی صدائیں آ رہی ہیں۔ ابوسفیان ہر افسر کو عباس سے پوچھتا جاتا تھا اور شوکتِ اسلام سے حد درجہ خائف و ترساں بنا ہوا تھا۔

سعد بن عبادہ لشکرِ انصار کے سردار جب قبیلۂ انصار کا لشکرِ جرار لے کر اس طرف سے گزرے تو ان کی نظر ابوسفیان پر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ للکار کر کہا، الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبہ۔ آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ کو حلال کر دیا جائے گا۔ اس آواز سے ابوسفیان کے ہوش جاتے رہے۔ حیرت سے ایک ایک کا منہ کھڑا تک رہا تھا کہ سب سے آخر میں پرچم محمدی کو کبۂ نبوی آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نظر آیا۔ آسمان سے نور کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔ رحمت و برکت کی بارش ہو رہی تھی۔ مکّہ رشک دہِ طورِ سینا تھا۔ ہر طرف جلالِ ایزدی کا جلوہ تھا۔ ابوسفیان نے شانِ محمدی کو دیکھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ حضور نے سنا کہ سعد بن عبادہ ابھی کیا کہتے ہوئے گزرے ہیں؛ حضرتؐ نے فرمایا، نہیں نہیں۔ ابنِ عبادہ نے جو کچھ کہا غلط ہے۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا دن ہے اور حکم دیا کہ عَلَم کو سعد سے لے لیا جائے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سعد کے بیٹے قیس کو وہ عَلَم دلوایا گیا۔ (حبیب السیر۔ مدارج النبوۃ۔ سیرۃ النبی) غرض کہ برابر بارگاہِ رسالت سے یہی تاکید اور فہمائش رہی کہ کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ کوئی تلوار نہ چلائی جائے۔ چنانچہ خالد بن ولید (جو اس سے پہلے مسلمان ہو چکا تھا) کا دستۂ فوج جب داخل ہوا اور ان کی مڈبھیڑ قریش سے ہوئی اور تلوار چل گئی تو رسول اللہؐ نے یہ سنکر اظہارِ ناراضی فرمایا اور فوراً حکم دیا کہ تلوارکشی کو روک دیا

جاتے۔ مکہ میں داخل ہوئے۔ مکہ اور اہلِ مکہ آج سب تاجدارِ نبوت کے زیرِ حکم تھے۔ حضور سرورِ عالم سب کی جان و مال کے مالک تھے۔ جس طرح چاہتے ان سے سلوک فرماتے۔ مگر قربان رحم و عفوِ نبوی کے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا تثریب علیکم الیوم وانتم طلقاء۔ میں نے اپنے قصور تم کو معاف کیے اور تم کو آزاد کر دیا۔" اس بخششِ محمدی اور عفوِ نبوی کا یہ اثر ہوا کہ جوق جوق لوگ آتے تھے۔ بیعت کرتے تھے اور مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ اللہ اللہ عجب وقت ہوگا اور عجیب نظارہ ہوگا۔ جب رسولِ عربیؐ مدینہ کا والی مکہ کا وارث خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیمؑ کی طرح ایک ایک بُت کو توڑتے اور جاء الحق وزھق الباطل کے نعرے مارتے جاتے ہوں گے۔

قریش نے خانہ کعبہ کی چھت پر بہت سے بت لگا رکھے تھے جن میں ہُبَل سب سے بڑا تھا۔ جس کو جنگِ اُحد کے موقع پر ابوسفیان اٹھا کر لشکرِ کفار کے سامنے اپنی حمایت اور کفارِ مکہ کو جوش دلانے کے لیے لے گیا تھا۔ یہ بھی کعبہ کی چھت پر ہی رکھا ہوا تھا۔ حضرتؐ نے اپنے بھائی نفسِ رسول زوجِ بتولؑ۔ یا علیؑ انتَ منّی و انا منک کے مصداق علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنے دوش مبارک پر چڑھا کر اور

علیؑ بر دوشِ احمدؐ چشمِ بد دور
عیاں شد معنیٔ نورٌ علیٰ نور

کا جلوہ دکھا کر اس بڑے بُت ہبل اور دوسرے بتوں کو دستِ یداللّٰہی سے ٹکڑے ٹکڑے کرا کر نیچے گروا دیا اور اس خانۂ توحید کو شرک و کفر سے پاک و صاف بنا دیا (مدارج النبوۃ۔ حبیب السیر) حضرت بلالؓ مؤذّنِ رسولؐ نے حکمِ نبوی سے اسی خانۂ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ اللہ اللہ جہاں دن رات لات و منات و

ہبل کی مدح کے راگ گائے جاتے تھے آج وہاں سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔

جناب عم بزرگوار حضرت وزیر الدولہ بہادر مرحوم و مغفور اس واقعہ کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں :- "اب چند بُت کعبہ کی دیواروں پر باقی رہ گئے تھے جہاں ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پس جناب علی مرتضیٰؑ نے عرض کیا کہ میرے کاندھے پر پائے مبارک رکھ کر ان کو بھی توڑ ڈالیے۔ مگر آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم میرے کاندھے پر چڑھ کر ان کو توڑ دو جس سے ظاہر مقصود یہ تھا کہ جناب موصوف کا خلیفہ و وزیر اور شریک فی الامر ہونا ہر کسی کو معلوم ہو جائے۔ بس وہ صاحبِ ولایت کبریٰ جو محمد رسول اللہؐ کے ساتھ وہی نسبت رکھتا تھا جو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ حضرت ہارونؑ کو تھی۔ بخاری اور مسلم نے بالاتفاق سعد بن ابی وقاص کی سند پر روایت کی ہے۔ کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو فرمایا انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الّا انہ لا نبی بعدی۔ یعنی "تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں" یعنی نبوت کے سوا تمام کمالاتِ روحانی جیسے مجھ کو حاصل ہیں ویسے ہی تم کو بھی حاصل ہیں اور جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے ساتھ خدا کے حکم کی بجا آوری میں شریک تھے ویسے ہی تم میرے ساتھ شریک ہو۔ وکفیٰ ھذا لک فضلاً"۔
(اعجاز التنزیل ص۱۵۱)

الغرض اس قبلۂ انام کے دوشِ مبارک پر پاؤں رکھ کر کعبہ پر چڑھ گیا اور بتوں کو زمین پر پٹک کر اس مشکل خدمت کو پورا کیا۔ جس کی بجا آوری کا وعدہ کوہِ صفا کی دعوت کے موقع پر کیا تھا (یعنی دعوتِ ذوالعشیرہ کا واقعہ)
(حاشیہ اعجاز التنزیل)

اب جب کہ اسلامِ محمدی، دینِ نبوی کی دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ آفتابِ رسالت کی بڑھتی ہوئی نورانی شعاعوں نے بنی امیہ، قریشِ مکہ کی کفر و ضلالت کی کالی گھٹاؤں کو پھاڑ دیا۔ ابوسفیان کے قوتِ بازو، عزیز رشتہ دار کفارِ قریش کے بڑے بڑے نامی سردار حضرت سید الشہداء امیر حمزہ کی تلوار شرربار اور نفسِ رسولؐ شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰؑ کی ذوالفقار شعلہ بار سے خاک سیاہ ہوکر دنیا سے اٹھ گئے۔ اب فتح مکہ کے بعد امیر ابوسفیان کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو ان کو اور ان کی بیوی اولاد عشیرہ قبیلہ کے لوگوں کو طوعاً کرہاً اسلام الٰہی دینِ محمدؐ کا بظاہر اقرار کرنا پڑا کیونکہ بلا اقرار اسلام بظاہر شرک و کفر کی حالت میں رہ کر احکامِ اسلامی کی زد سے بچ نہیں سکتے تھے۔ گو اسلام کا اقرار کر لینے اور مسلمان ہو جانے پر اسلام سے مخالفت اور حسد و عناد کے شعلے ٹھنڈے پڑ گئے لیکن نفاق کی راکھ میں چھپی ہوئی (دینِ محمدی، اسلام الٰہی بنی ہاشم سے عموماً اور آلِ محمدؐ سے خصوصاً) بغض و عداوت اور حسد و عناد کی چنگاریاں سلگتی رہیں اور آلِ محمدؐ سے دشمنی و حسد کا ناپاک دھواں ان کے سینوں سے اٹھتا ہی رہا۔

روزِ فتح مکہ ابوسفیان اور ہندہ بنتِ عتبہ (مادرِ امیر معاویہ) کے اسلام لانے اور بیعت کرنے کی جو کیفیت و صورت مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد اول کے صفحہ ۴۷۶، ۴۷۷ اور صفحہ ۴۸۲ و ۴۸۱ پر درج فرمائی ہے ہم بھی اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لیے بجنسہٖ درج ذیل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شبلی صاحب لکھتے ہیں:۔

"صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ہی ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے :۔

رسول اللہ: "کیوں ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟"

ابوسفیان: "کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔"

رسول اللہ: "کیا اس میں کچھ شک ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟"

ابوسفیان: "اس میں تو ذرا شبہ ہے۔"

بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا۔ سیرۃ النبی صفحہ ۴۷۶۔

پھر بعد فتح مکہ عورتوں کے مسلمان ہونے اور بیعت کرنے کے ذکر میں درج کرتے ہیں:۔

"ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کرکے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔ شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اس نے نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں:۔

ہند: یارسول اللہ، آپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں؟

رسول اللہ: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند: یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہرحال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ: چوری نہ کرنا۔

ہند: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند: ربّناھم صغاراً وقتلتھم کباراً فانت وھم اعلم یعنی ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان

کو مار ڈالا۔ اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔ (سیرۃ النبی صلعم ۸۲-۳۸۱)

علامہ شعبی ہند بنت عتبہ کے اسلام لانے اور بیعت کرنے کو اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ قال شعبی قد اشار رسول اللہ الیٰ ھند یوم فتح مکہ لبشیٔ من ھذا فانھا لما جاءتھا لتبایعہ فقالت علیٰ ما ابایعك فقال ان لا تزنین فقالت ھل تزنی الحرۃ فعرفھا رسول اللہ الیٰ عمر فتبسم۔ یعنی شعبی کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے دن بعض ایسی ہی چیزوں کا اشارہ کیا تھا جبکہ ہند حضرتؐ کی خدمت میں بیعت کے لیے آئی تھی۔ ہند نے کہا کس چیز پر آپ کی بیعت کروں۔ آپ نے فرمایا: اس امر پر کہ زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا، کیا آزاد عورتیں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ سن کر رسول اللہؐ نے اس کو پہچانا اور حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔" (رسالہ معاویہ صفحہ، دائرۃ الاصلاح لاہور) تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی۔

غزوۂ حنین شوال ۸ھ:

جب فتح مکہ کی خبر اطراف عرب میں پھیلی تو بنی ہوازن، بنی ثقیف، بنی جشم، بنی سعد اور دیگر صحرائی قوموں نے آنحضرتؐ کے لڑنے کے واسطے آپس میں اتحاد کیا۔ یہ بنی سعد وہی ہیں جن کے پاس آنحضرتؐ کا بچپن حلیمہ سعدیہ کے ساتھ گزرا تھا اور بنی ثقیف وہی ہیں جنھوں نے طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ بدسلوکی کی تھی اور پتھر برسائے تھے۔ اس اجتماع کو سنکر آنحضرتؐ بھی بارہ ہزار یا بروایتے سولہ ہزار فوج لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ان میں دس ہزار مہاجر و انصار تھے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔ حسب معمول اس جنگ میں بھی حضرت علیؑ علمدار تھے اور دو ہزار باشندگان مکہ تھے جن میں سے بعض ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ کافر بھی ہمراہ تھا۔ اس

سے ایک سو زِرہ حضرت نے اس جنگ میں عاریت لی تھی۔ تاریخ خمیس میں ہے کہ اسی مشرکین آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ ۶ شوال کو آنحضرتؐ مکہ سے باہر آئے۔ مسلمان وادیٔ حنین تک پہنچے تھے۔ غنیم کی فوج پہلے ہی آ موجود ہوئی۔ وہ جابجا پہاڑ کے دروں میں چھپ گئے تھے۔ مسلمان اس سے واقف نہ تھے۔ صبح کو راستے کی تنگی کی وجہ سے متفرق ہو کر آگے بڑھے۔ اس متفرق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فتح مکہ سے اور اپنی تعداد کی زیادتی سے مسلمانوں کے دلوں میں کچھ نخوت بھی آ گئی تھی۔ چنانچہ روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب اور تاریخ خمیس اور حبیب السیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے مسلمانوں کا یہ شاندار لشکر دیکھ کر کہا تھا کہ آج ہم کمی لشکر کے سبب سے شکست نہ پائیں گے۔ اس نخوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے آگے بڑھتے ہی دشمن کمین گاہ سے نکل پڑے اور ایسے نکلے کہ مسلمان حیران رہ گئے۔ مارے تیروں، پتھروں اور نیزوں کے بوکھلا گئے اور راہِ فرار اختیار کی۔ سب سے پہلے خالد بن ولید جو سیف اللہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں بھاگے۔ اس کے بعد کفار قریش کہ قریب العہد بجاہلیت تھے، بعد ازاں باقی اصحاب مہاجر و انصار نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمر بھی قدم نہ جما سکے۔ بہت سے مسلمان مارے گئے۔ کئی زخمی ہوئے۔ حضرتؐ نے بہت پکارا کہ اے اصحابِ بیعت الرضوان تم اپنے رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو مگر ایک نہ سنی۔ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ نفسی نفسی کی پڑی ہوئی تھی اس طرح مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

اس موقع پر کفارِ مکہ اور منافقین کے بغض و کینے خوب ظاہر ہو گئے۔ ابوسفیان بن حرب جو فتح مکہ کے موقع پر ظاہر میں مسلمان ہو چکا تھا اپنے ترکش کو تیروں سے بھرے ہوئے مستعد کھڑا تھا اور ہنس ہنس کر کہتا تھا، ابھی کیا ہے

یہ مسلمان تو سمندر تک بھاگیں گے۔ صفوان بن امیہ کے بھائی کلدہ نے بھی پکار کر کہا کہ اب محمدؐ کے جادو کا اثر جاتا رہا (عسقلانی۔ شرح بخاری جلد ۶ صفحہ ۴۲۔ معارف ابن قتیبہ صفحہ ۵۴۔ روضۃ المناظر برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۱۵۱ تاریخ ابوالفدا صفحہ ۱۵۱) حبیب السیر میں ہے کہ جب سب مسلمان بھاگ گئے تو آنحضرتؐ نے ناچار ہو کر اپنا خچر لڑنے کے لیے آگے بڑھایا۔ مگر عباس نے لگام تھام لی اور لڑنے سے روکا۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ آنحضرتؐ کے حکم سے مفرور مسلمانوں کو للکار کر کہا۔ اے گروہِ انصار، اے اصحاب الشجرہ اے اصحاب سورۂ بقر کہاں جاتے ہو؟ یہ آواز سن کر مسلمان جمع ہونے لگے اس اثنا میں دشمن بلندی سے اتر آئے تھے۔ میدان میں خوب جنگ ہوئی اس لڑائی میں ستر کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ حبیب السیر اور سیرت ابن ہشام میں ہے کہ منجملہ ستر مقتول کفار کے چالیس حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مواہب لدنیہ۔ تاریخ خمیس اور فتح الباری میں ہے کہ صرف حضرت علیؑ، عباس، ابوسفیان بن حارث، عبداللہ بن مسعود یہ چار شخص اس جنگ میں ثابت قدم رہے اور آنحضرتؐ کو دشمن کی زد سے بچاتے رہے۔

باوجود یکہ ابوسفیان اور اس کے بیٹے معاویہ اور یزید وغیرہ نے مسلمانوں کا سخت مضحکہ اڑایا تھا اور کسی طرح کی مدد حضرتؐ کو نہ دی تھی مگر اس پر بھی حضرتؐ نے محض ان لوگوں کی تالیفِ قلب کے لیے غنیمتِ حنین میں سے حصہ دیا۔ چنانچہ ابوسفیان اور اس کے بیٹوں یزید و معاویہ تینوں میں سے ہر ایک کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

جب رحمۃ للعالمین رسول اللہؐ کے اس بخشش و عطیہ سے تین سو اونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ چاندی ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹوں

معاویہ و یزید کو ملی تو ان کی باچھیں کھل گئیں اور کہنے لگے یا رسول اللہ آپ تو جنگ و صلح دونوں حالتوں میں صاحب کرم ہیں۔ (تمدن اسلام جرجی زیدان عیسائی مورخ صفحہ ۵۴ و ۵۵۔ حالات مؤلفۃ القلوب)

اور جب انصار میں اس عطیہ کے متعلق کچھ ناخوشی پیدا ہوئی اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو آنحضرت اس عطیہ کی مصلحت اور اس تالیف قلوب کی لم اور ان بنی امیہ ابوسفیان و معاویہ و یزید فرزندان ابوسفیان کے قریب بکفر ہونے کو ظاہر فرما دیا۔ دیکھو صحیح بخاری شرح القاری جلد ۸ صفحہ ۱۵۸۔ ۱۵۹ و ۱۶۰ اور شرح عسقلانی جلد ۶ صفحہ ۳۵ و ۳۴۴۔

رسول اللہ نے انصار سے فرمایا۔ انی اعطی رجالاً حدث الکفر تالفھم میں نے ان لوگوں کو جو قریب بکفر ہیں ان کی تالیف قلوب کے لیے ان کو یہ عطا کیا ہے (یہ لوگ دولت دنیا کے حریص اور مال کے لالچی ہیں) کیا اے انصار تم اس امر سے راضی اور خوش نہیں ہو کہ تم لوگ تو اپنے نبی کے ساتھ رحمت الٰہی میں گھروں کو واپس ہو اور یہ لوگ جو قریب بکفر ہیں دنیا کا مال و دولت بھیڑ بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں۔ شارح القاری نے اسی ضمن میں یہ بھی لکھا ہے، کہ یہ مؤلفۃ القلوب وہ تازہ مسلمان ہیں جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ ابوسفیان و معاویہ وغیرہ (روضۃ المناظر صفحہ ۱۵۲۔ تاریخ ابوالفداء صفحہ ۱۵۵)

اب ہم عہد رسالت کے ان واقعات کو ختم کر کے جن کا تعلق بنی امیہ یا ابوسفیان سے تھا دوسرے ابواب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

باب دوم

مناقب اہلبیتؑ و فضائل امیرالمؤمنین علی علیہ السلام

عہدِ رسالت میں بنی امیہ کے مختصر حالات سلسلہ وار ذکر کرنے کے بعد اب ہم حضرات اہل بیتؑ کے فضائل و مناقب پر مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایسی برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ بنی امیہ نے کیا کیا بدسلوکیاں کیں نیز یہ کہ بنی امیہ نے ہوا و ہوس کا غلام اور بدنفسی کا شکار ہو کر دینِ اسلام کو کیسا تباہ و برباد کیا۔

تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ کا گھر وہ گھر تھا جس کے رہنے والے اہل بیت النبوّۃ کہلاتے تھے اور رسولِ خداؐ کی طرح ہر عیب، ہر رجس اور ہر نجاست سے پاک و پاکیزہ۔ آیۂ تطہیر انہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ یہی لوگ برجِ رسالت و امامت کے وہ روشن ستارے تھے جو اہلِ زمین کے لیے باعثِ امن قرار دیے گئے تھے۔ یہی معصوم و مقدس ہستیاں نجاتِ آخرت کے لیے کشتیٔ نوح کی مثل بتائی گئیں (ینابیع المودۃ صـ۱۲۷ - ۱۲۸، ارجح المطالب صـ۳۲۹ مشکوٰۃ صـ۵۶۵، صواعق محرقہ صـ۹۱)

بس یہی وہ گھر ہے جو مشکوٰۃ نبوت اور مصباحِ رسالت کہلایا۔ مہبطِ جبرئیلؑ و

میکائیلؑ قرار پایا۔ اسی گھر میں جبرئیلؑ نے حسنینؑ کے جھولے کی ڈوریاں ہلائیں۔ اسی گھر میکائیلؑ نے فاطمہ زہراؑ کی چکیاں پیسیں۔ اسی برج نبوت کے درخشاں کواکب فلکِ امامت و آسمانِ خلافت پر چمکے اور علوم محمدی اور نورِ الٰہی کے جلوے دکھا کر دنیا کو روشن اور منور فرما گئے۔ اور عالم کو علم الٰہی کی نورانی شعاعوں سے جگمگا گئے۔

یہی نبوت و امامت کا وہ گھر ہے جس سے توحید الٰہی اور اسلام محمدی کی صدائیں اٹھیں اور یہی وہ بیت الشرف رسالت ہے جس سے صبح و شام ذکرِ تسبیح و تقدیس الٰہی تحمید و تمجید خداوندی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ سورۂ نور کی آیۂ مبارکہ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح سے فی بیوتٍ اذن اللہ تک بلکہ یسبح فیھا بالغدوٰ والآصال تک اور من یشاء بغیر حساب تک اس نورِ ہدایت خانہ میں رہنے والی مقدس ہستیوں کے فضائل و مراتب پر روشنی ڈال رہی ہے۔ علامہ سیوطی اور ابن مردویہ انسؓ و بریدہ کی زبانی روایت کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ فی بیوتٍ الخ فقال رجلٌ ای بیوتٍ ھذہٖ یا رسول اللہ قال بیوت الانبیاء فقال ابوبکر ھٰذا البیت منھا واشار الی بیت علیؑ وفاطمۃ علیھما السلام قال نعم من افاضلھا (ارجح المطالب صـ۷۵-۷۶ عن ابن مغازلی و درِ منثور سیوطی جلد ۵ صـ۵۰) یعنی "رسول اللہؐ نے اس آیۂ مقدسہ "فی بیوت" کو تا آخر تلاوت فرمایا۔ تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہؐ یہ کون سے گھر ہیں؟ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ خانہ ہائے انبیاء ہیں۔ حضرت ابوبکر نے علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے عرض کی کیا یہ گھر بھی انھیں گھروں میں سے ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بلکہ ان سے افضل و بہتر ہے۔"

یہی وہ عصمت و طہارت والا گھر ہے جس کا دروازہ خدا کے گھر میں مسجدِ رسولؐ میں اسی طرح کھلا رہا جس طرح بیت الشرف رسالت کے دروازے

مسجدِ نبوی میں کھلے ہوئے تھے۔ تاریخ و حدیث کی کتابیں بتا رہی ہیں کہ ابتدائے ہجرت میں محض ان اصحاب کے دروازے جن کے گھر مدینہ میں مسجدِ رسولؐ سے ملحق تھے مسجد میں اسی طرح کھلے ہوئے تھے جس طرح رسول اللہؐ کے گھروں کے دروازے مسجدِ نبوی میں کھلتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جنگِ اُحد سے پہلے حکمِ الٰہی نازل ہُوا کہ تمام اصحاب کے دروازے جو مسجد میں کھلتے ہیں وہ ایک دم بند کر دیے جائیں سوائے علیؑ کے دروازے کے۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آنحضرتؐ نے حکم صادر فرمایا کہ سب لوگ اپنے اپنے دروازوں کو مسجد کی طرف سے فوراً بند کرلیں۔ بس سوائے علیؑ کے کسی کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلا نہ رہا۔ بے شک خدا کے گھر میں وہی دروازہ کھلا رہ سکتا ہے جو بابِ مدینۃ علم کہلانے کا مستحق اور باب اللہ کہے جانے کا حقدار ہے۔

اس واقعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اگر علیؑ کی طرح اور اصحاب کے دروازے بھی مسجد نبوی کی طرف کھلے رہتے تو کیا خرابی پیدا ہوتی، کونسا ضرر اسلام کو پہنچ جاتا۔ بلکہ اس کے خلاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایسا حکم نہ ہوتا تو اصحابِ کبار کی دل شکنی نہ ہوتی اور ان کو رنج و ملال کرنے کا موقع نہ ملتا۔ لیکن ذرا گہری نظر ڈالو تو معلوم ہو کہ حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہے۔ جن کے دروازے مسجد نبوی کی طرف کھلے ہوئے تھے۔ انھوں نے مسجد کا احترام بالائے طاق رکھ کر اس کو چوپال سا بنا لیا تھا۔ خدا کو یہ ناگوار ہُوا۔ چونکہ علیؑ سے یہ فعل سرزد نہ ہُوا تھا لہٰذا ان کا دروازہ کھلا رہا۔ اس کے علاوہ کیا بعید ہے کہ اس حکم و عمل سے مسلمانوں کو بتایا گیا اور عملاً دکھایا گیا ہو کہ خدا تک پہنچنے اور رسولؐ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے طریقِ محمدی پر چلنے اور

حقیقی اسلام حاصل کرنے کے لیے صراطِ مستقیم ایک ہی ہے اور اس کا ایک ہی دروازہ ہے۔ بس یہی دروازہ صراطِ مستقیم دکھلائے گا۔ جدا جدا دروازوں سے نہ تم خدا تک رسائی حاصل کر سکتے ہو، نہ اس کے رسولؐ تک ؎

ہرگز نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستاں است

اگر تم حقیقی اسلام تک پہنچنا اور اصلی تعلیم محمدی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی دروازے سے آؤ اور اسی سے صراطِ مستقیم تک پہنچو۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا کی یہی تفسیر ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کی یہی تشریح ہے۔ واتوا البیوت من ابوابھا کے حکم پر یہی واقعہ روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی اگر خدا کے گھر میں اسی کے بتلائے ہوئے دروازے سے آؤ گے تو رسولؐ تک پہنچو گے اور خدا کو پاؤ گے۔ اور اگر اس کے مقررہ دروازے کو چھوڑ کر دیواروں کے اوپر سے داخل ہونے کی کوشش کرو گے تو چور کہلاؤ گے۔ اور سزا پاؤ گے۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا فمن اراد العلم فلیات من بابھا (ترجمہ بغوی۔ طبرانی۔ حاکم۔ ابنِ حجر عسقلانی۔ ترمذی۔ حافظ ابو نعیم۔ ارجح المطالب۔ جامع ترمذی ص۲۱۴) اسی کے لیے ارشاد ہوا ہے۔ انا دار الحکمۃ وعلیؑ بابھا (مشکوٰۃ ص۵۵۶ مطالب السئول ص۴۴۔ ۷۵۔ ینابیع المودۃ ص۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ اسعاف الراغبین ص۱۵۴۔ عمدۃ المناقب ص۷۰۔ زیادہ تفصیل کے لیے دیکھو عبقات الانوار)

اسی ذاتِ گرامی کو کبھی "بابِ حطہ" کہا جاتا ہے تو کبھی "باب اللہ" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ (ارجح المطالب ص۳۲۹) قال رسول اللہ مثل اھلبیتی

فیکم کمثل باب حطۃ فی بنی اسرائیل من دخل غفر لہٗ (میرے اہل بیت تم میں ایسے ہی ہیں جیسے بنی اسرائیل میں باب حطہ تھا کہ جو اس میں داخل ہوا بخشا گیا) اور ینابیع المودۃ وغیرہ میں یوں بھی نقل ہوا ہے۔ قال علیؑ باب حطۃ من دخل منہ کان مومناً و من خرج منہ کان مومناً ومن خرج منہ کان کافراً (دارقطنی عمدۃ المطالب ص۶۸) کبھی کہا جاتا ہے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے، خدایا حق کو اسی طرف پھرا جس طرف علیؑ پھرے۔ کبھی اس حدیث کو ام سلمہ بیان کرتی ہیں۔ کبھی ابوذر غفاری دیکھو ارجح المطالب ص۹۷-۹۸-۵۹۹-۱۰۵-۱۰۴-۳۲۹-ینابیع المودۃ ص۹-صواعق محرقہ ص۱۰۷-مشکوٰۃ ص۵۵۶-مسند امام احمد حنبل ص۲۵۵-تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص۲۵-نیز تفسیر کبیر باب رابع تفسیر سورۂ فاتحہ-مسائل فقہ شرح ابن ابی الحدید-ازالۃ الخفاء-جامع الصغیر سیوطی ص۹ تاریخ الخلفاء ص۱۷۲-دراسات اللبیب ص۲۱۲ وغیرہ میں ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا علیؑ اور آل محمدؐ ہی رسولؐ تک رسائی کا ذریعہ اور خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ یہی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ حق ان کے ساتھ ہے یہ قرآن کے ساتھ ہیں۔ یہی صراط مستقیم دکھانے والے اور راہ حق پر چلانے والے ہیں۔ حق نہیں ملے گا مگر ان کے در سے۔ قرآن نہیں پاؤ گے مگر ان کے گھر سے۔

گفت است پیمبر کہ علیؑ باب من است

تا در نہ کشائی بسرائے نہ رسی

ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقۃ الخ (رسول اللہؐ)

کی مشہور مستند حدیث) آنے والے خوفناک زمانے کی خبر دے کر ضلالت و گمراہی کے مہلک مرض سے نجات وشفا پانے کے لیے یہی راستہ اور اس کا دروازہ بتا دیا کہ اسی باب الشفاء سے دوا لوگے تو ہلاک نہ ہوگے۔ اسلام کے ابدی آبِ حیات کے چشموں کا راستہ محمد عربیؐ کے لازوال علمی خزانوں کا دروازہ رسولِ النبی کی بے مثال حکمتوں اور دینِ الہیٰ کا روشن باب وہ یہی ہے کہ جس کا دروازہ بحکمِ خدا خانۂ الٰہی مسجدِ نبوی میں کھل رہا ہے۔

بے شک علیؑ کے اس شرف اور اس فضیلت سے ان کے دشمن بھی انکار نہ کرسکے۔ امیر معاویہ کے بھرے دربار میں علیؑ کا دشمن اور امیر معاویہ کا مشیرِ خاص عمرو عاص، علیؑ کو باب اللہ بتاتا ہے اور علیؑ کی مدح میں یہ شعر پڑھتا ہے ؎

هو البكاء فى المحراب ليلاً　　هو الضحاك فى يوم الضراب
هو النبأ العظيم وفلكُ نوح　　وباب الله والقطع الخطاب

(علیؑ اگر راتوں کو خوفِ الٰہی سے محرابِ عبادت میں روتے ہیں تو جہاد کے وقت میدانِ کارزار میں ہنستے نظر آتے ہیں)

علیؑ ہی بنائے عظیم ہے (دیکھو تفسیر محی الدین عربی جلد ۲ صفحہ ۳۶۵) النبأ العظیم ھو القیامۃ الکبریٰ ولذلک قیل فی امیر المومنین علی ھو النبأ العظیم (بنائے عظیم قیامتِ کبریٰ ہے اور اسی لیے امیر المومنین علیؑ کے بارہ میں کہا گیا ہے وہ بناء عظیم ہیں) علیؑ کشتیٔ نوحؑ کی مثال ہیں۔ مثل اهل بيتى كمثل سفينة نوح من ركبها نجى ومن تخلف عنها هلك ۔ دیکھو اسعاف الراغبین صفحہ ۱۱۱۔ اسلام کے علمائے

جلیل نے سدالابواب کے واقعہ کو کہ سوائے علیؑ کے سب کے دروازے مسجد رسولؐ میں بند کر دیے گئے نہایت صحیح احادیث و روایات سے تواتر کے ساتھ مختلف راویوں سے اپنی اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے۔ مولوی عبیداللہ امرتسری اس حدیث علامہ طبرانی امام احمد حنبل، ابن مغازلی، علامہ بیہقی، جامع ترمذی بزار ابن مردویہ، خصائص نسائی، علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری وغیرہ مستند اور جلیل القدر علماء کی اسناد سے تقریباً بیس طریقوں سے اس حدیث کو درج فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام قندوزی نے ینابیع المودۃ میں چودہ پندرہ طریق سے روایت کی ہے۔ دیکھو ینابیع المودۃ ص۸۷ - ۸۸، نیز خصائص نسائی ص۲۴، ۲۷- صحیح ترمذی جلد۲ ص۲۱۴، مشکوٰۃ ص۵۵۶ - ۵۵۷، مسند احمد حنبل ص۲۵۵- صواعق محرقہ ص۷۶- عمدۃ المناقب، تذکرہ ابن جوزی ص۲۵ میزان الاعتدال۔

مولانا شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب جذب القلوب میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر بحث فرمائی ہے۔ اور جس طرح کہ علامہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم فرمایا ہے۔ اسی طرح خود بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث ابی بکر از جہت صحتش واجب القبول است و حدیث علیؑ از راہ صحیح و کثرت طرق ممتنع الانکار است (جذب القلوب ص۱۹۳- ۱۹۸- و عسقلانی شرح صحیح بخاری جلد۶ ص۶۸- ۶۹) ان احادیث و روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ کا یہ شرف کہ ان کے دروازے کے سوا سب کے دروازے بند کر دیے جائیں حتیٰ کہ سوراخ تک بھی مسجد کی طرف نہ رکھا جائے اصحاب کو سخت شاق گزرا۔ چہروں کی رنگتیں بدل گئیں۔ ناراضی اور غصے کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپس میں سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ رسول اللہؐ نے

اس کو محسوس فرمایا۔ منبر پر تشریف لے گئے۔ خطبہ کے بعد اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا" ایہا الناس! نہ میں نے کسی کے دروازے کو بند کیا ہے نہ علیؑ کے دروازے کو کھولا ہے۔ جو حکم خدا نے مجھے دیا ہے میں نے اس کی تعمیل کی اور تم کو پہنچا دیا۔" (عسقلانی جلد ۶ صفحہ ۶۹) زید بن ارقم صحابیٔ رسولؐ بیان کرتے ہیں

كانت من اصحاب رسول الله ابواب شارعة في المسجد فقال يوماً سدوا هذه الابواب الا باب علي قال فتكلم الناس في ذلك فقام رسول الله صلى الله عليه وآله واثنا عليه فقال اما بعد فاني قد امرت لسد هذه الابواب الا باب علي فقال فيه سددت شيئاً ولا فتحته وامرت لشيء فاتبعته (خصائص نسائی صفحہ ۲۵ ارجح المطالب صفحہ ۴۱۱ - اخرجہ الاحمد والحاکم)

"یعنی بعض اصحاب کے دروازے مسجد رسولؐ میں آمد و رفت کے لیے کھلے ہوئے تھے۔ ایک روز رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کر دیے جائیں مگر علیؑ کا دروازہ کھلا رہے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ رسول اللہؐ یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حمد و ثنائے الہٰی بیان فرما کر کہا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ سوائے علیؑ کے دروازے کے سب دروازے بند کر دیے جائیں پس اس معاملہ میں نہ میں نے کچھ کھولا ہے اور نہ بند کیا ہے۔ میں نے تو وہی کیا ہے جو خدا نے مجھے حکم دیا ہے۔"

درمنثور سیوطی صفحہ ۱۲۲ جلد ۶ میں ہے کہ جب رسول اللہؐ نے مسجد میں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو ناگوار ہوا۔ راوی کہتا ہے اب تک میری نظروں میں وہ سماں پھر رہا ہے کہ حمزہ ابن عبدالمطلب سرخ پٹکا باندھے آنکھوں میں آنسو بھرے رسول اللہؐ سے آ کر عرض کرتے ہیں۔ آپ نے

اپنے چچا (خود حضرت حمزہ) اور ابوبکر و عمر اور عباس کو تو مسجد سے نکال دیا ہے اور اپنے چچا زاد بھائی کو مسجد میں رکھ لیا ہے۔ رسول اللہ نے سمجھا کہ یہ امر لوگوں کو ناگوار ہوا ہے۔ آپ نے مسجد میں نماز جماعت کے اعلان کا حکم دیا۔ بعد نماز منبر پر تشریف لے گئے۔ ایسا فصیح و بلیغ خطبہ حمد الٰہی میں فرمایا کہ اس سے پہلے نہیں سنا گیا تھا۔ پھر فرمایا۔ ایہا الناس! خدا کی قسم نہ میں نے کسی کا دروازہ کھولا ہے نہ کسی کا بند کیا ہے اور نہ میں نے تم کو نکالا ہے اور علیؑ کو رکھا ہے۔ پھر آیۂ والنجم اذا ھویٰ ما ضلّ صاحبکم وما غویٰ کو تلاوت فرمایا۔

امام احمد حنبل ابو یعلیٰ اور حاکم مستدرک میں حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ حضرت عمر نے ارشاد فرمایا۔ علیؑ کو ایسی تین فضیلتیں حاصل ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ہم کو حاصل ہو جاتی تو وہ ہم کو سرخ بالوں والے اونٹوں کو ملنے سے بھی بدرجہا زیادہ محبوب ہوتی۔ پوچھا گیا، وہ کیا صفات ہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا۔ علیؑ سے فاطمہؑ بنتِ رسولؐ کی تزویج۔ علیؑ کا رسولؐ کے ساتھ مسجدِ رسولؐ میں قیام و سکونت۔ یحلّ لہٗ ما لا یحل لغیرہ، علیؑ کے لیے وہ حلال ہے جو دوسروں کے لیے نہیں۔ روزِ خیبر علیؑ کو علَم کا دیا جانا۔ ارجح المطالب صہ ۴۱۹، صحیح ترمذی صہ ۲۱۴۔ رسولؐ کا ارشاد، یا علیؑ بجز میرے اور تمھارے کسی کے لیے جائز و حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحالتِ جنب داخل ہو۔

اسی طرح جنگِ طائف میں آنحضرتؐ نے بحکمِ خدا علیؑ سے خاص معاملہ میں سرگوشیاں فرمائی تھیں تو اس وقت بھی بعض اصحاب کو ناگوار ہوا تھا۔ جس کو رسول اللہؐ نے محسوس فرما کر اپنے اصحاب سے ایسا ہی فرمایا تھا کہ میں نے

علیؑ سے مشورہ اور سرگوشی نہیں کی ہے بلکہ خدا کے حکم سے کیا گیا ہے۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۵۵۔ تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۱ پر نزول آیۂ نجویٰ یا ایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ علیؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۵ اور ترمذی صفحہ ۴۱۲۔ اور ارجح المطالب صفحہ ۱۵ پر حضرت عمر سے منقول ہے۔ قال ثلث کن لعلیّ اذا کان لی واحدۃ منھن احبّ الیّ من حمر النعم تزویجہ عن فاطمۃ واعطاء الرایۃ وآیۃ النجویٰ اخرجہ ابن مردویہ (علیؑ کی تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ میرے نزدیک سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہوتی۔ اوّل فاطمہؑ سے ان کی تزویج، دوسرے خیبر کا علم ملنا، تیسرے آیۂ نجویٰ کا اُن کی شان میں نازل ہونا) تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۱ در منثور جلد ۶ تفسیر محی الدین عربی جلد ۲ صفحہ ۳۰۲۔ میں آیۂ اذا ناجیتم الرسول کی تفسیر میں لکھا ہے لانّ الایصال بالرسول فی امر خاص لا یکون الّا بقرب روحانی او مناسبۃ قلبیۃ او جنسیۃ نفسانیہ (یعنی رسولؐ سے اتصال کسی امر خاص میں نہیں ہو سکتا۔ جب تک قرب روحانی یا مناسبت قلبی یا جنسیت نفسانی نہ ہو) تفسیر کبیر صفحہ ۸۵ (نیشاپوری معالم التنزیل) پھر وہی حضرت عمر والی بات تحریر کی ہے۔

سید سلیمان قندوزی شیخ الاسلام قسطنطنیہ اپنی کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۸۷-۸۸ پر علامہ ابن مغازلی کی سند سے درج فرماتے ہیں کہ حذیفہ غفاری سعد ابن ابی وقاص، براء ابن عازب، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سب متفق علیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ مسجد میں تشریف لائے اور

فرمایا کہ خدا نے اپنے نبی موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ میرے لیے ایک ایسی پاک و پاکیزہ مسجد بنا کہ جس میں سوائے موسیٰؑ و ہارونؑ کے کوئی نہ رہے۔ پس اسی طرح خدائے جلیل نے مجھے وحی فرمائی کہ میں بھی ایسی پاک مسجد بناؤں کہ نہ رہیں اس مسجد میں مگر میں اور میرا بھائی علیؑ، فقط۔

پھر دوسری روایت مناقب سے درج کی ہے کہ ابو طفیل اور حذیفہ نے بیان کیا۔ ان النبی قام خطیباً قال ان رجالاً یکتمون فی انفسھم شیئاً انی اسکنت علیاً فی المسجد واخرجتھم واسکنہ بل اللہ اخرجھم واسکنہ ان اللہ عز وجل اوحی الی موسیٰ و اخیہ ان تبوّا لقومکما بمصر بیوتاً و اجعلو بیوتکم قبلۃ و اقیموا الصلوٰۃ ثم امر موسیٰ ان لا یسکن مسجدہ ولا ینکح فیہ ولا یدخلہ جنبٌ الا ھارون وذریتہ وان علیاً منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ وھو اخی لا یحلّ لاحد ان ینکح فیہ النساء الا علی و ذریتہ فمن اساءہ ھٰذا واشار بیدہ نحو الشام (درِ منثور جلد ۳ صفحہ ۳۱۲) یعنی نبیؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ لوگ اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہیں کہ میں نے علیؑ کو مسجد میں رکھا ہے اور ان کو نکالا ہے۔ قسم ہے خدا کی نہ میں نے ان کو نکالا اور نہ علیؑ کو رکھا بلکہ خدا نے ان کو مسجد سے نکالا اور خدا نے علیؑ کو مسجد میں رکھا ہے بتحقیق خدائے عز و جل نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو وحی فرمائی کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو ان کے لیے قبلہ قرار دو اور نماز کو قائم کرو۔ پھر موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اس مسجد میں کوئی شخص رہائش نہ کرے اور نہ اس میں نہ ٹھہر کر مناکحت کرے اور نہ جنب اس میں داخل ہو سوائے

ہارونؑ اور اس کی ذرّیت کے۔ پس ان کو اجازت ہے۔ بیشک علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ اور علیؑ میرا بھائی ہے اور ایسے ہی کسی دوسرے کو جائز نہیں ہے مگر علیؑ کو، پس جو علیؑ کے ساتھ برائی کریں گے وہ ہیں اور دستِ مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ (یہ اشارہ معاویہ اور بنی امیہ کی طرف تھا جو علیؑ سے دشمنی کرنے والے تھے)

پس اب یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ علیؑ و فاطمہؑ کا گھر رسولِ خداؐ کا گھر ہے اور یہی خدائے جلیل کا خانۂ رحمت اور یہی اس کا بیتِ معرفت ہے۔ یہ شرف و بزرگی نہ کسی اور بیبیؑ کے گھر کو ملی اور نہ کسی داماد کے واسطے قرار دی گئی۔ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کی ذرّیت نے جس طرح یہاں دنیا میں رسولِ خداؐ کے ہم خانہ ہونے کی عزت حاصل کی اور ان کا گھر رسولؐ کا گھر کہلایا۔ مگر افسوس اس گھر کو معاویہ کے آتشِ حسد نے جلا کر خاک کر دیا اور بنی امیہ کے دستِ تظلم نے ویران و برباد کر کے مٹا دیا ؎

اسفی علی بیت الرسالۃ اذ خلی ۔۔۔ من ذکرھم ومن الصلوۃ والمجد

وقبورھم شتیٔ بکل محلۃ ۔۔۔ وبیوتھم للیوم بھا مرقد

اسی طرح اس دنیا کے بعد عالمِ آخرت میں بھی ان بزرگواروں نے جناتِ عدن اور بہشتِ بریں میں بھی رسولِ الٰہیؐ کی ہم نشینی کا شرف حاصل فرمایا۔ قیامت کے دن بھی ذریتِ محمدی کی یہ مقدس ہستیاں رسول اللہؐ کے ساتھ ایک ہی درجہ اور ایک ہی گھر میں ہوں گے۔ بلکہ ان کے دوست بھی روزِ قیامت ان کے ساتھ ہوں گے (دیکھو احادیثِ نبوی مندرجہ مسند احمد حنبل ص۱۰۲

انّ رسول اللہ اخذ بید حسن وحسین فقال من احبّنی واحبھما واباھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ (یعنی رسول اللہؐ

نے حسنؑ و حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، جس نے مجھے اور ان دونوں کو اور ان کے ماں اور باپ کو دوست رکھا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا) یہی مضمون صواعق محرقہ صفحہ ۸۲ پر ہے۔ دوسری روایت حضرت علیؑ کی زبانی امام احمد حنبل نے صفحہ ۱۳۵ پر یوں نقل کی ہے۔ نائیمٗ علی المنامۃ فاستسقی الحسن والحسین قال کہ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہؐ اپنے گھر میں آئے، میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ پس حسنؑ نے پانی مانگا۔ آنحضرتؐ اٹھے اور ہماری ایک بکری کے پاس آئے جس کا دودھ خشک ہوگیا تھا۔ حضرتؐ نے اس کو دوہا تو اس نے خوب دودھ دیا۔ حسنؑ کو آپ نے وہ دودھ پلایا۔ فاطمہؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ کیا حسینؑ کی نسبت آپ کو حسنؑ زیادہ عزیز ہے؟ فرمایا یہ بات نہیں۔ حسنؑ نے حسینؑ سے پہلے پانی مانگا تھا اور پھر فرمایا، میں اور یہ سونے والا اور یہ دونوں بچے اور تم قیامت کے دن ایک ہی مکان میں ہوں گے۔

صاحب ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۶۳ اور علامہ ابن حجر صاحب صواعق محرقہ تحریر فرماتے ہیں۔ امام احمد حنبل سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ جنت میں ہوگے اور حسنؑ و حسینؑ اور ہماری ذریت ہمارے پیچھے ہوگی اور ہماری ازواج ہماری اولاد کے بعد ہوں گی اور ہمارے دوست اور محب ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

عمدۃ المناقب صفحہ ۶۰۔ صواعق محرقہ صفحہ ۹۶۔ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۲۸۔ ۱۲۹ میں ثعلبی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ ہم نے ایک بار لوگوں کے حسد کرنے کی شکایت حضرت رسول خداؐ سے کی۔ فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ سب سے پہلے چار شخص جو جنت میں داخل ہوں گے ان میں ایک تم ہو۔ وہ چار ہیں، حسنؑ و

حسینؑ ہیں ہماری ہی بیاں داہنے بائیں اور ہماری ذریت ان کے پیچھے ہوگی اور بروایت طبرانی یہ فرمایا۔ کہ ہماری ازواج ہماری ذرّیت کے پیچھے ہوں گی۔ اور ہمارے دوست اور شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

سرسید احمد خاں اپنے ایک خط میں عماد الملک بلگرامی کو ذیل کی عبارت لکھتے ہیں :-

"ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آؤ اور حق گوئی کے آگے سر خم کرنا شرافت نفسی کی دلیل سمجھو اور دیکھو کہ علیؑ کا حق ان کو تعتیم کا رِ خلافت پر کیونکر مجبور کرتا ہے۔ خلافت کی نسبت بہ حیثیت انتظامِ ملکی کے کیا لکھا جائے اور کون لکھ سکتا ہے۔ میں تو ان صفات کو جو ذاتِ نبوی میں تھیں دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔ ایک سلطنت دوسری قدوسیت اول کی خلافت حضرت عمر کو ملی دوسری خلافت حضرت علیؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کو۔ یہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر کس کو جرأت ہے کہ اس کو لکھے کہ حضرت عثمان نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابو بکر تو برائے نام بزرگ تھے پس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا نشانۂ مشق بنانا نہایت نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا، جو گزرا سو گزرا" (فخر قوم نواب سر راس مسعود بہادر مرحوم و مغفور (نبیرۂ سرسید مرحوم) نے مکتوبات سرسید مرحوم شائع فرمائے ہیں)

علامہ ابن عبد البر استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ حضرت علیؑ کے ساتھ کوہِ حرا پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ کو زلزلہ آیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اثبت حرا فما علیك الا نبیٌ اور صدیق اور شہید۔ اے حرا ٹھہر جا تجھ پر تو میرا نبی اور صدیق اور شہید بیٹھے ہوئے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے

کہ ایسی ہی ایک حدیث بخاری میں کوہ ثبیر کے متعلق اس طرح نقل کی گئی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر و عمر و عثمان حضرت رسول خدا کے ساتھ کوہ ثبیر پہ چڑھے پہاڑ کو زلزلہ آیا ۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جا، تیرے اوپر سوائے ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہیدوں کے کوئی دوسرا نہیں ۔ نبی جو رحمۃ للعالمین ہو، اس کے ہوتے دوسروں کی فضیلت کے اظہار کی کیا ضرورت تھی ۔ ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اس پہ دال ہے کہ وجود نبی مرتبت خود رحمت ہے، اس کی موجودگی میں کوئی عذاب نہیں آسکتا ۔ پھر دوسروں کے شمول کی ضرورت کیا۔ دوسرے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان معصوم نہ تھے ۔ غیر معصوم کو ہم رتبۂ معصوم قرار دینا اور وہ بھی نبیؐ کی زبان سے نہایت ہی تعجب خیز امر ہے۔

مسٹر اوکلے اپنی تاریخ اسلام صـ۳۰۳ پر لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد اس امر کی مدعی ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے اسلام قبول کیا تھا اور جب تک حمل میں رہے اپنی ماں کو کسی بت کے سامنے جھکنے نہیں دیا ۔ اسی وجہ سے جب مسلمان علیؑ کا نام لیتے ہیں تو کرم اللہ وجہہٗ کہتے ہیں ۔ یعنی خدا نے ان کے چہرہ کو بزرگی اور عظمت والا بنایا ۔ انھوں نے کبھی نہ خود بتوں کو سجدہ کیا اور نہ اپنی والدہ کو کرنے دیا ۔ ان کے سوا اور کوئی صحابی ایسا نہیں ہوا جس نے بتوں کو سجدہ نہ کیا ہو ۔ اس لیے علیؑ اس دعا (کرم اللہ وجہہٗ) کے ساتھ مخصوص کیے گئے اور مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا "علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں ۔" اور علیؑ کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی ۔ میں ایک شہر ہوں جس میں تمام علوم بند ہیں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے ۔ اگر شجاعت، خوش طبعتی، زہد، پارسائی، عقل و دانائی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو علیؑ ہی ایسا شخص تھا کہ اس قوم میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں ہے۔

علامہ مسعودی بیان فرماتے ہیں کہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے بارے میں لوگوں نے جھگڑا کیا اور بحث اٹھائی ہے لیکن محققین کی ایک جماعت کثیر نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ علیؑ نے کبھی شرک باللہ نہیں کیا۔ علیؑ کبھی مشرک تھے ہی نہیں۔ اسلام کی ابتدا ہی علیؑ سے ہوتی ہے۔ علیؑ ہر ایک امر میں، جملہ افعال میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم اور ان کے تابع اور مقتدی تھے۔ بچپن ہی سے آغوش رسالت میں تربیت پائی تھی۔ خدا نے ان کو معصوم بنایا۔ کفر سے بچایا اور اپنے نبیؐ کی پیروی و اتباع کی توفیق ان کو کرامت فرمائی دونوں بزرگوار اطاعت خداوندی کے لیے مضطر و مجبور نہ تھے بلکہ دونوں خود مختار و قادر تھے۔ پس انھوں نے اپنے رب کی اطاعت اختیار کی اور حکم الٰہی کی موافقت کو برضا و رغبت و بحالت اختیار مقدم سمجھا۔ علیؑ ہمیشہ تابع احکام خدا و رسولؐ تھے اور تمام منہیات اور لغزشوں سے پاک و صاف تھے۔

تمام محققین نے بیان کیا ہے کہ علیؑ ہی وہ اول شخص ہیں جن کو حضرت رسول خداؐ نے سب سے پہلے دعوت اسلام دی اور وہ خدا کے اس قول کے مطابق وانذر عشیرتك الاقربین بحالت طفلی بھی مکلف تھے۔ اسلام کی ابتدا انہی سے ہوئی کیونکہ عام لوگوں میں علیؑ ہی رسول اللہؐ سے زیادہ قریب اور آنحضرتؐ کے سب سے زیادہ پیرو اور مقتدی تھے۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ ابوبکر، علیؑ کے بعد اسلام لائے اور انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا (مروج الذہب مسعودی جلد ا ص۲۷۵)

پروفیسر ایم۔ جی رنالڈ اپنی مشہور کتاب "روحانیت اور اسلام" کے تیسرے باب کے آخر میں لکھتے ہیں۔ جو مرتبہ دنیا میں علیؑ کو ملا ہے وہ آج تک کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ حضرت علیؑ نے روحانیت کے ساتھ دنیا پر حکومت

کی اور اہلِ دنیا کو امن وسلامتی کے ساتھ حکومت کرنے کا طریقہ سکھلایا۔ ان کی شہادت کے روز جہاں کوفہ کے کلمہ گو روئے وہاں سب سے زیادہ عیسائیوں نے بکا کی۔ علیؑ کے مرنے پر ہزاروں یہودی اور عیسائی عورتیں اور بچے جو بے وارثی کے عالم میں محض ان کے دستِ فیض سے پرورش پاتے تھے محروم ہو گئے اور بھوکے پیاسے مارے مارے پھرنے لگے۔ جب بیت المقدس میں بطریق اعظم کو شہادتِ علیؑ کی خبر پہنچی تو دو دن تک اس مبارک شہر کے گلی کوچوں میں افسوس و حسرت چھائی رہی۔ بطریقِ اعظم کی آنکھوں سے اس سانحہ میں آنسو نہ تھمے۔

۱۹۱۰ء میں ریورنیڈ میجران ہال نے حضرت علیؑ کی شہادت پر تقریر کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے "حضرت علیؑ کے اٹھ جانے سے دنیائے روحانیت حکومت سے خالی ہو گئی۔ حضرت علیؑ تمام عالم کے لیے مشعلِ ہدایت تھے۔ ان کا وجود دوسری اقوام کے لیے بھی امن وسلامتی اور رحمت کا باعث تھا افسوس ایک باغی کی تلوار نے دنیا کی امن وسلامتی کو آغوشِ لحد میں سلا دیا۔ دنیا میں حضرت علیؑ سے بڑھ کر ہر دلعزیز کوئی دوسرا نہ ہو سکا۔ اگرچہ ان کا جنازہ رات کو اٹھا مگر اس وقت بھی کوفے کے تمام گلی کوچے، عیسائی یہودی آتش پرست سوگ نشینوں سے بھرے پڑے تھے اور ہمیشہ اس طرح روتے رہے جیسے کوئی اپنے باپ کو روتا ہے۔

علیؑ سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص دینِ محمدی کا محافظ اور کشتیٔ اسلام کا ناخدا اور قانونِ الٰہی کا حقیقی محافظ نہ تھا۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترق حتیٰ یردا علی الحوض اس پر شاہد ہے۔ پس دینِ اسلام کی بربادی کا صدمہ علیؑ سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا تھا۔ علیؑ

جس طرح قیام بنائے اسلام میں شریک اعظم ہیں۔ اسی طرح بعد پیغمبر اسلامؐ کے بھی دین کی حفاظت ان کا فرض اوّلین ہے۔ حضرت رسول خداؐ نے یہ پیشینگوئی کردی تھی کہ اے علیؑ ہمارے بعد زمانہ تم سے آنکھیں بدل لے گا۔ اور تم کو تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا ہوگا اور وما محمدٌ الا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرسول افان مات اوقتل فانقلبتھم علی اعقابکم (آیہ) کا نقشہ کھنچنے لگے گا۔ مگر دیکھنا تم دل تنگ نہ ہونا۔ صبر کے جلوے دکھانا اور میرے دین کو مٹنے سے بچا لینا۔ میرے بعد اس کی بقا کے تم ہی ذمہ دار ہو۔

دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رسول خداؐ نے کھلم کھلا علیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ فرمایا اور اپنا شریک کار قرار دیا (دیکھو تفسیر ثعلبی۔ تاریخ طبری۔ تاریخ کامل اور ابوالفداء) مفسرین اور مورخین نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی سیرت النبی میں اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے مگر اپنی عادت کے مطابق بہت ہی حزم واحتیاط سے کام لیا ہے اور رسول کریمؐ کے مبارک الفاظ انّ ھٰذا اخی ووصیّی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہٗ واطیعوہ کو ترک کردیا ہے لیکن ہمارے اس بیان کی تصدیق کے لیے اتنا وہ بھی درج فرما گئے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین ودنیا دونوں کی کفیل ہے۔ پس کون اس میں میری مدد کرے گا۔ علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا، میں۔

علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر رسولؐ کا کام بٹانے کا وعدہ کرکے دین اسلام پر وہ گراں قدر احسان کیا ہے جس سے کبھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ بے شک علیؑ نے قائم مقام رسولؐ بن کر وہ سچی سیاست دنیا والوں

کے سامنے پیش کی۔ اس نے عالم کی بہتر سے بہتر سیاستوں پہ پانی پھیر دیا۔ جس طرح بانی اسلام تاجدار رسالت حضرت محمد عربیؐ کا یہ فرض تھا کہ تبلیغ اسلام فرما کر دنیا میں شریعت محمدیہ کو قائم کریں اسی طرح علیؑ کا جو رسول کریمؐ کے آغوش پروردہ اور شاگرد و خلیفہ تھے۔ یہ فرض تھا کہ اس دین محمدی کی بقا اور حفاظت میں ایسی مستعدی سے کام لیں کہ اگر جان بھی چلی جائے تو مضائقہ نہ ہو۔ علیؑ ابتدائے وقت سے ہی ہدائتی کاموں میں رسول خداؐ کے معین و مددگار رہے اور انہی دونوں کی کوششوں سے اسلام دنیا میں پھیلا۔

ارجح المطالب ص۲۱۶ اور ینابیع المودۃ ص۱۸۱ پر ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے علی مرتضیٰؑ کے متعلق فرمایا کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی۔ خدا اس کو جہنم میں ڈالے گا اور اس کو سخت اہانت والا عذاب ہے۔ غور کرو اس حدیث کے ہوتے ہوئے معاویہ کا ٹھکانا کہاں ہوگا جس نے برسوں برسر منبر حضرت علیؑ علیہ السلام پہ تبرا کرایا۔

جس طرح دریا کو کوزہ میں بند کرنا، دنیا کا انڈے میں سما جانا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکلنا ناممکن ہے اسی طرح جناب علی المرتضیٰؑ کے فضائل و مناقب کو احاطۂ تحریر میں لانا بھی ناممکن ہے۔ چنانچہ علامہ سید علی ہمدانی نے اپنی کتاب مودۃ القربیٰ کے ص۱۰۱ پر حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا لو کان البحر مداداً ولریاض اقلاماً والانس کتاباً والجن حساباً احصو فضائلک یا ابا الحسن (اے علیؑ اگر دنیا کے دریا روشنائی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں اور انسان لکھیں اور جن شمار کریں تب بھی تمہاری فضیلتوں کا شمار نہیں کیا جا سکتا)

تفسیروں اور احادیث نبوی کی کتابوں کو دیکھو۔ تاریخ و سیر کی کتابوں پہ

نظر ڈالو جہاں تاریخ اسلام کے لہلہاتے چمنوں میں محبوبِ الٰہی کے فضائل و مناقب کے گلدستے مہک دیتے ہیں۔ ہدایت و رہبری کے چشمے ابلتے اور خلق و احسان کے پھول برستے ہیں۔ وہاں ہر جگہ نفسِ رسولؐ کے لازوال مراتب و مناقب کے صدا بہار پھول کھلتے اور علم و حکمت کے دریا بہتے ہیں۔ اگر ایک زمانہ میں بعثتِ نبوی سے پہلے عرب کی سنگلاخ سرزمین پر شہر مکّہ میں خدا کی ایک برگزیدہ ہستی محمد عربیؐ کے نام سے پکاری جاتی ہے جس کو خدا کا رسولؐ اور محبوب ہونے کا شرف حاصل ہے تو ہم دیکھتے ہیں اسی کی گود میں ایک ایسا بچہ پرورش پا رہا ہے جو ہر وقت تعویذ کی طرح اس کے سینے سے لپٹا ہوا ہے۔ اس کی زبان چوستا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو اپنے اسی محسن و مربّی کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح کعبہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ راستہ میں کافروں کے بچے مشرکوں کے لونڈے جب اس محبوبِ الٰہی پر پتھر مارتے اور خاک برساتے ہیں تو یہی بچہ حیدرِ صفدرؑ ان پر جھپٹتا ہے اور ایک ایک کی گردن پکڑ کر زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ اور اپنے مربّی سے ان کے شر کو دور کرتا ہے۔ پھر اگر وہ خدا کا عاشق توحید کا متوالا غارِ حرا میں بیٹھا عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو یہ رسولؐ کا فدائی اور خدا کا شیدائی بھی اس کے ساتھ ذکرِ خدا کرتا نظر آتا ہے۔ کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ آفتابِ رسالت نصف النہار سے ڈھل چکا ہے اور ایک نوجوان مقدس بڑے سکینہ و وقار سے خانۂ الٰہی میں داخل ہوتا ہے۔ آسمان پر نظر ڈالتا ہے۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک لڑکا آتا ہے جو اس نوجوان کے پیچھے داہنی جانب اسی طرح نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مقدس بی بی آتی ہے وہ بھی ان کے پیچھے اسی طرح کھڑی ہو جاتی ہے اور یہ تینوں خدا کے عاشق خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت اس وقت ادا کرتے ہیں جب سوائے ان کے کوئی چوتھا عبادت کرنے والا نہ تھا۔ جو آگے ہے وہ آفتابِ رسالت محمد عربیؐ ہیں جو پہلو میں مثل ماہتاب جلوہ گر ہے وہ علیؑ ہے۔

جس کو رسول نے اپنی آغوش میں پالا ہے۔ ان کے پیچھے وہی بی بی ام المومنین حضرت خدیجہ ہیں جو اسلام کی سب سے بڑی محسن ہیں۔ کبھی فانذر عشیرتک الاقربین کے دربار کا منظر نظر آتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ شہنشاہ رسالت حکم الٰہی کی تعمیل میں کھڑا فرما رہا ہے کہ میں تمھارے پاس دنیا کی خیر و برکت لے کر آیا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی اطاعت کی طرف بلاؤں۔ کون شخص تم میں ایسا ہے جو اس کام میں میرا شریک ہو۔ میرا ہاتھ بٹائے اور میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ قرار پائے۔ سب مجمع پرسکوت ہے۔ اس وقت بھی یہی نوجوان کھڑا ہو جاتا ہے اور عرض کرتا ہے۔ یا رسول اللہ میں ہوں حضور کا خادم و جاں نثار۔ میں اس خدمت کو بجا لاؤں گا اور رسولؐ دستِ شفقت علیؑ کے سر پر رکھ کر فرماتے ہیں۔ بس یہ میرا بھائی میرا خلیفہ اور وصی ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ پھر دیکھتے ہیں کہ جب شبِ ہجرت کفار و مشرکین مکّہ کی اذیتوں سے تنگ آ کر رسولِ الٰہی مکّہ کو چھوڑتے ہیں اور مدینہ کو ہجرت فرماتے ہیں تو یہی جاں نثار یہاں بھی تلواروں کے سائے میں مسندِ رسولؐ پر رسولؐ کی سبز چادر اوڑھے بجائے رسولؐ آرام کرتا نظر آتا ہے اور اس کے بعد یہی علیؑ کفار و مشرکین کی سختیاں جھیل کر محبوس ہونے کی تکلیفیں اٹھا کر کفار کی امانتیں اس نبی صادق و امین کی جانب سے ادا کر کے پا پیادہ ننگے پاؤں پتھریلی زمین کو روندتا مکہ سے مدینہ کی کڑی منزلوں کو طے کرتا ہوا دکھلائی دیتا ہے۔ پاؤں پر ورم ہو گیا ہے۔ چھالے پڑ گئے ہیں مگر پیارے رسولؐ کی محبت ہے کہ کھینچے لیے چلی جا رہی ہے۔ اس طرف آنحضرتؐ اپنے پیارے بھائی کے انتظار میں مدینہ سے باہر ہی مقیم ہیں۔ مدینہ میں داخل نہیں ہوتے جب تک نہیں پہنچتے۔

مدینہ میں پہنچ کر غزوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو کبھی بدر میں علیؑ

کی تیغ چمکتی نظر آتی ہے تو کبھی اُحد میں ذوالفقارِ حیدری کی بجلیاں گرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر بدر میں عقاب ثانی نشانِ محمدی کا پھریرا علیؑ کے شانے پہ اڑتا نظر آتا ہے تو اُحد و خندق و خیبر و فتح مکہ کے عظیم الشان معرکوں میں بھی پرچم محمدی علیؑ ہی کے سر پہ لہراتا دکھائی دیتا ہے۔ کبھی علیؑ کی تلوار ولید و حنظلہ وغیرہ قریش کے نامی پہلوانوں کے سروں پہ بدر و اُحد میں پڑتی نظر آتی ہے تو کبھی خندق و خیبر میں عمرو ابن عبدوُد اور مرحب و حارث و عنترہ جیسے پہلوانوں کے سر کاٹ کر خاک و خون میں لٹاتی ہے۔

اگر اُحد و حنین کے میدانوں میں مسلمان ہزیمت اٹھا کر رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگتے نظر آتے ہیں تو علیؑ وہاں چند جاں نثاروں کے ساتھ نہایت ثابت قدمی سے دشمنوں کو ہٹاتے اور رسولِ عربیؐ کو بچاتے نظر آتے ہیں اور رعالکفر بعد الایمان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کے دندانِ مبارک اُحد میں شہید ہو جاتے ہیں اور آپ زخموں کے خون سے تر بتر نظر آتے ہیں تو علیؑ ہی اس وقت ڈھال میں پانی لاتے اور زخموں کو دھلاتے ہیں۔ حضرت مشرکین کی جماعت کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر علیؑ بڑھتے ہیں۔ ذوالفقار حیدری اٹھتی ہے۔ سروں کی جھڑی لگتی ہے۔ خون کا مینہ برستا ہے اور دم کے دم میں میدان صاف ہو جاتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ دوسری طرف حملہ کا حکم دیتے ہیں۔ علیؑ ان نامردوں کو بھی بھگا کر آ جاتے ہیں۔ اتنے میں جبرئیلؑ یہ بشارت سناتے ہیں کہ اے خدا کے رسولؐ یہ ہے حقیقی مواساۃ۔ رسول کریمؐ خوش ہو کر فرماتے ہیں۔ کیوں نہ ہو، علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیلؑ عرض کرتے ہیں اور میں آپ دونوں سے ہوں پھر ما بین زمین و آسمان آواز بلند ہوتی ہے "لاسیف الا ذوالفقار ولا فتیٰ الا علی" (ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ)

اگر حدیبیہ میں مشرکین کے ساتھ رسول اللہؐ کی صلح ہو رہی ہے تو علیؑ معاہدۂ صلح تحریر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے وقت فتح مکہ میں بھی یہی علیؑ رسولؐ کے ساتھ شریک کار نظر آتے ہیں۔ رسولؐ کے مبارک شانوں پر سوار ہو کر مہر نبوت پر قدم رکھ کر خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرتے ہیں۔ جب سورۂ برأت کی تبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی علیؑ اس کے لیے بھی منتخب ہوتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب حضرتؐ نے اصحاب کے درمیان مواخات قائم کی تو سب سے آخر میں علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، یہ میرا بھائی ہے۔ رسول اللہؐ جو سب رسولوں کے سردار متقیوں کے امام اور رب العالمین کے رسولِ برحق ہیں اور جن کی مثل و نظیر بندوں میں نہیں ہے، بس وہ اور علیؑ دونوں بھائی بھائی ہیں (کیسا مرتبہ ہے علیؑ بن ابی طالب کا) بے شک علیؑ نفسِ رسولؐ ~~دنیا و~~ آخرت میں رسولِ خداؐ کا بھائی ہے۔ علیؑ ہی تمام صفاتِ کمالیہ و جمالیہ محمدیہ کا آئینہ ہے۔ اگر رسولؐ علم کے شہر ہیں تو علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا انہی کی شان میں ہے۔ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ علیؑ ہی کی شان میں ہے من عندہٗ علم الکتاب۔

(ارجح المطالب ص۱۱۱)

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ہے اے علیؑ جس طرح میں تنزیلِ قرآن پر جہاد کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے بعد تم تاویل قرآن پر جہاد کرو گے (تاریخ الخلفاء ص۱۲۲ ارجح المطالب ص۶۰) امام احمد حنبل، نسائی۔ بغوی۔ حافظ ابو نعیم دیلمی اور حاکم وغیرہ علماء نے بھی اس حدیث کو درج کیا ہے اور صحیح بتایا ہے) علیؑ ہی کو رسول خدا نے کتابِ الٰہی اور اپنی سنت کا وارث بنایا۔ پس علیؑ ہی وارث علمِ محمدی ہیں (ازالۃ الخفا ص۲۱۳)

علمائے فریقین نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ علیؑ سے بہتر اور علیؑ سے بڑھ کر کسی کا اسلام و ایمان پختہ اور راسخ نہ تھا۔ علامہ دیلمی، خوارزمی، حافظ سلغی، ابوالقاسم محمود زمخشری وغیرہ نے حضرت عمر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار دو شخص حضرت عمر کے سامنے حاضر ہوئے اور پوچھا کہ آپ کنیز کی طلاق کے متعلق کیا فرماتے ہیں حضرت عمر یہ سن کر اس مجمع کی طرف چلے جہاں حضرت علیؑ بیٹھے تھے اور حضرت علیؑ سے اس مسئلہ کو پوچھنے لگے۔ ان دو شخصوں میں سے ایک نے کہا یا امیرالمومنین (عمر) ہم تو آپ سے پوچھنے آئے تھے۔ آپ یہاں ان سے دریافت کرنے چلے آئے۔ حضرت عمر نے فرمایا ویلك ماتدری من ھذا۔ وائے ہو تجھ پر تو نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہے۔ یہ علیؑ بن ابی طالب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر ترازو کے ایک پلّہ میں ساتوں زمین و آسمان کو رکھا جائے اور دوسرے پلّہ میں علیؑ کے ایمان کو رکھا جائے تو البتہ علیؑ کے ایمان کا پلّہ ہی بھاری رہے گا۔ ارجح المطالب صفحہ ۴۴۶

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر معاویہ اور بنی امیہ نے علیؑ کے فضائل مٹانے کے لیے سیکڑوں جعلی اور جھوٹی روایتوں کو بنوا کر اور شائع کرا کر اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ بس یہی وجہ ہے کہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں اختلافی صورت نظر آنے لگی یعنی انہی جعلی روایتوں کی بناء پر مصنفین و مورخین نے فضائل علیؑ کو بالاختلاف لکھنا شروع کر دیا۔ خصوصاً سبقت اسلام کے واقعہ پر تو اچھی طرح ہی پانی پھیر گیا۔ کسی نے کہا ابوبکر پہلے ایمان لائے کسی نے لکھا، علیؑ کا ایمان اس وقت صحیح نہیں تھا۔ اس کے ساتھ عمر میں اختلاف ہوا کسی نے آٹھ برس کی بتائی کسی نے ۹ سال کی، کسی نے دس سال کی۔ چنانچہ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ پر ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد کون پہلے اسلام لایا۔ سلف سے

دنیائے اسلام میں ایک اختلافی مسئلہ چلا آتا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۱۶ یا ۱۷ روایات حضرت علیؑ کے اسلام لانے، نماز پڑھنے اور حضرت کی تصدیق کرنے کے متعلق درج کی ہیں۔ اس کے بعد حارث اور ابن سعد اور واقدی کے قول کے مطابق لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ نے اظہارِ رسالت فرمایا تو اوّل علیؑ نے اسلام قبول کیا۔ پھر لکھتے ہیں بعض کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہ کے بعد اول ابوبکر اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام کے متعلق پانچ یا چھ روایتیں درج کی ہیں۔ جن میں محض اسلام لانے کا ذکر ہے حضرت کے ساتھ نماز پڑھنے کا تذکرہ نہیں۔ روایات کے بعد چند روایتیں ایسی بھی درج کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر سے پہلے ایک جماعت اور مسلمان ہو چکی تھی یعنی پچاس آدمی ان سے پہلے داخلِ اسلام ہو چکے تھے۔ پھر زید بن حارثہ کے متعلق لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بعد اوّل زید مسلمان ہوئے اور ان کی سبقت اسلامی کے متعلق بھی چار روایتیں نقل فرمائی ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں مردوں میں اوّل شخص زید ہے جس نے علیؑ کے بعد اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی۔ پھر زید کے بعد حضرت ابوبکر مسلمان ہو گئے (طبری جلد ۲ از ص۲۱۲ تا ص۲۱۵) اب اجماع کے قائل حضرات ذرا انصاف کریں کہ زیادہ ووٹ کس کی طرف جا رہے ہیں اور اس سبقتِ اسلامی کے شرف پانے کا حقدار کون زیادہ ہے۔

مولانا شبلی نے بھی اس واقعہ پر اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ جلد اول ص۱۵۱ میں روشنی ڈالی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک دفعہ آپ حضرت علیؑ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب آ نکلے۔ ان کو اس جدید طریقہ پر عبادت کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب میں کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا، یہ کون دین ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ

کا یہی دین تھا۔ ابوطالب نے کہا، میں کھلم کھلا اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔ یقیناً جیسا کہ مستند علماء و محققین کا بیان ہے علیؑ کی عمر اعلانِ رسالت اور اسلام کے وقت تیرہ[۱۳]، چودہ[۱۴] سال سے کم تھی۔ مولانا شبلی دعوتِ عشیرہ کے واقعہ میں علیؑ کو سیزدہ سالہ جوان تحریر فرماتے ہیں (سیرۃ النبی صفحہ ۱۵۴) لکھتے ہیں جب کھانے کے بعد آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے تو اس بارِ گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعۃً حضرت علیؑ نے اٹھ کر کہا، گو مجھ کو آشوبِ چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے کم عمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ قریش کے لیے یہ ایک جرأت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے، دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ ہر ایک سچ تھا۔

مولانا شبلی نے سابقینِ اسلام کی جو ترتیب قائم کی ہے اوّل ہی اوّل حضرت خدیجہ کا نام ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؑ کا، پھر زید کا، پھر ابوبکر کا۔

جن لوگوں نے اسلامی بیت المال کو اپنا جیب خرچ سمجھ لیا ہو۔ بندگانِ خدا کے حقوق کو اپنی ہوا و ہوس پر قربان کر دیا ہو۔ برسرِ حکومت ہو کر اپنے نالائق قرابت داروں اور غیر مستحق ستم پیشہ لوگوں کو اپنی داد و دہش اور گورنروں اور صوبوں کی حکومتوں کو عطا کر کے مالِ مفت دلِ بے رحم سمجھ کر مالا مال کر دیا ہو، ایک ایک عزیز کو بات بات پر پچاس پچاس ہزار درہم بخشے جاتے ہوں، دوست دارانِ اہل بیتؑ کے قاتلوں کو اس کام کے صلہ میں سرکاری خراج معاف کر دیا جاتا ہو، وسیع دستر خوانوں کو خدائی مال خرچ کر کے

شراب وکباب اور رنگ برنگ کے کھانوں سے سجایا جاتا ہو وہ اس سیاست الٰہیہ اور ریاستِ نبویہ کی قدر کیا جان سکتے ہیں! جس کا بہترین مظاہرہ رسول ؐ کے بعد علیؑ بن ابی طالب نے کرایا۔ انھوں نے دکھا دیا کہ کس طرح فاقہ پہ فاقہ کر کے، بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھ کر اپنی ضرورتوں کو روک کر اپنے بچوں کو فاقہ سے رکھ کر کس طرح دوسروں کی خبر لی جاتی ہے۔ علیؑ نے روزہ پہ روزہ رکھ کر جَو کے ستّو سے افطار کر کے اسوۂ رسولؐ کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ خلافتِ ظاہری کے زمانہ میں جب کوفہ میں تشریف فرما تھے اور بیت المال مسلمین کے آپ مالک تھے اس وقت بھی کبھی ایک پائی حق مسلمین کی اپنے خرچ میں نہیں کی۔ اور اسی طرح فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے جس طرح ظاہری خلافت سے قبل کرتے تھے۔

علیؑ اپنی سلطنت کے زمانہ میں اس شان سے رہتے ہیں کہ در پہ نہ کوئی نگہبان ہے نہ چوبدار۔ گھر میں کوئی دنیوی سامان نہیں البتہ زہد فی اللہ اور توکل علی اللہ کی پُر نور شمعوں سے سارا گھر جگمگا رہا تھا۔ خلق اللہ کی ہمدردی اور مواسات کے نورانی قمقمے ضیا باری کر رہے تھے۔ چادرِ تطہیر کی پوشش تھی اور علم و حکمت کی آرائش۔ جلالتِ الٰہی کی جلوہ نمائیاں تھیں اور شانِ رسالت کی کارفرمائیاں۔

حضرت رسولِ خدا ؐ نے اپنے بعد دنیا کو یوں ہی بغیر کسی ہادی و رہنما کے بھٹکتا ہوا نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بعد ایک سچے ہادی اور حقیقی رہبر کا پتہ بتا گئے ہیں اور یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اگر تم اس کی پیروی نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ امام احمد حنبل نے مسند جلد اول صفحہ ۱۰۹ پہ لکھا ہے کہ حضرت رسولِ خدا ؐ نے ارشاد فرمایا ان تؤمروا علیًا تجدوہ ھادیًا مھدیًا یاخذ بکم الطریق المستقیم ۔ اگر تم علیؑ کو امیر بناؤ گے تو تم اس کو ہدایت کرنے والا اور صراطِ مستقیم

پر چلانے والا پاؤ گے)

بعد رسول ؐ حضرت علیؑ کو محض اس لیے خلافت نہیں دی گئی کہ انھوں نے بدر و احد وغیرہ میں ان قریش کے جو اب دائرۂ اسلام میں داخل تھے بہت سے عزیزوں کو قتل کیا تھا۔ قریش کی نظر میں علیؑ کی شجاعت اور دینداری کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور ان کی خداداد فضیلتیں ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔ مولانا شبلی بھی الفاروق حصہ اوّل صفحہ ۲۰۷ میں اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہ جھکاتے تھے۔ پھر عبداللہ بن عباس اور حضرت عمر سے جو مکالمہ ہوا ہے اس کو طبری کے حوالے سے درج کیا ہے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ علیؑ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوتے۔ عبداللہ نے کہا میں نہیں جانتا۔ پھر حضرت عمر نے پوچھا، تمھارے باپ رسول اللہ ؐ کے چچا اور تم آنحضرت ؐ کے چچیرے بھائی ہو، پھر تمھاری قوم تمھاری طرفدار کیوں نہ ہوئی؟ انھوں نے کہا مجھے کیا معلوم۔ عمر نے فرمایا، میں اس کی وجہ جانتا ہوں۔ تمھاری قوم تمھارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی، وہ نہیں چاہتی کہ ایک ہی خاندان میں نبوت و خلافت دونوں آجائیں (قوم کا اگر بس چلتا تو نبوت بھی نہ آنے دیتی) رسول اللہ ؐ نے بھی اپنے ایک ارشاد میں علیؑ سے اس بغض و حسد رکھنے کی تصدیق فرمائی ہے۔

حضرت رسول خدا ؐ نے غدیر خم کے میدان میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں اعلان فرما دیا تھا اور کہہ دیا تھا، من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ لیکن دشمنانِ علیؑ نے جب کسی طرح بس نہ چلا تو مولا کے معنی ہی میں کلام کرنا شروع کر دیا اور بجائے اولی بالتصرف کے یار، ناصر و مددگار کے معنی لگانے لگے۔ حالانکہ واقعہ کی صورت اس کے بالکل

خلاف ہے۔ دوپہر کی سخت دھوپ میں تمام مسلمانوں کو روک کر ایک ایسے مقام پر جہاں کوسوں درخت کا سایہ نہ تھا دربار منعقد کرنا اور خطبہ پڑھ کر علیؑ کے مولا ہونے کا اظہار کرنا، پھر حسان بن ثابت کا جو دربار رسولؐ کے نامی شاعر ہیں تہنیت میں قصیدہ پڑھنا، حضرت عمر کا مبارکباد دینا یہ سب قرینے اسی کے ہیں کہ مولا معنی اولیٰ بالتصرف اور حاکم و فرماں روا ہے ورنہ دوستی کے اعلان پر اس قدر مسرت کی کیا ضرورت تھی اور تبلیغ میں کیوں اتنا اہتمام کیا جاتا کیونکہ موافق آیۂ انما المؤمنون بعضہم اولیاء بعض پہلے ہی ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا دوست بن چکا تھا۔ حسان کے قصیدہ میں صاف امام و ہادی کا لفظ موجود ہے ؎

فقال لہ قم یا علیؑ فاننی
رضیتك من بعدی اماماً وھادیاً

یقیناً تمام اصحاب نے یہی مطلب سمجھا تھا جب ہی تو مبارکبادیں پیش کیں۔ استیعاب میں عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث مروی ہے جو اس واقعہ کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ یا علی انت ولی کل مومن ومؤمنۃ من بعدی (اے علیؑ تم میرے بعد ہر مومن و مومنہ کے اوپر حاکم ہو) لفظ من بعدی خود بتا رہا ہے کہ یہاں اس ولی کے معنی دوست کے نہیں بلکہ وہی اولی بالتصرف یا مالک و آقا کے ہیں۔ کیونکہ اگر دوست کے معنی لیے جائیں تو یہ ہوئے کہ علیؑ، رسول اللہؐ کی حیات میں تو کسی مومن و مومنہ کے دوست نہ تھے بعد رسولؐ البتہ ہو جائیں گے۔

تاریخوں کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ آنحضرتؐ کی حیات میں اور نہ آنحضرتؐ کے بعد علیؑ کے سوا اور کوئی صحابی ایسا نہیں جس نے ہر مسئلہ کا تسلی بخش جواب دیا ہو اور کبھی اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہی نہ ہو۔ یہ علیؑ ہی کی ذات تھی جس نے

سرِ منبر بالاعلان یہ کہا سلونی قبل ان تفقدونی (جس بات کو چاہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے نہ پاؤ۔ اہلِ انجیل کو انجیل کے موافق جواب دے سکتا ہوں اور اہلِ توریت کو توریت کے مطابق اور اہلِ زبور کو زبور کے موافق اور اہلِ قرآن کو قرآن کے موافق (ارجح المطالب ص۱۱۱ ازالۃ الخفاء ص۲۶۹ ۔ کنز العمال جلد ۷ ص۲۶۶)

قرآن کی جس آیت کے متعلق چاہو مجھ سے پوچھو۔ کون سی آیت ہے جو مجھے معلوم نہیں کہ رات کو اتری ہے یا دن میں۔ پہاڑ پہ نازل ہوئی ہے یا زمین پہ (تاریخ الخلفاء صواعق محرقہ ص۷۶۔ تفسیر اتقان جلد ۲ ص۱۸۷ ، شرف المؤبد ص۱۱۳ ۔شرح مواقف ص۴۳ کنز العمال۔ ارجح المطالب) پس یہ علیؑ ہی کی زبان حق ترجمان ہے جس سے علوم محمدی کے چشمے بہتے اور دنیا کو سیراب کرتے ہیں۔ علیؑ ہی وہ عالم ہیں جن کے آگے سیاسی امور اور علمی و فقہی مشکلات میں بڑے بڑے صحابہ کے سر جھکتے ہیں صحابہ ہمیشہ علمی مشکلات حل کرنے کے لیے علیؑ کے دروازے پر آتے تھے۔ حضرت عائشہ جو سب سے زیادہ عالمہ اور محدثہ دنیائے اسلام میں شمار ہوتی ہیں۔ خود علیؑ کی علمیت کا اقرار کرتی ہیں اور فرماتی ہیں ۔ انہ اعلم من بقیہ بالسنۃ (وہ بقیہ اصحاب محمدؐ میں سب سے زیادہ سنّت کے جاننے والے ہیں) دیکھو تاریخ الخلفاء ص۱۷۱ ۔ حضرت عمر جو صحابہ میں اعلم و افضل مانے جاتے ہیں لولا علیؑ لھلک عمر اور کبھی نعوذ باللّٰہ من معضلۃ لیس لھا ابا الحسن (یعنی میں پناہ مانگتا ہوں ایسی علمی مشکل سے جس کے حل کرنے والے علی نہ ہوں) کہہ کر ان کی اعلمیت کا اقرار کرتے ہیں (تاریخ الخلفاء ص۱۷۱ ازالۃ الخلفاء ص۲۶۸ - ۲۶۹ - صواعق ص۷۳ - شرح مواقف ص۴۳ ۔ ارجح المطالب ص۱۲۳ ۔ استیعاب)

جبکہ تمام مہاجر و انصار بڑے بڑے اصحاب کبار، عمار یاسر، ابو ایوب انصاری اور حذیفہ یمانی وغیرہ وغیرہ حضرات و شرفائے مدینہ اور بزرگان اسلام باتفاق کامل حتیٰ کہ طلحہ و زبیر بھی علی علیہ السلام کے انکار کرنے پر بھی باصرار بیعت کرتے ہیں اور علیؑ بظاہر خلیفہ اور صاحب سلطنت قرار پاجاتے ہیں تو ایسے وقت میں بھی بنی امیہ اور ان چند لوگوں سے جنہوں نے قدیمی عداوت و حسد کی بنا پر علیؑ سے بیعت کرنا قبول نہ کیا تھا آپ کوئی باز پرس اور مخالفت نہیں کرتے اور ان کو اطاعت و بیعت کے لیے مجبور نہیں کرتے بلکہ مالک اشتر اور عمار یاسر کو جو ایسے لوگوں سے بہ جبر بیعت لینا چاہتے تھے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ جانے دو ان کو ان ہی کے حال پر چھوڑ دو، ہم کو زبردستی اور مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جانتے نہیں ان لوگوں کو مجھ سے قدیمی حسد اور ذاتی کاوش ہے۔ یہی لوگ جب خلافت علیؑ کے متعلق فتنہ و فساد برپا کرنے اور شورشیں پھیلانے کے لیے شام اور مکہ کی طرف جاتے ہیں تب بھی ان کو نہ تو زبردستی روکا جاتا ہے نہ قید کیا جاتا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ جنگ جمل کے واقعہ کے بعد بھی جب بنی امیہ اور مروان وغیرہ اسیر ہو جاتے ہیں اور حضرت عمار یاسر اور دیگر سرداران لشکر امیرالمومنین ان کے قتل کی رائے دیتے ہیں تو بھی علیؑ فرماتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ ہے سیاست الٰہیہ کا ایک نمونہ۔ چونکہ قرآن میں لا اکراہ فی الدین ہے اس لیے علیؑ اس کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ علیؑ کی سیاست ان لوگوں کی سی سیاست نہیں جو بعد رحلت رسولؐ علیؑ کو بیعت پر مجبور کر رہے تھے اور انکار کی صورت میں قتل کرنے اور خانہ سیدہؑ جلانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔ ؎

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

صاحب سیرۃ ہشام اور علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرت رسول خدا علیؑ کو ساتھ لے کر مکّہ کی گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور دونوں وہاں چھپ کر نماز پڑھتے تھے اور شام کو وہاں سے واپس آتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۸۵ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی غیبت سے بچو اور علیؑ کا ذکر برائی سے نہ کرو۔ علیؑ میں تین منزلتیں ایسی ہیں کہ اگر مجھے ان میں سے ایک بھی حاصل ہوتی تو تمام دنیا کی دولت و نعمت سے اور ہر اس چیز سے جس پر آفتاب اپنی روشنی ڈالتا ہے زیادہ محبوب ہوتی۔ ایک روز حضرت رسول خدا کی خدمت میں مَیں اور ابوبکر اور ابوعبیدہ جراح وغیرہ چند اصحاب حاضر تھے کہ آپ نے حضرت علیؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یا علی انت اول المسلمین اسلاماً (یا علیؑ تم مسلمانوں میں اول اسلام لائے ہو) وانت اول المومنین ایماناً (اور تم مومنوں میں اوّل مومن ہو)

سعد ابن ابی وقاص کو معاویہ حکم دیتا ہے کہ علیؑ پر معاذ اللہ سبّ کرو۔ ابوتراب پر لعنت کرو۔ سعد بگڑ کر کہتے ہیں اے معاویہ سن! مجھے علیؑ کے متعلق تین باتیں ایسی یاد ہیں جو رسول اللہؐ نے علیؑ کے متعلق فرمائی ہیں کہ اگر میرے متعلق ان میں سے ایک بات بھی فرمائی ہوتی تو خدا کی قسم سرخ مُو اونٹوں کے ملنے سے زیادہ محبوب اور عزیز ہوتی (عرب سرخ بالوں والے اونٹوں کو دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے) ایک تو رسول اللہؐ نے علیؑ کو انت اخی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الّا لانبی بعدی فرمایا۔ یعنی تمھاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہی ہے جیسی موسیٰ کے ساتھ ہارون کی مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ دوسرے جنگ خیبر میں علیؑ کو علَم عطا فرمایا اور کہا لاعطین

الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ و الرسول (بے شک یہ خصوصیت بھی شیرِ خدا نفسِ رسول ؐ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی کی ہے کہ کسی جنگ میں علیؑ بھاگتے اور فرار ہوتے نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ اور حضرات نظر آتے ہیں۔ کوئی شخص کسی تاریخ سے کسی حدیث سے نہ ثابت کر سکتا ہے اور نہ کر سکتا ہے کہ ایک موقع پر بھی علی رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں) تیسرے مباہلہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے علیؑ و فاطمہ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸ صحیح ترمذی ص ۲۱۴ مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۴ وغیرہ)

طبری ابن السماں نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ گمان کرے کہ وہ مجھے دوست رکھتا ہے۔ درآنحالیکہ تمہارا دشمن ہو (ارجح المطالب)

بابِ سوم

فضائلِ جنابِ سیّدہؑ

مناسب مقام معلوم ہوتا ہے کہ شہزادئ کونین لختِ جگرِ رسول الثقلین کی نورانی زندگی کے حالات پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ ناظرین معلوم کر سکیں کہ رسولِ کریمؐ کی یہ بیٹی کس پایہ کی تھی۔

جس طرح رسولِ عربیؐ تمام رسولوں کے سردار انبیاء کے شرف، فخرِ عالم و عالمیان سید الانس والجان ہیں اسی طرح محبوبِ الٰہی کے جگر کا ٹکڑا، عصمتِ الٰہیہ کا مجسمہ النسیبۃ الحوراء باپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہرا بھی اسلام کی شہزادی جبرئیل کی خوزادی خاتونِ جنت مریم کا شرف خدیجہ کا فخر سردار زنانِ عالم و عالمیان ہے۔ یہ رسولِ آلہی کا قول مسلّمہ علمائے فریقین ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد ۶ ص ۹۷ و ص ۱۱۴ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۰ - جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۷ - اسعاف الراغبین ص ۱۱۵، مشکوٰۃ ص ۵۶۳، ینابیع المودّۃ ص ۱۸۶، مودۃ القربیٰ ص ۹ و ص ۲۴ و ص ۴۵ ارجح المطالب ص ۲۴۳، ص ۲۴۲، ص ۲۴۵، مدارج النبوۃ ص ۵۴۸، خصائص نسائی ص ۴۳، ۴۷ استیعاب جلد ۲ ص ۷۵ - تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۰ و ص ۳۱۳ - نور الابصار ص ۴۶، ۶۷ و ۶۸ -

صاحب مدارج النبوۃ حضرت ام المومنین سیدہ ازواج مطہرات محسنِ اسلام جنابِ خدیجۃ الکبریٰ کے فضائل میں لکھتے ہیں "بس است از فضیلت وے کہ فاطمہ زہراؑ

از شکم وے بود۔ (ص۱۵۹) یعنی جناب خدیجہؓ کے لیے یہی سب سے بڑی فضیلت کافی ہے کہ فاطمہ زہراؑ جیسی بیٹی ان کے لطن سے پیدا ہوئی۔ علامہ شیخ عماد الدین یحییٰ بن ابی بکر بن محمد عامری اپنی کتاب عالیہ بہجۃ المحافل ص۱۸۴ میں بذیل ذکر ازواج مطہرات رسول کریمؐ جناب خدیجہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں ومذہب المحققین انّھا افضل من عائشۃ وان الفاطمۃ افضل من الجمیع یعنی علمائے محققین کا مذہب یہی ہے کہ جناب خدیجہ حضرت عائشہ سے درجۂ فضیلت میں بالا ہیں۔ اور فاطمہ زہراؑ سب سے افضل و برتر ہیں۔ حضرت فاطمہ زہراؑ کی والدہ ماجدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رسولِ خداؐ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں۔ یہی وہ بی بی ہیں جو سب سے پہلے حضرت پر ایمان لائیں۔ اور دینِ اسلام پر اپنا دھن دولت لٹایا۔ بیشک اسلام کی حقیقی محسن کہلانے کی مستحق یہی بی بی ہیں۔ ازواج مطہرات میں بس یہی ایک بی بی اس عظمت و شان کی ہے کہ خدا اس پر سلام بھیجتا ہے۔ دیکھو ینابیع المودۃ ص۵۴۹۔ تذکرہ خواص الامہ ص۱۷۰ صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۸۴ مشکوٰۃ ص۵۶۵۔ رحمۃ للعالمین ص۱۸۷۔ مدارج النبوۃ ص۵۲۹۔ تذکرہ خواص الامہ ص۱۷۰۔ یہ شرف بھی اسی مقدس بی بی سے مخصوص ہے کہ اس کی حیات میں کوئی دوسری عورت آنحضرتؐ کی بی بی بننے کا شرف حاصل نہ کر سکی اور پھر ان کے بعد بھی یہ خصوصیت کسی اور بی بی کو حاصل نہ ہوئی۔ جناب خدیجہؓ کے بعد آنحضرتؐ نے اور بھی شادیاں کیں اور ایک ایک وقت میں متعدد بی بیاں زوجیتِ رسولؐ کا شرف حاصل کرتی رہیں۔ جو قبائلِ عرب اور اصحاب کی محض تالیفِ قلوب یا سیاسی مصلحتوں اور تمدنی پہلوؤں کی بناء پر ہوتی رہیں لیکن جو خصوصیت اور جو شرف جناب خدیجہؓ کے سبب ہے وہ کسی دوسری بی بی کو حاصل نہ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی فضیلت و عظمت میں بس آنحضرتؐ کا وہ ارشاد ہی کافی ہے جو حضرت عائشہؓ کی زبانی اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں درج ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خدیجہؓ کے

بارہ میں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ واللہ ما ابدلنی اللہ خیراً منہا آمنت بی اذ کفر بی الناس وصدقتنی اذ کذبنی الناس واستغنی بمالہا اذ حرمنی الناس ورزقنی اللہ منہا الولد دون غیرہا من النساء (منقول از زہرا صلا) یعنی اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے بدلے میں خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بی بی نہیں دی ہے۔ خدیجہ وہ بی بی ہے کہ جو اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب لوگ میری رسالت سے انکار کرتے تھے اور اسی نے میری اس وقت تصدیق کی ہے کہ جب لوگ میری تکذیب کرتے تھے اور اس بی بی نے اپنے مال سے میری اس وقت مدد کی ہے جب لوگوں نے مجھے مالی امداد سے محروم رکھا تھا اور بس اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بی بی سے نعمتِ اولاد کرامت فرمائی جو کسی دوسری بی بی سے نہیں دی گئی۔

علامہ ابن عبدالبر نے بھی کتاب استیعاب جلد ۲ صلا۷۲ پر اس حدیث کو نقل فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان فرمایا کہ حضرت رسولِ خداؐ کی یہ عادت تھی کہ جب تک جناب خدیجہ کو یاد نہیں کر لیا کرتے تھے گھر سے نہیں نکلتے تھے اور ہمیشہ ان کی مدح و ثنا فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک روز خدیجہ کا ذکر فرمایا۔ مجھے غیرت آئی اور بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا، خدیجہ ایک بڑھیا عورت تھیں اللہ نے ان سے بہتر بی بی آپ کو دی ہے (یعنی عائشہ) یہ سنکر حضرت غضبناک ہوئے اور غصہ سے حضرتؐ کے بال کھڑے ہو گئے اور فرمایا، قسم ہے خدا کی خدیجہ سے بہتر بی بی مجھے نہیں ملی۔ تا آخر حدیث۔

تذکرہ خواص الامہ صلا۱۷ میں بھی مضمون یہی ہے اس میں شک نہیں کہ رسول خدا کی تمام ازواج مطہرات قابلِ تعظیم و تکریم ہیں۔ کسی مقدس بی بی کو فرمایا گیا انت علی الخیر (حضرت ام سلمہ کے متعلق دیکھو نزول آیۂ تطہیر) کسی پیاری

بی بی کی فضیلت میں ارشاد ہوا کفضل الثرید علی سائر الطعام (عائشہ کے متعلق دیکھو ترمذی ص۲۲۸) صحیح بخاری شرح عسقلانی جلد ۶ ص۱۱۶ نیز جلد ۵ ص۳۱۲۔ شارح نے ثرید کی اعلیٰ غذا و لذت کی بھی تشریح کی ہے۔ کسی بی بی کی نسبت کہا گیا ہے۔ انّك لابنة نبی وان عمك نبی و انّك تحت نبی (صفیہ بنت حیّ سے ارشاد ہوا جبکہ عائشہ و حفصہ نے ان کو طعنہ دیا تھا۔ دیکھو ترمذی جلد ۲ ص۲۲۹ و مشکوٰۃ ص۵۶۶) لیکن خدا کی برگزیدہ عورتوں مریم بنت عمران اور جناب آسیہ زن فرعون کی ہم پلّہ بلکہ ان سے افضل و اعلیٰ خیر النساء کہلانے کی مستحق دنیا کی تمام عورتوں میں اگر کوئی بی بی ہوسکتی ہے۔ تو وہ یہی دونوں ماں بیٹی حضرت خدیجہ اور حضرت فاطمہ زہرا ہیں۔ سیر و حدیث کی کتابوں کو دیکھ لیجیے۔ کسی بی بی یا کسی بیٹی کو حضرت مریم و آسیہ کے ہم پلّہ نہیں بنایا گیا۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں۔ فضیلۃ خدیجہ علی النساء النبی کما فضیلۃ مریم علی نساء العالمین (خدیجہ کو ازواج رسول پر ویسی ہی فضیلت ہے جس طرح حضرت مریم کو زنان عالم پر فضیلت ہے) دیکھو ینابیع المودۃ القربیٰ ص۴۳ کبھی ارشاد ہوتا ہے خیر النساء خدیجہ بنت خویلد خیر النساء مریم بنت عمران (خدیجہ بنت خویلد اور مریم بنت عمران دنیا کی بہترین عورتوں میں سے ہیں) دیکھو ینابیع المودۃ ص۱۷۰ ترمذی جلد ۲ ص۲۲۹۔ کبھی فرمایا جاتا ہے۔ افضل النساء الجنّۃ یا خیر نساء العالمین اربعۃ مریم و آسیہ و خدیجہ و فاطمہ۔ اس کے راوی ابن عباس، علی مرتضیٰ اور انس بن مالک ہیں۔ دیکھو ینابیع المودۃ ص۱۷۲ ص۱۷۳، مودۃ القربیٰ ص۹ و ۵۴۔ ارجح المطالب ص۲۴۴ مدارج النبوۃ ص۵۴۹ و ص۵۵۰۔ استیعاب جلد ۲ ص۷۲۰ اصابہ و نور الابصار ص۴۸۔ نیز صحیح بخاری، شرح

صحیح بخاری عسقلانی جلد ۶ ص۱۳۵ تا ۱۲۷۔ خداوندِ عالم کا سلام خدیجہ پر اور حضرت عائشہ کا سوتیا ڈاہ اور غصہ و غضب حضرت خدیجہ کی فضیلت اور رسول اللہؐ کی محبت اور خدیجہ کی یاد وغیرہ۔

جناب خدیجہ اور جناب سیّدہ کی وہ بے نظیر فضیلتیں اور بے مثال منقبتیں ہیں کہ ان پر ازواجِ رسولؐ نے ہمیشہ رشک فرمایا۔ (ترمذی ص۲۲۹ ینابیع المودۃ ص۱۷۱، مدارج النبوۃ ص۵۴۹، مشکوٰۃ ص۵۶۵، استیعاب جلد ۲ ص۷۲۰ نیز صحیح بخاری کے حوالہ جات مندرجہ بالا اور ص۵۵ و ص۱۱۵-۱۱۶ جلد ۶ ص۹۴ و ۹۵۔ مناقب سیّدہ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ کی صلبی بیٹیاں اور بھی تھیں لیکن جب آنحضرتؐ کی سیرت اور سیّدہ کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت اور فاطمہ پر خدا کے انعام و اکرام کا حال پڑھا جاتا ہے تو بے شک ہم کو فاطمہؑ جیسی کوئی دوسری بیٹی نظر نہیں آتی۔ بس یہی وہ بیٹی ہے جس کو آنحضرتؐ کبھی سردارِ زنانِ بہشت فرماتے ہیں کبھی سردار نساء عالمین، کبھی افضل النساء کے لقب سے یاد فرماتے ہیں کبھی صدیقہ کہہ کر پکارتے ہیں (ارجح المطالب ص۲۴۳ خصائص نسائی ص۳۴ ص۳۲ و ص۴۷ وغیرہ) ابتدائے عالم سے تا ایں دم تمام دنیا کی مسلمہ اصول اور ہر قوم و مذہب کا عمل و رواج یہی چلا آتا ہے۔ کہ سلسلہ نسل کو اولاد ذکور ہی میں سمجھا جاتا ہے یعنی بیٹے اور پوتے وغیرہ ہی کسی شخص کی نسل میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر یہ شرف اسی بیٹی کو حاصل ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ کی نسل اس کی اولاد سے چلی، اور بنی فاطمہؑ کو اولادِ رسولؐ اور سیّد کہلانے کا شرف حاصل ہوا۔ اگر زینبؓ اور رقیہ جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے حضرت رسولِ خداؐ کی صلبی بیٹیاں ہوتیں تو یہ فخر ان کو اور ان کی اولاد کو بھی حاصل ہوتا۔ وہ بھی حضرت رسولِ خداؐ کی حیات میں

صاحب اولاد تھیں اور آنحضرت ؐ کی وفات کے بعد بھی ان کی اولاد موجود رہی ہے جیسا کہ حضرت امامہ بنت زینب بعد وفات رسول ؐ موجود تھیں اور صاحب اولاد تھیں اور بہ وصیت جناب سیدہ بعد وفات جناب سیدہ حضرت علیؑ سے عقد ہوا اور پھر امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مغیرہ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور اس سے بھی اولاد ہوئی لیکن نہ تو ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم میں ان کو اور ان کی اولاد کو شرکت کا شرف بخشا گیا اور نہ کسی وقت میں فاطمہ اور ان کی اولاد کی طرح ان کو اور ان کی اولاد کو آل محمدؐ و آل رسولؐ کہلانے کا فخر حاصل ہوا۔ بس یہ شرف و بزرگی تو خدا نے فاطمہؑ ہی کی اولاد کو عطا فرمایا۔ آیۂ مباہلہ اس پر گواہ ہے اور احادیث رسولؐ اس پر شاہد ہیں۔ علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی ذریت طاہرہ کی بناء پر حضرت رسول خداؐ ابتر کہلانے کی طعنہ زنی سے بچے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسی رسولؐ زادی کی اولاد کو خدا نے وہ برکت عطا فرمائی اور ایسی کثرت بخشی کہ آج دنیا کا کوئی گوشہ ان سے خالی نہیں۔ خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر (ہم نے تم کو کوثر یا کثرت سے اولاد بخشی... اور بیشک تمھارا دشمن ہی ابتر یا مقطوع النسل ہے) علامہ ابن اثیر اسد الغابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھتے ہیں انقطع نسل رسول اللہ الا منھا یعنی رسول اللہؐ کی نسل منقطع تھی مگر سیدۂ عالمؑ سے قائم رہی (اسد الغابہ و ارجح المطالب ص ۲۵۹)

علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ میں اور حاکم مستدرک میں حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ لکل اب عصبۃ ینتمون الیہ الا ولد فاطمہ انا ولیھم وانا عصبتھم وھم عترتی وخلقوا

من طینتی (ارجح المطالب صفحہ ۲۶۰ ، ینابیع المودۃ صفحہ ۲۶۶) یعنی ہر ایک باپ کی اولاد اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے لیکن فاطمہؑ کی اولاد کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ وہ میری عترت ہے اور میری طینت سے ان کی خلقت ہے۔ ایسا ہی صواعق محرقہ میں ہے۔

ینابیع المودۃ صفحہ ۱۸۶ میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کل بنی آدم ینتمون الی عصبۃ الا ولد فاطمۃ انا ولیھم وانا عصبتھم یعنی کل بنی آدم اپنے عُصبہ (باپ) کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں مگر اولادِ فاطمہؑ کہ ان کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ فاطمہؑ کی اولاد میری اولاد ہے اور ان کا باپ میں ہوں۔

جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کی ذرّیت کو اس کے صُلب میں قرار دیا گیا ہے مگر میری ذرّیت علیؑ کے صُلب میں قرار پائی ہے (طبرانی - ارجح المطالب صفحہ ۲۵۹ - ینابیع المودۃ صفحہ ۲۶۶ اسعاف الراغبین صفحہ ۱۳۱ ، مناقب احمد حنبل میں ہے ، علی علیہ السلام فرماتے ہیں طلبنی رسول اللہ وجدانی فی حائط نائمًا فحرکنی برجلہ وقال قم انا البشرک انت اخی وابو ولدی یعنی ایک دفعہ رسول اللہؐ میری تلاش میں نکلے ، مجھے ایک دیوار کے نیچے سوتا پایا۔ پائے مبارک سے مجھے ہلا کر فرمایا ، یا علیؑ اٹھو میں تمھیں خوشخبری دوں - علیؑ تم میرے بھائی ہو اور میرے بچوں کے باپ ہو (ارجح المطالب صفحہ ۲۵۹) غرض کہ علمائے اسلام کی تصانیف میں متعدد روایات واحادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ زہراؑ اور ان ہی کے فرزند حسنؑ و حسینؑ رسولؐ کی اولاد ہیں پس دوسری بیٹیوں یا ان کی اولاد کو خلافِ حکمِ رسولؐ سیّدہ اور اولادِ رسولؐ کے الفاظ سے یاد کرنا ایسا ہی نامناسب اور خلافِ قول وفعلِ رسولؐ

ہے جس طرح دیگر انبیاء کو سید المرسلین یا خاتم النبیین کے القاب سے یاد کرنا۔ کس کی طاقت ہے کہ سیدۂ عالمؑ کے فضائل و مناقب بیان کر سکے۔ وہ شکل و شمائل، صورت و سیرت، چال ڈھال اور رفتار و گفتار میں اپنے باپ کا مکمل نمونہ تھیں۔ جیسا کہ خود حضرت عائشہ نے بیان فرمایا ہے۔ دیکھو صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ ، اور خصائص نسائی صفحہ ۳۴۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۵۱۔ مولوی عبد الحق دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ دے سیدہ نساء العالمین و سیّدہ نساء اہل جنت است تسمیہ کردہ شد بفاطمہ زہرا کہ حق تعالیٰ باز داشت او را و محبان او را از آتش دوزخ و بتول از جہت انقطاع وے از نساء زمان خود در فضل و دین و حسن و جمال و انقطاع وے از ما سوائے اللہ و زہرا از جہت زہرت و عصمت و جمال و کمال وے و زاکیہ و راضیہ نیز از القاب شریف اوست و بود اشبہ الناس برسول خدا در راہ و روش و صورت و سیرت و بود آنحضرت کہ چوں مے در آمد فاطمہ بروے مے ایستاد و مے گرفت دست شریف او را و مے ایستاد و مے رفت و لبسوئے آنحضرت وے گرفت، دست مبارک آنحضرت را و مے نشاند بجائے خود جب فاطمہؑ سلام کو حاضر ہوتی ہیں تو رسولؐ تعظیم کو اٹھتے ہیں۔ محبت بھرے دل سے بیٹی کا ہاتھ پکڑتے ہیں، پیشانیٔ انور کو چومتے ہیں اور اپنی جگہ پر فاطمہؑ کو بٹھاتے ہیں اور اسی طرح جب حضرت رسولِ خدا، فاطمہؑ کے گھر بیٹی سے ملنے کو تشریف لے جاتے ہیں تو فاطمہؑ تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ دروازہ تک استقبال کو آتی ہیں۔ باپ کا دستِ حق پرست چوم کر اپنی جگہ لا کر بٹھاتی ہیں اور جب حضرت مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے ہیں تو سب سے رخصت ہو کر آخر میں فاطمہؑ سے ملنے اور رخصت کرنے آتے ہیں اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے ہیں تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہؑ کے گھر ملنے کے لیے جاتے ہیں اس کے بعد کسی اور سے ملتے ہیں۔

یہ باتیں فاطمہ زہراؑ ہی سے مخصوص تھیں (مدارج النبوۃ ص۵۴۳ ، وسیلۃ النجات
اسعاف الراغبین ص۱۶۸ و ۱۶۹) سیدہ بیمار ہوتی ہیں، رسول خداؐ عیادت کو
تشریف لاتے ہیں، مزاج پرسی فرماتے ہیں۔ بیٹی اپنی تکلیف کو بیان کرتی ہیں
اور عرض کرتی ہیں، بابا اس وقت ہمارے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔ حضرت فرماتے ہیں بیٹی
کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو تمام عالم کی عورتوں کی سردار ہے۔ عرض کی باباجان اور مریمؑ
بنت عمران کدھر گئیں۔ فرمایا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہے اور تم سب زمانہ کی عورتوں کی سردار ہو۔ خدا
کی قسم تمہارا شوہر دنیا و آخرت کا سردار ہے (رحمۃ للعالمین جلد ۲ ص۱۴۰ : استیعاب جلد ۲ ص۷۵۰)
کبھی زبانِ نبوت سے ارشاد ہوتا ہے۔ فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی و
من اغضبھا فقد اغضبنی (فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہؑ کو اذیت
دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک
کیا (صحیح بخاری۔ شرح عسقلانی جلد ۶ ص۹۷ و ص۹۸۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص۲۹۱ ، ص۲۹۲
ترمذی ص۶۳۵ ، مدارج النبوۃ ص۵۴۳ ، وسیلۃ النجات ص۲۰۸ وغیرہ۔ کبھی فرماتے ہیں۔
ان اللہ لیغضب لغضب فاطمہ و یرضی برضاھا (فاطمہؑ کا غضب، خدا
کا غضب ہے اور فاطمہؑ کی رضا خدا کی رضا ہے) (مدارج النبوۃ ص۵۴۳) کبھی
ارشاد ہوتا ہے، اے علیؑ ، فاطمہؑ تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم فاطمہ سے زیادہ
عزیز ہو (مدارج النبوۃ ص۵۴۳ ، اسعاف الراغبین ص۱۶۵) حضرت عائشہ فرماتی
ہیں کہ عورتوں میں رسول اللہؐ کو فاطمہ زہراؑ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا اور مردوں
میں علیؑ سے زیادہ پیارا نہ تھا (استیعاب جلد ۲ ص۷۵۱) جمیع ابن عمر بیان کرتا
ہے۔ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ لوگوں میں
رسول اللہؐ کو سب سے زیادہ کون پیارا تھا ؟ فرمایا ، فاطمہؑ۔ میں نے پوچھا
اور مردوں میں کون زیادہ عزیز تھا ؟ انھوں نے کہا ، فاطمہؑ کا شوہر (علیؑ)

اسعاف الراغبین صـ۱۵۱۔ یہی وہ پیاری بیٹی ہے جو ام ابیہا کی کنیت سے یاد کی گئی۔
علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ کانت کنیۃ فاطمہ بنت رسول اللہ ام ابیھا
یعنی فاطمہ زہرا کی کنیت ام ابیہا تھی۔ یعنی اپنے باپ کی ماں (استیعاب جلد۲ صـ۷۵۲)
حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اے فاطمہ زہرا ہم نے رسول خدا کو آپ سے زیادہ کسی
کے ساتھ محبت اور پیار کرتے نہیں دیکھا (مدارج النبوۃ صـ۵۴۴) پس غور فرمایئے
کہ سیدہ عالم کا کیا مرتبہ ہے۔ فاطمہ کے سوا کون ہے جس کے متعلق حبیب خدا
نے یہ فرمایا ہو۔ انا سلم لمن سالمکم وحرب لمن حاربکم
(صحیح ترمذی) یعنی جو تمہارا دوست ہے وہ میرا دوست ہے جس نے تم سے
جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی۔

فاطمہ زہرا وہ بی بی ہیں جن کے سر پر چادر تطہیر کا سایہ ہے۔ اسی بی بی اور
اس کے شوہر اور اس کے دو بیٹوں حسن و حسین کو اپنی چادر میں لے کر رسول خدا
نے فرمایا تھا اللھم ھؤلاء اھل بیتی انا سلم لمن سالمکم وحرب
لمن حاربکم انہی کی شان میں خدا نے یہ آیت نازل کی۔ انما یرید
اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا اس
کے بعد سے چھ مہینوں حضرت کا یہ عمل رہا کہ وقت صبح جب مسجد میں نماز پڑھنے
کے لیے تشریف لے جاتے تو فاطمہ زہرا کے دروازے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے
الصلوٰۃ الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم
الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (ترمذی صـ۵۳) روزانہ
عمل سے دکھلا رہے ہیں کہ یہی وہ اہلبیت نبوت و رسالت ہیں جن کو خدا نے
پاک و پاکیزہ بنایا ہے۔ اگر کوئی پوچھتا ہے کہ اہل بیت کون ہیں تو فرماتے ہیں
ھم فاطمۃ وابوھا وبعلھا وبنوھا (فاطمہ اور ان کے والد ان کا شوہر

اور ان کے بیٹے) میرے استادِ معظم جناب سرکار علامہ سید محمد سبطین صاحب ادام اللہ برکاتہم نے اپنے رسالہ الحق الجلی فی تحقیق اہل بیت ؑ ہی میں نہایت محققانہ طور سے بدلائل ساطعہ و براہین لامعہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ آیت پانچ ہی بزرگوں سے مخصوص ہے۔ کتب تفسیر مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر حسینی، تفسیر بیضاوی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر نیشاپوری، تفسیر دُرِ منثور، تفسیر جامع البیان مدارک، کشاف زمخشری، بیضاوی بغوی، جلالین، اکلیل جلال الدین سیوطی وغیرہ میں بذیل تفسیر سورۂ احزاب مستند راویوں اور معتبر علماء سے ۱۶ طریق پر اور صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۳، صحیح ترمذی صفحہ ۵۳، مدارج صفحہ ۵۴۱، وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۲۰۵ مطالب السئول صفحہ ۲۵، صواعق محرقہ صفحہ ۸۵، فصول المہمہ صفحہ ۹، ینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۱ صفحہ ۱۰۸، اسعاف الراغبین صفحہ ۱۰۴، صفحہ ۱۰۵، صفحہ ۱۰۶، دراسات اللبیب صفحہ ۲۰۶ نور الابصار صفحہ ۱۲۶، ازالۃ الخفاء، ہدایۃ السائل صفحہ ۵۴، مسند احمد حنبل، طبرانی مستدرک نسائی صفحہ ۵، شفائے قاضی صفحہ ۲۱۳ وغیرہ کتابوں میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے علمائے فریقین نے تواتر کے ساتھ درج فرمایا ہے کہ یہ آیت پنجتن پاک کی شان میں ہے مگر دشمنانِ اہل بیت اور امیر معاویہ کے زلہ خواروں نے اہل بیت کی اس مسلمہ فضیلت کو مٹانے اور نادان مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے یہ لکھ مارا ہے کہ چادرِ تطہیر کا فسانہ علیؑ کے دوستوں کا من گھڑت قصہ ہے۔ خاک بدہانش ؎

مہ نور مے فشاند و سگ بانگ مے زند
سگ را بپرس خصم تو با ماہتاب چیست

آمدم بر سرِ مطلب۔ جب حضرت رسولِ خداؐ کو نصارائے نجران سے مباہلہ کا حکم ہوتا ہے تو فاطمہ زہراؑ بھی بحکم خدا باپ کے ساتھ اسلام کی صداقت و حقانیت

کی گواہ بنکر نکلتی ہیں اور آیۂ مباہلہ میں نساءکم کا مصداق قرار پاتی ہیں۔ یہی رسولؐ کی بیٹیؑ اور ان کے شوہر اور بیٹے رسولؐ کے تمام کنبے میں ایسے تھے جن کی دعا بارگاہِ الٰہی سے رد نہ ہو سکتی تھی۔ یہی تثلیث کو شکست دینے والے اور توحید کو ثابت کرنے والے تھے۔ انہی سے رسولؐ نے یہ کہا تھا کہ جب میں دعا مانگوں تو تم ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا، دیکھو صحیح مسلم ص۲۷۸ جامع ترمذی ص۷۸۸ صواعق محرقہ ص۸۷ و ص۹۳ معارج ص۳۰۷ تذکرہ خواص الامہ ص۹ و ص۱۱، شفائے قاضی ص۲۱۳ ینابیع المودۃ ص۵۲ و ص۲۳۲ - فصول المہمہ ص۸ مدارک ص۵۵ التفسیر حسینی ص۷۵ تفسیر ملا ابو سعود ص۶۹۸، جذب القلوب ص۹۱ وغیرہ۔

دنیا کی عورتوں میں یہی وہ اکیلی عورت ہے جس کے شوہر کا انتخاب دربارِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ یہی وہ مقدس رسول زادی ہے جس کا نکاح عرشِ علا پر صفِ ملائکہ میں لسانِ قدرت سے پڑھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے عالی منزلت صحابہ سیدہ سے شادی کی آرزو رکھتے ہیں۔ دربارِ رسالت میں جو درخواستیں پیش ہوتی ہیں حضرت سب کے جواب میں یہی فرماتے ہیں کہ فاطمہ کا اختیار مجھ کو نہیں بلکہ جس کی وہ کنیز ہے وہی مالک و مختار ہے۔ وہ جس کو فاطمہؑ کا کفو خیال فرمائے گا اسی کو شوہر قرار دے گا۔ حضرت ابوبکر نے درخواست کی، یہی جواب ملا۔ حضرت عمر نے خواہش کی یہی ارشاد ہوا۔ (سیرۃ النبی، معارج النبوۃ، سیرۃ محمدی، صواعق محرقہ، روضۃ الاحباب، اسعاف الراغبین، رسالہ بارہ امام۔ خواص الامہ وغیرہ)

آخر علیؑ کے مرتبہ شناس اور رسولِ خداؐ کے مزاج داں اصحاب مثلاً حضرت ابوبکر و عمر و سعد بن معاذ مسجدِ رسولؐ سے اٹھتے ہیں۔ علیؑ کی تلاش میں نکلتے ہیں، ان کو انصار کے نخلستان میں مزدوری کرتے اور درختوں کو پانی دیتے ہوئے پاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر بڑھ کر فرماتے ہیں یا علیؑ فضائلِ شریفہ اور مناقبِ عالیہ

میں بلاشک آپ کو سب پر سبقت حاصل ہے۔ رسولِ خدا کے حضور میں جو قدر و منزلت آپ کی ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں۔ آپ رسول اللہ کی خدمت میں جا کر فاطمہؑ کی خواستگاری کریں۔ اگرچہ تمام قریش کی درخواستیں نامنظور ہو چکی ہیں مگر امید ہے کہ آپ کی درخواست ضرور قبول ہو جائے گی۔
(معارج النبوۃ ص۳۳)

ادھر علیؑ بیت الشرف رسالت کو روانہ ہوتے ہیں۔ اس طرف دربار احدیت سے جبرئیل امین سرکار رسالت میں پہنچتے ہیں، خدا کا حکم پہنچاتے ہیں کہ ہم نے اپنی کنیز خاص فاطمہؑ کا عقد اپنے خانہ زاد عبدِ خاص علیؑ بن ابی طالب سے کر دیا۔ علیؑ فاطمہؑ کا ہم پلہ ہے۔ اس عقد پر ملائکہ میں تہنیت کا شور ہے اور آسمانوں پر مبارکباد کا غل۔ اب آپ دنیا میں بھی علیؑ سے فاطمہؑ کا نکاح کر دیجیے۔ الغرض علیؑ دروازۂ رسولؐ پر دستک دیتے ہیں۔ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ ام سلمہ سے فرماتے ہیں دروازہ کھولو۔ فھذا رجلٌ یحب اللہ و رسولہ ویحبّانہ۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے (معارج النبوۃ ص۳۲) ام سلمہ دروازہ کھولتی ہیں۔ علیؑ حاضر ہوتے ہیں۔ سلام عرض کرتے ہیں۔ شرم سے سر جھکا کر سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے دریافت کرنے پر عرض مطلب کرتے ہیں۔ حکم خدا کے مطابق منظوری کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ شادی کی تیاری ہوتی ہے۔ علیؑ کی زرہ چار سو اسی درہم پر فروخت ہوتی ہے اور یہی مہر قرار پاتا ہے۔ جہیز کا سامان آتا ہے۔ ولیمہ کی تیاری ہوتی ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ خطبہ فرماتے ہیں اور نور کا پیوند نور سے قرار دیتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو معارج النبوۃ ص۳۲-۳۳۔ مدارج النبوۃ ص۹۱

تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۰۷ و صفحہ ۴۰۴ ۔ فصول المہمہ صفحہ ۱۴۶ و صفحہ ۱۴۷، سیرت محمدی ۔ سیرت النبی صفحہ ۲۶۷، ینابیع المودۃ صفحہ ۱۷۵/۱۷۷، صواعق محرقہ صفحہ ۹۷/۱۰۳، تاریخ احمدی صفحہ ۳۶ ارجح المطالب صفحہ ۲۵۳/۲۵۴، اسد الغابہ، مناقب احمد حنبل، حافظ ابو حاتم دیلمی دیلمی خوارزمی، روضۃ الاحباب، الزہرا صفحہ ۳۲ تا ۵۰ ۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۴۶ نور الابصار صفحہ ۶۹، تذکرۂ خواص الامہ صفحہ ۱۴۳، صفحہ ۱۴۴ وغیرہ وغیرہ ۔

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ ایک روز میں خدمتِ رسول میں حاضر تھا کہ حضورِ انور پر وحی کے آثار نمایاں ہوئے ۔ جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو مجھ سے فرمایا اے انس مجھے خدا کا حکم پہنچا ہے کہ فاطمہ کی تزویج علیؑ سے کر دوں پس تم جاؤ اور ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور انصار کو بلا لاؤ ۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ایک خطبہ بکمال فصاحت و بلاغت ارشاد فرمایا ۔ اس موحدِ حقیقی خدا کے محبوب نے اپنے پیارے خدائے وحدہٗ لاشریک کی حمد و ثنا میں توحید کے پھول برسائے اور حمد باری کے غنچے کھلائے اور پھر رشتہ و مراتب صلۂ رحم اور تعلق نسبی و حسبی شادی بیاہ ازدواج کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ۔ خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کی تزویج علیؑ سے کر دوں پس لوگو میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا عقد علیؑ سے چار سو مثقال چاندی پر کر دیا ۔ اگر علیؑ راضی ہوں ۔ یہ سنت قائم اور فریضہ واجب ہے خدا ان دونوں کو برکت کرامت فرمائے اور ان کی نسل کو پاکیزہ و طاہر بنائے اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت کی کنجیاں اور اپنی حکمت کی کانیں بنائے ۔ اور امت کے لیے وجہ امان قرار دے ۔ پھر بکمال مسرت علیؑ سے فرمایا، علیؑ بحکم خدا میں نے فاطمہؑ کو تم سے تزویج کیا اور چار سو مثقال چاندی (انگریزی سکہ سے تقریباً ۱۰۷ روپیہ) فاطمہؑ کا مہر قرار دیا ہے ۔ علیؑ نے عرض کی میں راضی، میں خوش ۔

یہ کہہ کر سجدۂ شکر کو جھک گئے (نور الابصار امام شبلنجی۔ الزہرا صہ ۳۵۔ ینابیع المودۃ صہ ۱۸۵ ارجح المطالب وغیرہ)

حضرت عمر بیان فرماتے ہیں۔ قد نزل جبرئیل فقال ان اللہ یامرك ان تزوج فاطمہ من علی یعنی جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کی خداوند عالم حکم دیتا ہے کہ فاطمہ کی تزویج علیؑ سے کی جائے (ارجح المطالب از ابن سمان صہ ۲۵۳)

حضرت ام سلمہ ناقل ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ تھا (ارجح المطالب از دیلمی صہ ۲۵) علامہ عبدالبر استیعاب جلد ۲ صہ ۶۴ میں بذیل ذکر علیؑ لکھتے ہیں" رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو جو سیدہ نساء ہیں (ماسوا مریم بنت عمران) علیؑ سے تزویج فرمایا سنہ ۲ ھ میں اور فاطمہ زہراؑ سے فرمایا، تمھارا شوہر دنیا و آخرت کا سردار ہے۔ از روئے اسلام لانے کے سب سے اول ہے۔ اور علم میں بھی سب سے زیادہ ہے اور حلم میں بھی سب سے برتر ہے (معارج النبوۃ صہ ۳۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ دین و دنیا کی صاحبزادی اسلام کی شاہزادی کے جہیز کا ذکر بھی کچھ کر دیا جائے۔ بروایت مدارج النبوۃ علیؑ کی زرہ چار سو اسّی درہم میں فروخت کی گئی تھی۔ اسی رقم میں سے کچھ روپیہ دے کر ابوبکر، سلمان اور بلال کو جہیز خریدنے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ بازار سے دو چادریں، دو قمیصیں، ایک مقنعہ دو چاندی کے بازو بند، ایک بان کی چارپائی، ایک چمڑے کا گدا جس میں بجائے روئی کے کھجور کے پتے بھرے تھے، دو چکیاں، ایک مشک اور پانی کے لیے چند گھڑے کچھ مٹی کے پیالے اور کچھ خوشبو لے کر آئے۔ جب آنحضرتؐ نے بیٹی کے اس سامان کو دیکھا چشم مبارک میں آنسو بھر لائے۔ اور ہاتھ

اٹھا کر دعا کی، بارِ الٰہا تو اس گروہ کو برکت دے جس کا زیادہ سامان مٹی کے برتن ہوں یہ ہے زہدِ آلِ محمدؐ، یہ ہے سیرتِ محمدیہ، بیٹی اور داماد کو نہ کوئی جاگیر بخشی جاتی ہے نہ زر و جواہر کے تحفے دیے جاتے ہیں بلکہ چند مٹی کے برتن ہیں، ایک چکی ہے اور دو جوڑے کپڑے۔ بس یہی شہزادیٔ کونین کا جہیز ہے (مدارج النبوۃ ص۹۷ سیرۃ النبی ص۲۶۵ الزہرا ص۴۳) روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی شادی کا ولیمہ ایسا دیا گیا تھا جو اس زمانہ کے رواج کے موافق اعلیٰ درجہ کا خیال کیا جاتا تھا۔ رسولِ خداؐ نے سامانِ دعوت منگوایا۔ تمام مہاجر و انصار کو مدعو کیا۔ ایک ایک کو سیر ہو کر کھلایا۔ رسالہ خاتونِ جنت ص۱۰۲، الزہرا ص۵۳ و ۵۰۸، اسعاف الراغبین ص۸۴۔ مدارج النبوۃ ص۹۷، روضۃ الاحباب، ذخائر العقبیٰ وغیرہ)

امام احمد بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ ولیمہ کی دعوت ضروری ہے۔ سعد نے کہا، میں اس دعوت کے لیے مینڈھا پیش کرتا ہوں۔ کسی نے کہا میں فلاں چیز لاتا ہوں، کسی نے کہا میں فلاں چیز لاتا ہوں لیکن حضرت نے منظور نہ کیا۔ جابر انصاری کا بیان ہے کہ میں علیؑ و فاطمہؑ کی دعوتِ ولیمہ میں حاضر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس سے بہتر اور عمدہ دعوتِ ولیمہ کسی کی نہیں دیکھی۔ رسول اللہؐ نے ہمارے لیے مویز خرما چھوارے سے کھانا تیار کرایا تھا۔ (صحیح مسلم) اسعاف الراغبین ص۸۴

غرض کہ بلبلِ سدرہ چہچہایا۔ فرشتوں میں جشن کی دھوم ہوئی۔ مبارکباد کے غلغلے بلند ہوئے۔ تہنیت کی صدائیں آنے لگیں۔ رضوان نے جنت کو سنوارا بہشت میں بہاریں آئیں۔ کوثر نے جوشِ مسرت میں لہریں ماریں۔ جنت کی کلیاں مسکرائیں، غنچے کھلکھلائے۔ نرگس نے آنکھیں ملیں، سنبل نے بال سنوارے سوسن نے مبارکباد کے لیے زبان کھولی۔ طوبےٰ نے نچھاور کے لیے پھول برسائے۔

نسیم نے جھولیاں بھرلیں۔ حورانِ جنت نے لوٹ مچائی۔ تہنیت کے نغمے گائے۔ اصحاب نے مبارکبادیں دیں۔ رب جلیل نے انعام واکرام کے ہدیے دیے اور درود وسلام کے تحفے بھیجے۔ فاطمہ نے دوگانے پڑھے اور علیؑ نے شکر کے سجدے کیے۔ غرض کہ اس مبارک شادی کی رسمیں تمام ہوئیں۔ علیؑ کا گھر آباد ہوا۔ (استیعاب امام ابونصر ہمدانی۔ الزہرا۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۷۰)

سیرو تاریخ کی کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسولِ عربیؐ کا لاڈلا جاں نثار شاگرد پیارا بھائی تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ رسالت پہ سونے والا علیؑ ابن ابی طالب جس طرح ہجرت سے پہلے مکہ میں نبی کے سایہ کی طرح محبوبِ الٰہی کے ساتھ ساتھ ہی رہتا تھا۔ اسی طرح اب ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی پہنچ کر علیؑ، رسولؐ کے ہی ساتھ رہتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے اصحاب کی طرح آپ نے علیحدہ گھر میں سکونت اختیار نہیں کی۔ سیرۃ النبی صفحہ ۲۶۸) اب شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ پس خانۂ رسالت کے پہلو میں یعنی رسول اللہؐ کے گھروں کے بیچ میں خانۂ امامت آباد کیا گیا اور علیؑ و فاطمہؑ اس گھر میں فروکش ہوئے۔ مولانا عبدالحق دہلوی جذب القلوب صفحہ ۱۸۰ پہ تحریر فرماتے ہیں:-

"خانۂ فاطمہ زہرا ہمیں جا بود کہ آں صورت قبر شریف او درانجاست ومیان خانہ او و درخانۂ پیغمبر کہ حق عائشہ بود دریچہ بود کہ آں را خوخہ گویند واکثر اوقات بر آمدن آں سرور ازینجا بود و ہر بار کہ مے آید از احوال فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ خبر میگرفت و احوال مے پرسید۔ نیم شبے عائشہ بایں جانب برآمدہ بود و میان وے و فاطمہ بر سر آں گفتگوئے واقع شد بعد ازاں فاطمہ بحضرت التماس کرد تا ایں دریچہ را بربست۔ طبرانی از روایت

ابی ثعلبہ آرد کہ چوں آنحضرت سفرے قدوم مے آورد ابتدا المسجد مے کرد و دو رکعت نماز مے گزارد و بعد ازاں پیش فاطمہ مے آمد و پرسش احوال خیر مآل او نمودہ در بیوت امہات المومنین مے رفت۔" اور دیکھو خصائص نسائی صفحہ ۵۵ اور ارجح المطالب صفحہ ۱۹۹

عبداللہ بن عمرؓ علیؓ کے فضائل و مراتب پوچھنے والے کو علیؓ کے گھر کا پتہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہے علیؓ ابن عم رسولؐ کا گھر جو رسول اللہؐ کے گھروں کے اندر ہے۔ سوائے علیؓ کے اور کسی کا گھر تجھے رسولؐ کے گھر کے پاس نظر نہ آئے گا۔ پھر اس سے فرماتے ہیں۔ شاید تجھے علیؓ کی یہ فضیلت ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ خدا تیری ناک زمین میں رگڑے، جا اپنے رنج میں مر جا تو علیؓ سے بغض رکھتا ہے۔ خدا تجھ سے بغض رکھے (ارجح المطالب صفحہ ۱۹۹)

غرض کہ شادی کے بعد جب فاطمہؑ اپنے نئے گھر میں آباد ہوئیں تو حضرت ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور علیؓ کے سینہ و بازو پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان کے سب سے افضل شخص سے تمھارا نکاح کیا ہے۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۲۶۵) صاحب روضۃ الاحباب نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے جو تقریباً انھیں الفاظ میں ہے البتہ چند دعائیہ فقرے جن سے فضائل علیؓ کا اظہار ہوتا ہے اور نقل کیے ہیں۔ مولانا شبلی نے ان کو غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے پانی چھڑک کر یہ دعا فرمائی۔ اللھم انھما منی وانا منھما اللھم کما اذھبت عنی الرجس وطھرتنی فطھرھما (خدایا یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں

ان دونوں سے ہوں۔ بارِ الہا جس طرح تو نے ہر رجس و عیب اور ہر نجاست و برائی کو مجھ سے دور فرمایا ہے اور مجھے پاک و پاکیزہ بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو بھی پاک و پاکیزہ بنا دے۔ پھر فرمایا۔ برخیزید و بجائے خواب خود بروید خداوند تعالیٰ میانِ شما الفت و ہا و برکت کنادو درنسل شما، خود برخاست کہ از خانہ بیروں رود فاطمہ درگریہ افتاد پیغمبر فرمود اے دخترِ من چہ خبر ترا در گریہ مے آرد، بہ تحقیق کہ ترا بکسے بزنی دادم کہ اسلام وے از ہمہ پیش و علم وے از ہمہ بیش و خلق وے از ہمہ بہتر و عرفان وے بخداوند تعالیٰ از ہمہ زیادہ است و چوں سید عالم را گماں شد کہ فاطمہؓ بہ جہت آں گریہ مے کند کہ علیؑ را مالے نیست۔ فرمود اے جانِ پدر در حق تو تقصیر نکردم کسے را شوہر تو گردانیم کہ بہترین امت من است و ایم الذّی نفسی بیدہٖ لقد زوجتك سيدًا فی الدنیا والآخرۃ ومن الصالحین (قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ بے شک میں نے تمہاری شادی اس شخص سے کی ہے جو دین و دنیا کا سردار ہے اور صالحین میں سے ہے) روضۃ الاحباب، الزہراؑ ص۵ معارج النبوۃ ص۳۸۔ صواعق محرقہ ص۸۴۔ مسند امام احمد حنبل۔

حضرت سیّدہ جس طرح شکل و صورت، رفتار و گفتار میں اس مقدس باپ کی تصویر تھیں اسی طرح سیرت و شمائل اور اخلاق و عادات میں بھی سیرتِ محمدی اور معرفتِ الٰہی کا آئینہ تھیں۔ ان کے فضائل و مناقب کا بالکلیہ احاطہ تحریر میں لانا ایسا ہی طاقتِ انسانی سے باہر ہے جس طرح سیرتِ محمدیہ کے اتھاہ سمندر کو الفاظ کے کوزہ میں لے آنا۔ بڑے بڑے علمائے جلیل القدر اور لائق و فائق مورخین سابق و حال نے بیشمار کتابیں اور رسالے سیرتِ

فاطمہ کے متعلق تصنیف و تالیف فرمائے ہیں اور تاریخ اسلام اور سیرتِ محمدیہ کے ضمن میں بھی سیرتِ فاطمیہ پر روشنی ڈالی ہے۔ بے شک ہر ایک بیان اور ہر ایک تقریر اپنے اپنے رنگ میں سیرتِ فاطمہ کے ایسے انمول موتیوں کی لڑی ہے کہ جن کی جوت سیرتِ محمدیہ کے مہرِ درخشاں سے لڑتی ہے اور خُلقِ محمدی کی جھلک دنیا کو دکھلا رہی ہے۔ یقیناً سیرتِ فاطمہ کے یہ ایسے سدا بہار گلدستے ہیں جو عالم میں خُلقِ محمدی کی مہک پھیلا رہے ہیں اور ہمیشہ پھیلائیں گے اور دنیا کو اصلی تمدنِ اسلام اور حقیقی معاشرتِ محمدی کے سبق پڑھا رہے ہیں اور پڑھائیں گے۔ ان کے ہوتے ہوئے میری کیا طاقت کہ سیرتِ فاطمہ کے متعلق کچھ بیان کر سکوں۔ بے شک یہ مقام ہے کہ ؎ قلم اینجا رسید و سر بشکست۔ مگر تیمناً و تبرکاً کچھ واقعات ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اسلامی تاریخوں کے پڑھنے اور حدیث و سیر کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین محسنۂ اسلام جناب خدیجۃ الکبریٰ کی آنکھوں کا تارا رسولِ الٰہی کے جگر کا ٹکڑا سیدۂ عالم و فاطمہ زہرا وہ کامل الایمان نبی زادی ہے جس نے اسلام کی چھاتیوں سے دودھ پیا۔ رسولِ الٰہی کے مبارک ہاتھوں نے تھپک تھپک کر سلایا۔ تسبیح و تقدیسِ الٰہی کے پنکھے جھلے۔ توحید کی گودیوں میں کھیلی۔ آغوشِ رسالت میں پلی۔ معرفت کے گہواروں میں سوئی۔ نبوت کی زبان سے عرفانِ الٰہی کی لوریاں سنیں۔ زبانِ محمدی نے توحید کے سبق پڑھائے معرفت کے درس دیے۔

زمانہ کی عورتیں، دنیا کی لڑکیاں عموماً اچھے اچھے کپڑوں، عمدہ عمدہ زیوروں کی طبعاً شائق اور فطرتاً دلدادہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح لڑکیاں گڑیوں سے کھیلنے اور کھیل تماشے دیکھنے کی طرف بھی فطرتاً و طبعاً مائل و راغب ہوتی ہیں۔

مگر یہ مقدس بچی ان سب کھیل تماشوں اور دنیوی بناؤ سنگار سے فطرتاً متنفر اور کوسوں دور نظر آتی ہے۔ نہ کبھی گڑیاں کھیلتی دکھائی دیتی ہے نہ کھیل تماشوں کی شائق معلوم ہوتی ہے۔ اس کی بجائے کبھی ماں کی گود میں معرفتِ الٰہی کے تذکرے کر رہی ہے کبھی باپ کے سینے سے لپٹی یادِ الٰہی میں مشغول نظر آتی ہے۔

رسالہ خاتونِ جنت کے لائق مؤلف نے حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد فاطمہ زہراء کے حالات زندگی کو اپنے خیال کے مطابق یوں بیان فرمایا ہے

"رسولِ کریم کو تبلیغ اسلام کے عظیم الشان کام سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی جناب رسول کو ایک چیز کا عشق تھا اور وہ محبوب چیز اسلام تھا۔ اسلام کے عشق میں آپ نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ آپ کی حیات کا مقصد اولین صرف اسلام تھا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے اسلام ہی کا درد تھا مخالفین کی ستم آفرینیوں نے جناب کو اور بھی مشوش بنا رکھا تھا۔ ایسی حالت میں معصوم بچی کی کیسے دلداری کر سکتے تھے۔ تاہم فاطمہ جناب کے جگر کا ٹکڑا تھیں، دل کا سرور تھیں، آنکھوں کا نور تھیں۔ رسالت مآبؐ کو زہراؑ سے بیحد محبت تھی۔ جب فرصت ہوتی، فاطمہؑ کے حال پر لطف فرماتے، دلاسا دیتے۔ جناب اگر تبلیغ کے لیے باہر جاتے تو فاطمہؑ اصرار فرماتیں کہ ابا جان مجھے بھی ہمراہ لے چلو۔ آہ کیسی رقت انگیز حالت تھی۔ رسولؐ کا جگر پارہؑ خدیجہ مغفورہ کا دلارا اور یہ غربت و یتیمی، گھر میں نہ کسی کا سہارا نہ باہر جانے کا یارا بایں ہمہ ضبط و تحمل کے مالک تھے۔ باپ تھا تو صابر، بیٹی تھی تو راضی برضا۔ مال و زر سے خالی تھے پر صبر و توکل کے خزانے سے معمور تھے۔ استقلال ان کے وجود پر ناز کرتا تھا۔ یاس و حسرت بھی اس گھر میں نہ

آتی تھی۔ نامرادی و ناشادی ہمیشہ ان کی زیارت سے محروم رہی، سیدہ گو معصوم تھیں لیکن نہایت پاکدامن اور نیک نفس بی بی تھیں۔ رسول کریم کے ارشادات پر صدق دل سے عمل فرمایا کرتی تھیں اور کبھی ضد یا ہٹ نہ کرتی تھیں۔" (منقول از رسالہ زہرا صفحہ ۲۳)

نیز رسالہ خاتونِ جنت کے قابل مؤلف اس مقدس بچی کے حالات زندگی میں جناب خدیجہ کے زمانۂ حیات کے ایک واقعہ کو بیان فرماتے ہیں جس سے جناب سیدہ کے دنیوی بناؤ سنگار، اچھے اچھے زیور اور نئے رنگین کپڑوں سے فطرتاً متنفر ہونے پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ صفحہ ۵۵ پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے عین حیات میں ایک بار ان کے کسی عزیزہ کی شادی تھی۔ اس تقریب پر انھوں نے اپنے بچوں کو نئے کپڑے اور زیور پہنا کر شادی میں بھیجا۔ چونکہ بی بی خدیجہ دولت مند اور متمول خاتون تھیں۔ انھوں نے کشادہ دلی سے بچوں کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے اور نفیس اور خوبصورت زیورات بنائے تھے۔ بی بی فاطمہ کی عمر اس وقت پانچ سال کے قریب تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ کیا تو یہ ننھی سی عمر اور کیا یہ سادگی یا دنیائے دوں کی طرف سے سیر چشمی کہ آپ نے زیور پہنکر شادی میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔" (الزہرا صفحہ ۱۶)

فی الحقیقت یہ پیاری بیٹی جس طرح شکل و صورت میں اپنے مقدس باپ کا نمونہ نظر آتی ہے اسی طرح سیرت و شمائل میں بھی باپ کے جمال و کمال کا آئینہ دکھلاتی دیتی ہے۔ ازل سے ہی توحیدِ الٰہی اور عشقِ الٰہی کی نورانی شعاعیں اس کی طینت میں جھلکتی ہیں اور ایثار محمدی، سیر چشمی اور زہد فی الدنیا کے جلوے اس کی مبارک فطرت میں چمکتے ہیں۔ نزہۃ النبی میں علامہ سبط ابن جوزی نے فاطمہ زہرا

کے بے مثال ایثار، خدا پرستی اور سخاوت کا ایک بے نظیر واقعہ مرقوم ہے جس کی مثال دنیا میں بہت کم نظر آئے گی۔ ذکر ابن الجوزی ان النبی صلعم اتخذ لفاطمۃ قمیصاً جدیداً لیلۃ عرسھا و زفافھا و کان لھا قمیص مرقوع اذا السائل علی الباب یقول اطلب من بیت النبوۃ قمیصاً خلقاً فارادت ان یدفع الیہ قمیص المرقوع فتذکرت قولہ تعالیٰ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون فدفعت الیہ الجدید فلما قرب الزفاف نزل جبرئیل و قال یا محمد ان اللہ تعالیٰ یقرء ک السلام وامرنی ان اسلم علی الفاطمۃ قد ارسل لھا ھدیۃ من ثیاب الجنۃ من السندس الاخضر فبلغھا السلام والبسھا (یعنی علامہ سبط ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فاطمہ زہراؑ کے لیے شب عروسی میں پہننے کو ایک کرتا تیار کرایا تھا اور ایک پرانا پہنا ہوا قمیص بھی فاطمہؑ کے پاس تھا کہ ناگاہ عقد کے بعد ایک سائل نے دروازہ پر آکر پکارا کہ میں خانۂ نبوت و رسالت سے طالب ہوں کہ کوئی پرانا کرتا مجھے بخشش فرمایا جائے۔ پس سائل کی آواز سن کر سیدہ نے ارادہ کیا کہ اپنا پرانا پیراہن اس سائل کو دے دیں مگر فوراً خدائے جلیل کا کلام پاک یاد آگیا لن تنالوا البر الخ (تم نیکی کو نہیں حاصل کر سکتے جب تک خدا کی راہ میں ان چیزوں کو نہ دو جو تمھیں زیادہ محبوب ہیں) پس فوراً نیا کرتا اتار کر سائل کو بخش دیا اور پرانا خود پہن لیا۔ پس جب مقدس باپ کے گھر سے رخصت کا وقت آیا تو جبرئیل امین م رسول کریم کی خدمت میں نازل ہوئے اور عرض کی اے محمدؐ خدائے تبارک و تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہؑ کو ان کا سلام پہنچاؤں اور جو تحفہ خدا نے فاطمہؑ کے لیے بھیجا ہے اسے پیش کروں۔ یہ بہشت بریں کے

حلّوں میں سے سندس سبز کا حلہ ہے۔ پس آپ فاطمہ زہرا کو خدا کا سلام فرمایئے اور یہ حلّہ ہدیۂ الٰہی فاطمہ کو پہنچا دیجیے۔ دیکھو فاطمہؑ کی قدر و منزلت (رحمۃٌ للعالمین جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

مولف رسالہ سیرۃ الزہرا نے ایک اور واقعہ اسی قسم کا اپنی کتاب سیرۃ الزہرا کے صفحہ ۱۲۵ و ۱۲۶ پر درج فرمایا ہے جو درحقیقت فاطمہ زہراؑ کے جود وسخا اور بے نظیر ایثار پر روشنی ڈال رہا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"ایثار کا مادہ خلاق عالم نے بچپن ہی سے آپ میں بھر دیا تھا۔ دس سال کی عمر تھی کہ فاطمہ شامیہ آپ کی ذکاوت و فراست کا شہرہ سن کر آپ سے ملنے آئیں۔ یہ فاطمہ شامیہ زبور و توریت و انجیل کی عالمہ تھیں۔ اپنے ساتھ شام سے بہت سے تحفے اور ہدیے، زیورات، جواہرات، کپڑے، میوے اور کھانے پینے کی چیزیں فاطمہ بنت رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لائیں۔ بنت رسول اللہؐ نے بڑی گرمجوشی اور تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا اور جب یہ تحفے آپ کی نذر کیے گئے تو حضرت زہراؑ نے فاطمہ شامیہ سے اجازت لے کر وہ سب زر و جواہر اسلام کی خدمت کے لیے دے دیا اور سب کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیے جو اسلام کی خدمت میں اس وقت سر بکف رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جناب زہراؑ کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔"

اس مقدس بی بی کے ایثار و سخاوت، عطا کے واقعات محتاج و مساکین کی پرورش کی حکایات اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو بلاشک ایک

مستقل رسالہ مرتب ہو سکتا ہے یہ خود فاقہ پہ فاقہ فرماتی ہیں مگر کسی محتاج اور بھوکے کی تکلیف گوارا نہیں کر سکتیں۔ امام حسن مجتبیٰؑ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز حسب اتفاق ہم سب کو دن میں کھانا میسّر نہ آیا۔ شب کو کھانے کا انتظام ہو گیا تو ہماری والدہ گرامی بنت رسول اللہؐ جناب فاطمہ زہراؑ نے پہلے حسب معمول ہم سب کو کھانا کھلایا۔ پھر سب کے بعد اپنے حصّے کی روٹی خود کھانے کے لیے بیٹھیں۔ ابھی لقمہ ہی توڑا تھا کہ یکایک دروازے سے ایک سائل نے صدا دی کہ اے بنت رسولؐ میں ایک مستحق محتاج دو وقت کا بھوکا سائل آپ کے دروازے پر آیا ہوں۔ یہ باب کرم ہے۔ خدا کے نام پہ مجھ کو سیر فرمائیے۔ بس اس آواز کے سنتے ہی معصومہؑ بے چین ہو گئیں۔ فوراً روٹی کا ٹکڑا ہاتھ سے رکھ دیا اور مجھ سے فرمایا بیٹا، یہ سب روٹی اس سائل کو دے دو۔ یہ مجھ سے زیادہ اس کھانے کا مستحق ہے۔ میں نے عرض کی۔ اماں جان اس کی ترجیح اور زیادہ مستحق ہونے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا، جانِ مادر تمھاری ماں کو تو صرف ایک وقت کا فاقہ ہے مگر بیٹا دیکھو یہ غریب بے چارہ تو دو وقت سے بھوکا ہے۔ یہ سنکر حسنؑ فرماتے ہیں میں خاموش ہو گیا اور روٹی لے کر اس سائل کو دے آیا (الزہرا ص۵۶)

بلاشک آسمان تبلیغ و ہدایت کے روشن ستارے اور برج نبوت و رسالت کے یہ ماہ تاباں ذریت رسولؐ علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے دونوں معصوم فرزند جان و جگر رسولؐ حسنین علیہم السلام بلکہ ان کی خادمہ خاص جناب فضہ اپنے بے مثال عمل سے محبت الٰہیٰ اور ایثار اسلامی کے جلوے دکھانے والے ہیں۔ روزے پر روزہ اور فاقے پہ فاقہ کرتے ہیں۔ بھوکے محتاج مسکین و یتیم و اسیر کو خدا کی خوشی اور رضا کے لیے سیر کر کے دنیا کو دین محمدی اور اسلام الٰہی کی اعلیٰ تعلیمات کا اکمل نمونہ پیش کر کے اسوۂ حسنہ رسولؐ کا سبق پڑھاتے ہیں۔

خود خدائے جلیل اپنے ان برگزیدہ بندوں اور پیاری ہستیوں کی بخشش وعطا
اور محبت دونا کا ذکر فرماتا ہے اور ان کے ایثار کامل اور ایمان صادق کی گواہی
دیتا ہے۔ سورۂ دہر کی آیات کو پڑھو (یوفون بالنذر سے یوماً عبوساً
قمطریرا تک) یعنی خدا فرماتا ہے کہ یہ لوگ منت کو پورا کرتے ہیں اور
اس دن سے خوف کرتے ہیں جس کی مصیبت وتکلیف طولانی ہے اور محبت
خدا میں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم تم کو
محض رضامندیٔ الٰہی کے لیے کھانا دیتے ہیں۔ نہ تم سے عوض کے طالب ہیں
نہ شکریہ کے خواہشمند ہیں۔ ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں
جو اداس اور نہایت سخت ہے) ان آیاتِ مقدسہ کی شانِ نزول کو ملاحظہ کرو
اور اس واقعہ کو پڑھو کہ یہ بزرگوار علی مرتضیٰؑ فاطمہ زہراؑ مع اپنے معصوم فرزندوں
حسنؑ وحسینؑ اور فضہ خادمہ کے اپنی منت اور عہد کو پورا کرتے ہیں تین روز تک
روزہ پہ روزہ رکھتے ہیں مسکین ویتیم واسیر کو اپنے اپنے حصہ کا کھانا دے
دیتے ہیں اور شکر الٰہی بجالاتے ہیں۔ رات کی غذا کے لیے علی باغوں میں پانی
دینے کی مزدوری کرتے ہیں اور جَو لاتے ہیں۔ سیدہ خود پیستی ہیں اور روٹیاں
پکاتی ہیں اور جب کھانا تیار ہو کر افطار کے لیے سامنے آتا ہے تو کبھی مسکین دروازہ
پر آ پکارتا ہے کبھی یتیم اور کبھی کوئی قیدی۔ یہ بزرگوار اپنی اپنی روٹیاں اٹھا کر
ان کو دے دیتے تھے اور خود پانی پی کر پھر روزہ رکھ لیتے ہیں۔ تفصیل کے
لیے دیکھو تفسیر کشاف زمخشری جلد ۳ صفحہ ۲۳۹۔ تفسیر درمنثور سیوطی ج۶ سورۂ دہر
ص ۲۹۹۔ تفسیر معالم التنزیل جلد ۲ صفحہ ۹۴۹، تفسیر نیشاپوری جلد ۳۔ تفسیر کبیر اور
بیضاوی وغیرہ اور تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۷۷ پہ ثعلبی، قرنی، خوارزمی وغیرہ کے اسناد
سے اس واقعہ کو مفصل نقل کیا گیا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے اس رحیمانہ برتاؤ سے چند ایسی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کو ثابت کرنے کے لیے ہر ایک بجائے خود ایک واضح دلیل ہے:-

۱- اپنے اس عمل سے بتلاتے ہیں کہ ہر ایک مصیبت و تکلیف میں صرف خدا ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا اور مصیبت کے دفعیہ کی صرف اسی سے التجا کرنی چاہیے۔

۲- رزقِ حلال اور معیشت جائزہ حاصل کرنے کے لیے کسی محنت و مزدوری کرنے کو معیوب نہ سمجھنا اور اپنی مدد آپ کرنے کے اصول پر عمل کرنا جو تمام برکتوں کی اصل اور تہذیب و ترقی کی بنیاد ہے۔

۳- غیر کی حاجت کو خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اور کچھ بھی ملت و مذہب رکھتا ہو اپنی ضرورت و حاجت پر مقدم رکھنا اور سب مخلوقِ خدا کو عیالِ الٰہی اور مخلوقِ خداوندی سمجھنا۔

۴- غایت درجہ تکلیف پر بھی صبر کرنا اور اپنے فرض اور عہد کو نہایت استقلال اور رضائے خاطر سے بجالانا۔

۵- کسی پر احسان کرکے اس کے عوض اور بدلہ کا طالب نہ ہونا اور احسان نہ جتانا۔ احسان کی نیت سے احسان نہ کرنا بلکہ جو کچھ کرنا لوجہ اللہ کرنا۔
(انوارالتنزیل)

الغرض فاطمہؑ وہ بیٹی ہیں جنھوں نے اپنے مقدس باپ کی جود و سخا اور ایثار و عطا کے بے شمار نمونے دنیا کو دکھائے ہیں۔ اس طرح اپنے عمل سے آنحضرتؐ کے خُلقِ عظیم، مروت و احسان، صبر و قناعت، عبادت و طاعت و خوفِ الٰہی و صدق و صفا و شکر و رضا کے بے مثل جوہر دکھلا کر اسوۂ محمدی

کے عملی سبق دنیا کو پڑھا دیے ہیں۔ یہ تربیتِ اطفال، امور خانہ داری، فرائض نسوانی کے بے بہا اصول اور بہترین نمونے بھی دنیا کی عورتوں کی ہدایت کے لیے چھوڑے ہیں انھوں نے محض خوشنودیٔ خدا حاصل کرنے کے لیے اس طرح فقر و فاقہ اور عسرت و تنگدستی میں صبر کی کہ ان کے اوڑھنے کی چادر میں کھجور کی چھال کے پیوند لگے تھے۔

ایک بار زنانِ قریش نے بنتِ رسولؐ کو ان کے افلاس اور کہنہ لباس پر طعنہ زنی کرنے کے لیے اپنے یہاں ایک شادی میں بلایا۔ آنحضرتؐ نے بحکم خدا فاطمہؑ کو وہاں جانے کی اجازت دے دی۔ سیدہ خوشی خوشی وہی لیفِ خرما کی پیوند دار ردا اوڑھ کر آیتِ تطہیر کا برقع ڈال کر رضائے الٰہی کے نورانی جلووں سے آراستہ ہو کر محبتِ خدا کے زیور سے سج کر توکل کے ہار پہن کر وہاں تشریف لے جاتی ہیں۔ توحیدِ الٰہی کے چمن کھلتے ہیں۔ تبلیغِ اسلام کے پھول مہکتے ہیں۔ زنانِ قریش فاطمی جلوے دیکھ کر مبہوت رہ جاتی ہیں اور بہت سی عورتیں آپ کا وعظ و پند سنکر مسلمان ہو جاتی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو شواہد النبوۃ ملاّ جامی، روضۃ الشہداء، عمدۃ المطالب ص۱۹۷، الزہراء ص۱۷۸

یہی وہ نورانی پیوند لگی چادر ہے جو ایکبار نہیں بارہا اپنی اور بچوں کی فاقہ کشی کی غرض سے بلکہ سائلوں اور محتاجوں کی حاجت برآری کی غرض سے سیر بھر جَو کے بدلے میں گرو ہونے کے لیے جاتی ہے۔ قبیلۂ بنی سلیم کا ایک بھوکا ننگا جنگلی غریب جو کافر تھا مسجدِ رسولؐ میں پہنچتا ہے گستاخانہ کلام اور دریدہ دہنی سے آنحضرتؐ کے سامنے پیش آتا ہے۔ حضرت عمر خفا ہو کر اٹھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسکی گستاخی کی سزا دیں۔ آنحضرتؐ ان کو روکتے ہیں اور فرماتے ہیں یا ابا حفص کاد الحلیم ان یکون نبیًّا (اے عمر ٹھہرو، حلم سے کام کرو۔ حلیم قریب ہے کہ نبی ہو جائے) یعنی حلیم درجۂ نبوّت کے قریب ہے

پھر خود اس بدوی عرب سے کلام فرماتے ہیں۔ حضرتؐ کی نرم گفتار اور ہدایت و تبلیغ کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس کو مسائل اسلام تعلیم فرمانے کے بعد اصحاب سے فرمایا، تم میں کون ایسا ہے جو اس غریب ننگے بھوکے عرب کو رضائے الٰہی کے لیے سواری عطا کرے۔ اور خوشنودیٔ خدا کے لیے کپڑا پہنا دے اور کھانا کھلا دے۔ سعد بن عبادہ اپنا اونٹ سواری کے واسطے دے دیتے ہیں اور حضرت علیؑ اپنے سر کا عمامہ اتار کر اس اعرابی کو پہنا دیتے ہیں۔ سلمان فارسی کھانا کھلانے کی فکر میں مسجد سے نکلتے ہیں۔ جب کہیں سے کچھ میسر نہیں آتا تو فاطمہ زہراؑ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور تمام حال بیان کر کے عرض کرتے ہیں کہ اس غریب بھوکے سائل کو کچھ کھانے کے لیے عطا فرمائیے۔ سیدہ فرماتی ہیں۔ سلمان! قسم ہے اس خدا کی جس نے میرے باپ محمدؐ کو رسالت کا شرف بخشا ہے، تین روز سے ہم لوگ فاقے سے ہیں۔ ایک دانہ بھی میسر نہیں آیا۔ میرے بچے حسنؑ و حسینؑ بھی بھوک کی شدت سے روتے روتے سو گئے ہیں۔ مگر ٹھہرو، اس خیر کا رد کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ لو یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ۔ اور کہو کہ دختر رسولؐ کی یہ چادر بطور رہن رکھ لے اور اس کے بدلے میں کچھ جو، کچھ کھجوریں ہم کو قرض دے دے۔ سلمان چادر لے کر شمعون کے پاس پہنچتے ہیں اور دختر رسولؐ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ یہودی باہر آتا ہے۔ چادر کو دیکھتا ہے۔ ہدایت کی شعاعیں اور تبلیغ اسلام کی نورانی کرنیں یہودی کا دل روشن کر دیتی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں سلمان سے کہتا ہے۔ اللہ اللہ ایسے لوگ بھی دنیا میں ہیں۔ یہ ہے اصلی زہد۔ بس یہی وہ لوگ ہیں جن کی خبر موسیٰؑ نے ہم کو توریت میں سنائی ہے۔ گواہ رہنا کہ میں فاطمہؑ کے باپ پر ایمان لایا۔ یہ جو اور کھجوریں حاضر ہیں۔ لے جاؤ۔ سلمان لے کر واپس آتے ہیں۔

فاطمہ زہرا خود چکی پیستی ہیں۔ آٹا خمیر کرتی ہیں اور دست حق پرست سے روٹیاں پکا کر کھجوریں ان پر رکھ کر سلمان کو دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ میرے باپ رسول اللہ کی خدمت میں لے جاؤ اور اس غریب سائل کو کھلا دو۔ سلمان عرض کرتے ہیں۔ اے بنت رسول اللہ حسنین کے لیے تو ایک روٹی اس میں سے رکھ لیجیے۔ فرماتی ہیں۔ نہیں نہیں۔ اے سلمان جو چیز راہ خدا میں دی جاتی ہے ہم اس کو واپس نہیں لیتے۔ بس یہ سب لے جاؤ۔ سلمان خدمت رسول میں حاضر ہو کر تمام ماجرا عرض کرتے ہیں اور وہ روٹیاں اور کھجوریں پیش کرتے ہیں حسب الحکم رسول وہ سب اس سائل کو دے دی جاتی ہیں۔ آنحضرت فاطمہ کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ بیٹی کے لیے درگاہ رب العزت میں دعا فرماتے ہیں۔ بروایت احمد حنبل اور بیہقی فرماتے ہیں :- بارك الله فيك ابنتي حيث شئت (میری پیاری بیٹی خدا تجھے برکت دے جہاں تو رہے) سیرۃ فاطمہ ص۱۷۱، ناسخ التواریخ جلد ۴ ص۲۲ - الزہرا ص۱۵۱۔

کتب سیر و تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدۂ عالم کی عمر اس طرح گزری کہ یا تو گھر کے کام کاج اور امور خانہ داری میں مصروف رہیں یا عبادت و اطاعت الٰہی میں مشغول رہیں یا خدا کے پیارے رسول کی خدمت کی۔ کبھی گھر میں چکی پیستی نظر آتی ہیں کبھی چولھا روشن کرتی۔ کبھی گھر میں جھاڑو دے رہی ہیں تو کبھی پانی بھر رہی ہیں۔ کبھی بچوں کو نہلاتی دھلاتی ہیں کبھی تنور پر روٹیاں پکاتی ہیں لیکن ہر حالت میں تسبیح الٰہی زبان پر جاری ہے۔ قرآن کی سورتیں تلاوت فرما رہی ہیں۔ چکی چلا رہی ہیں اور زبان حمد الٰہی میں مصروف ہے۔

صاحب علل الشرائع ناقل ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ گھر میں گئے تو دیکھا فاطمہ زہرا روٹی پکا رہی ہیں اور نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف کی سورتیں تلاوت فرماتی جاتی ہیں۔ حسن بصری، حضرت علی علیہ السلام سے

روایت کرتے ہیں کہ اگرچہ فاطمہؑ عبادتِ الٰہی میں بہت مصروف رہتی تھیں مگر باوجود اس کے گھر کا کوئی کام آج کا کل پر اور کل کا پرسوں پہ باقی نہ رہنے پاتا تھا اور امورِ خانہ داری میں کوئی دقت نہ پڑتی تھی (الزہرا ص۱۶۲)

لکھا ہے کہ شہنشاہِ کونین کی اس پیاری بیٹی نے اتنی چکی پیسی کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ دستِ مبارک زخمی ہو گئے۔ امام احمد حنبل اپنی مسند جلد ا ص۲۱۸ پر حضرت امیرالمومنین کی زبانی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ابن اعبد سے فرمایا، تو جانتا ہے کھانے کا کیا حق ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا، جب کھانے کے لیے بیٹھو تو بسم اللہ اللّٰھم بارک لنا فیما رزقنا (خدایا جو رزق تو نے ہم کو کرامت فرمایا ہے اس میں ہم کو برکت دے) پھر فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ کھانے کے بعد شکرِ الٰہی کیونکر کیا جاتا ہے؟ عرض کی نہیں۔ فرمایا یوں کہو۔ الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا (شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو سیر و سیراب فرمایا) پھر فرمایا کیا میں تجھے اپنی زوجہ فاطمہؑ بنتِ رسول اللہؐ کے حالات سناؤں جو رسول اللہؐ کے نزدیک ان کے اہل اور کنبہ میں سب سے زیادہ باکرم اور پیاری تھیں۔ سن فاطمہ بنتِ رسول اللہؐ کی یہ حالت تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ پانی بھرتے بھرتے سینۂ انور مجروح ہو گیا تھا۔ اتنی جھاڑو دی تھی کہ کپڑے گرد آلود رہتے تھے۔ اتنا چولہا سلگایا کہ لباس دھواں دھار ہو گیا تھا۔ پس اس مشقت اور تکلیف سے فاطمہؑ کمزور اور علیل ہو گئیں۔ میں نے ایک روز کہا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے ہیں۔ آپ بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر کام کاج کے لیے کوئی لونڈی مانگ لو۔ پس فاطمہ اس درخواست کے لیے خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئیں۔ وہاں کچھ خادم لوگ موجود تھے۔ عرض کرنے کا موقع نہ سمجھا۔ واپس آ گئیں۔ جب آنحضرتؐ کو اس کا حال معلوم ہوا تو فاطمہؑ سے فرمایا کہ اے بیٹی میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم اور نوکر

سے بدرجہا زیادہ بہتر ہے۔ جب رات کو سونے کے لیے لیٹو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ سنکر فاطمہؑ نے سر اٹھایا اور دو مرتبہ عرض کی۔ بابا میں خدا اور اس کے رسولؐ سے بدل راضی اور خوش ہوں۔ یہی تسبیح۔ تسبیح فاطمہؑ کے نام سے مشہور ہے جس کا ذکر ہر نماز کے بعد سنت قرار پایا اور جس کو مسلمان ہر نماز کے بعد روزانہ پڑھتے ہیں (اسعاف الراغبین ص۱۷۱) مسند احمد حنبل ص۱۰۶ و ص۱۹۲ میں بھی اس تسبیح کا ذکر بالاختصار مندرج ہے۔

رسولِ الٰہیؐ اپنی پیاری بیٹی فاطمہؑ کو چکی پیسنے کی مشقت اٹھاتے دیکھ کر تسلی و تشفی فرماتے ہیں۔ دربارِ الٰہی سے ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ کا خلعتِ فاخرہ سیدہ کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر درِ منثور جلد ۶ ص۳۶۱ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ فاطمہؑ کے گھر میں آئے دیکھا کہ فاطمہؑ چکی پیس رہی ہیں اور اونٹ کی جھول کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ فرمایا، بیٹی آخرت کی نعمتوں کے لیے دنیا کی تلخی گوارا کرو۔ بس اسی وقت جبرئیلؑ امین یہ پیغام لے کر نازل ہوئے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔

عبادت اور خوفِ الٰہی کا یہ عالم ہے کہ جب محرابِ عبادت میں اپنے خالق کے حضور نماز کے لیے کھڑی ہوتی ہیں تو عظمت و جلالتِ ربانی کے جلوے چمکتے ہیں۔ خضوع و خشوع حقیقی کے اصلی نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ حضورِ قلب کا نمونہ نظر آتا ہے۔ محویت کا عالم طاری ہوتا ہے۔ چہرۂ انور زرد پڑ جاتا ہے۔ بند بند خوفِ خدا سے کانپنے لگتا ہے۔ چشمِ مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ کبھی قیام ہے تو کبھی قعود۔ کبھی سجدہ ہے تو کبھی رکوع۔ سجدہ میں معبودِ حقیقی سے راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ شکر و رضا کا اظہار ہے۔ کبھی دعا و استغفار ہے۔ مخلوق الٰہی کی خیر مانگتی ہیں۔ مسلمانوں کے لیے فلاحِ دارین کی دعائیں کرتی ہیں۔ امام حسن

علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی مادرِ گرامی کو خدا کے آگے خضوع وخشوع کامل کے ساتھ حمدِ الٰہی کرتے، عجز و نیاز کے ساتھ دعائیں مانگتے، التجائیں کرتے اکثر دیکھا ہے مگر ان دعاؤں میں کبھی اپنی ذات کے لیے دعا نہیں فرمائی۔ تمام مسلمانوں اور جملہ مخلوقِ الٰہی کے لیے خیر و برکت کی دعائیں طلب فرمایا کرتی تھیں (الزہرا صفحہ ۱۶۳) بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی نہ عبادتِ الٰہی میں کبھی فرق پڑتا تھا نہ گھر کے کام کاج میں۔ پھر حرفِ شکایت سے کبھی زبان آشنا نہ ہوتی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک بار سیدہ بیمار ہوگئیں۔ بخار کی شکایت تھی۔ تمام رات بے چین و بے قرار رہیں۔ نہ فاطمہؑ کی آنکھ جھپکی نہ میں سویا۔ صبح کے قریب درد کو کچھ سکون ہوا تو میری آنکھ لگ گئی۔ اذان کی آواز سے جو اٹھا تو میں نے دیکھا کہ سیدہ مجھ سے پہلے اٹھی ہوئی ہیں۔ وضو کر رہی ہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اس وقت اگر فاطمہ بجائے وضو تیمم کر لیتیں تو بہتر تھا مگر میں نے کچھ نہ کہا اور مسجد کو نماز کے لیے چلا گیا۔ جب مسجد سے واپس ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ فاطمہ حسبِ معمول اپنی نماز سے فارغ ہو کر چکی پیس رہی ہیں مگر چہرہ پہ بیماری اور اضمحلال کا اثر نمایاں ہے۔ میں بیتاب ہوگیا اور محبت و نرمی سے کہا کہ سیدہ کیا تم کو اپنی جان پر رحم نہیں آتا۔ تمام رات بخار رہا۔ بے چین رہیں۔ صبح اٹھتے ہی ٹھنڈے پانی سے وضو کر لیا۔ اب پھر چکی کی مصیبت و تکلیف اٹھا رہی ہو۔ مناسب ہے کہ کچھ آرام کرو۔ سیدہؑ نے سر جھکا کر کہا۔ اگر اپنے فرائض کے ادا کرنے میں میں مر بھی جاؤں تو لیفین فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر مجھے کوئی خوشی نہ ہوگی۔ میں نے وضو کیا خدا کی عبادت کے لیے۔ اب چکی پیسی آپ کی اطاعت کے لیے۔ فرمائیے کہ فاطمہؑ کے لیے ان دونوں فریضوں سے بڑھ کر کونسا فریضہ بہتر اور خوش کرنے والا ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے تعلیم محمدی۔ یہ ہے تربیتِ نبوی اور اسلام کی کامل اور افضل تعلیم کا نمونہ (الزہرا صفحہ ۱۶۷)

فاطمہؑ کا ہمیشہ یہ عمل رہا کہ ہر روز صبح کو تمام ہمسایوں کے گھر جا کر یا اگر مصروفیت سے نہ جا سکیں تو گھر کے صحن سے آواز دے کر ان کی حالت دریافت فرماتی تھیں۔ اگر معلوم ہوتا تھا کہ کسی کے یہاں کھانے کا انتظام نہیں ہے تو خود اپنے گھر میں جو کچھ پکاتی تھیں پہلے اس گھر میں پہنچا دیتی تھیں بعد میں اپنے بچوں کو کھلاتی اور خود کھاتی تھیں۔ دو دو دن کے فاقے کے بعد بھی جب کھانے کا انتظام ہوتا تھا تو پہلے ہمسایوں کی خبر گیری فرما لیتی تھیں۔ ان کے بعد خود کھاتی تھیں۔ شمعون یہودی جو اپنی بیوی سمیت سیّدہ کی پیوند لگی چادر کی برکت سے مسلمان ہوا تھا بقضائے الٰہی کچھ عرصہ کے بعد اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے انتظام کے لیے گھر میں کوئی نہ تھا۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ کڑکڑاتی سردی پڑ رہی تھی۔ سرد اور تیز کپکپانے والی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ شمعون بیچارہ تجہیز و تکفین کی فکر میں گھر گھر پھر رہا ہے مگر کوئی اس کی امداد کے لیے گھر سے باہر نہ نکلا۔ سیّدہ بنتِ رسولؐ کو خبر ہوئی۔ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسی اندھیری رات میں شمعون کے گھر پہنچیں۔ میّت کو خود غسل دیا کفن پہنایا اور جنازہ تیار کر کے گھر واپس تشریف لے آئیں۔ (الزہرا ص۱۹۱)

شرم و حیا، عفت و عصمت بے شک عورت کے لیے بہترین زیور اور انتہائی زینت ہے۔ یہی صفت ہے جو عورت کے حسن و خوبی کو دوبالا کرتی ہے اور ہر مذہب و ملت میں پسندیدہ نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ بس اس کے متعلق بھی بنتِ رسولؐ نے اپنے افعال سے اپنے اقوال سے دنیا کی عورتوں کو تاسّی اور پیروی کے لیے بہترین سبق اور کامل درس سکھا دیے ہیں۔ مسجدِ رسولؐ میں دربارِ نبوی جما ہوا ہے اصحاب کا مجمع ہے۔ شہنشاہِ رسالت دریافت فرماتے ہیں، عورت کی بہترین صفت کیا ہے؟ کوئی جواب نہیں دیتا۔ علیؑ جب گھر جاتے ہیں تو فاطمہ زہراؑ سے ذکر فرماتے

ہیں۔ آپ فرماتی ہیں۔ عورت کے لیے اس سے بہتر صفت کوئی نہیں کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ غیر مرد اس کو دیکھے۔ حضرت علیؑ نے یہی جواب خدمتِ رسولؐ میں عرض کیا۔ فرمایا بیشک یہی اس کا صحیح جواب ہے۔ کیوں نہ ہو، فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے (اسعاف الراغبین صـ۱۷۱، الزہرا صـ۱۹۱)

آنحضرتؐ ایک روز بیٹی کے گھر میں تشریف فرما ہیں۔ عبداللہ بن مکتوم صحابی رسولؐ جو آنکھوں سے نابینا ہیں کچھ عرض کرنے کے لیے خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ فاطمہؑ اٹھ کر دوسری طرف کوٹھڑی میں چلی جاتی ہیں۔ عبداللہ کے جانے کے بعد جب فاطمہؑ باہر آتی ہیں تو حضرت فرماتے ہیں، اے جانِ پدر، یہ تو نابینا ہیں کیوں کوٹھڑی میں جا کر چھپیں۔ فاطمہؑ عرض کرتی ہیں۔ بابا بے شک وہ نابینا ہیں مگر میں تو نابینا نہیں، کیونکہ نامحرم کو دیکھ سکتی ہوں۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ ایک کم سن نابالغ غلام کو لیے فاطمہ زہراؑ کے گھر پہ تشریف لائے (جو آپ نے حضرت فاطمہؑ کو بخش دیا تھا) سیدہ اس وقت ایسا چھوٹا کپڑا پہنے ہوئے تھیں کہ اگر سر کو ڈھانکتیں تو پاؤں تک نہیں پہنچ سکتا تھا یعنی تمام جسم کو نہیں ڈھانپتا تھا۔ آپ بہت اضطراب کے ساتھ تمام بدن کو چھپانے کی کوشش فرمانے لگیں۔ یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بیٹی کیوں گھبراتی ہو اور کس سے پردہ کرتی ہو؟ بس یہاں تو صرف تمھارا باپ ہے یا یہ کم سن نابالغ غلام (مشکوٰۃ صـ۲۶۱، الزہرا صـ۱۹۱)

حافظ جمال الدین محدّث بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ فاطمہ زہراؑ نے مسجد میں حاضر ہو کر باپ کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ حضرت نے اس کو لے کر حسرت بھری نظر سے بیٹی کو دیکھا اور پوچھا یہ کہاں سے مل گیا۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا دو وقت کے فاقہ کے بعد آج تھوڑے سے جو ملے تھے جو پیس کر روٹی

پکائی۔ بچوں کو کھلانے بیٹھی تو حضور کا خیال آ گیا۔ بس بے اختیار ہو کر یہ ٹکڑا خدمت میں لے آئی ہوں۔ یقین فرمائیے کہ متواتر دو فاقوں کے بعد بچوں کو اتنی ہی روٹی میسر آئی تھی۔ یہ سنکر حضرت کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ روٹی کو کھاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ بیٹی بس چار فاقوں کے بعد یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپ کے گلے سے نیچے اترا ہے (الزہرا ص۱۰۷) سبحان اللہ یہ ہے سلطنت محمدیہ اور سیرت نبویہ۔ یہ ہے حقیقی مواسات اور سچی تعلیم رسولؐ۔ رنگین دسترخوانوں اور دنیوی شان وشوکت کو اسلامی شان بتلانے والے اور خلفائے بنی امیہ کی رنگا رنگ غذاؤں اور لذیذ کھانوں کی مدح سرائی کرنے والے آنکھیں کھول کر سیرت محمدیہ کو دیکھیں اور بتائیں کہ حقیقی اسلام کے جلوے اور حقیقی سیرت محمدی کے یہ تو ان آل محمدؐ کے فاقہ کش نورانی چہروں میں نظر آتے ہیں۔ یا بنی امیہ کے پیٹ بھرے اور ظلم و جور سے مسلمانوں کا مال لوٹ کر اپنے رنگین دسترخوان سجانے والے خلفاء میں؟

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف جلد۱ میں اور ملا مجلسی نے جلاء العیون میں اسی طرح کا ایک اور واقعہ خفیف اختلاف کے ساتھ درج کیا ہے۔ دونوں کا خلاصہ بیان یہ ہے کہ ایام قحط میں ایک روز جب سرور انبیاء کو کئی روز فاقہ سے گزر گئے تو فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ بیٹی! کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔ سیدہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگیں۔ میری جان آپ پر فدا ہو۔ کیا عرض کروں تین روز ہو چکے ہیں کہ فاقہ پر فاقہ گزر رہا ہے۔ آنحضرتؐ یہ سنکر مسجد کو تشریف لے گئے۔ اتنے میں ایک کنیز دو روٹیاں اور ایک ٹکڑا گوشت کا فاطمہؑ کی خدمت میں بطور تحفہ لے کر آئی۔ سیدہ نے اس کو لے لیا اور اسے ڈھانک کر علیحدہ رکھ دیا۔ کہ پہلے بابا کو کھلاؤں گی، پھر جو بچے گا وہ بچوں کو دوں گی۔ حسینؑ سے فرمایا جاؤ

اپنے نانا کی خدمت میں عرض کرو کہ اماں جان حضور اقدس کو یاد کرتی ہیں ذرا جلدی تشریف لائیے۔ جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو فاطمہؑ نے عرض کی. بابا جان خدا نے اپنے لطف و احسان سے کچھ کھانا بھیج دیا ہے۔ میں نے اس کو بچوں سے چھپا کر حضورؐ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ فرمایا، لے آؤ۔ فاطمہ گئیں اور رومال اٹھا کر دیکھا تو سارا طباق روٹیوں اور گوشت سے پُر ہے۔ اٹھا کر باپ کی خدمت میں لے آئیں۔ حضرت نے پوچھا یہ کہاں سے آیا۔ عرض کی من عند اللّٰہ ان اللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب (بابا جان یہ خدا کا عطیہ ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے) حضرت نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو مثل اس بی بی کے قرار دیا ہے جو بنی اسرائیل میں تمام عورتوں کی سردار تھیں (یعنی مریم مادرِ عیسیٰ علیہ السلام جن پر نعمات الٰہی کا نزول ہوتا تھا اور جب حضرت زکریاؑ ان نعمتوں کو دیکھ کر پوچھتے تھے کہ یا مریمُ انّی لکِ ھٰذا، اے مریمؑ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تو جناب مریمؑ یہی فرماتی تھیں جو حضرت فاطمہؑ نے رسولِ خداؐ سے بیان کیا) پھر حضرت علیؑ اور حسنینؑ کو بلایا اور پانچوں بزرگواروں نے اس طعام کو کھا کر شکرِ خدا کیا۔ جو باقی رہا وہ سیدہؑ نے غریب ہمسایوں کو دے دیا۔ اللّٰھم صلِ علیٰ محمد وآلِ محمد۔

اس میں شک نہیں کہ یہ باپ کی شیدا بیٹی بچپن ہی سے اپنے باپ کے رنج و راحت میں شریک رہی ہے۔ ابتدائے اسلام میں ہجرتِ مدینہ سے قبل مکہ کے قیام میں دینِ اسلام کی تبلیغ میں مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں جو جو تکلیفیں محبوبِ الٰہی کو اٹھانا پڑیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ خود آنحضرتؐ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ ما اوذی نبیٌ کما اوذیتُ (میری طرح کسی نبیؐ کو تکلیف نہیں

دی گئی) ناہنجار قریش مکہ اور بنی امیہ وغیرہ نے جیسا کچھ حضرت کو ستایا ہے وہ کتب سیر و تاریخ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت خدیجہ اور جناب ابوطالب کی وفات کے بعد جبکہ ان شیطانوں کی ایذا رسانی حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔ دو واقعے خصوصیت سے ذکر کے قابل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ چھ سال کے سن میں جناب سیدہ نے رسولِ خداؐ کے ساتھ اپنی کمال محبت کا اظہار کس شان سے کیا ہے۔

تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ اور سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ و صفحہ ۱۸۶ پر ہے:۔ "ابوطالبؑ اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جانِ پدر روؤ نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچانے والا ہے۔ دوسرا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا، کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ مع نجاست اٹھا لاتا تاکہ جب محمدؐ سجدے میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اس وقت پانچ چھ برس[1] کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر

---

[1] علامہ شبلی کے اس بیان سے جو بخاری و مسلم و زرقانی وغیرہ جیسی معتبر کتب حدیث و تاریخ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے حضرت فاطمہؑ کی عمر پہ بخوبی روشنی پڑتی ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

عقبہ کو بُرا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ مولانا شبلی نے اس روایت کو صحیح بخاری

(بقیہ حاشیہ) تقریباً سوادِ اعظم کے جملہ علماء کا یہی بیان ہے کہ حضرت سیدہؑ کی ولادت بعثتِ نبیؐ سے پانچسال قبل واقع ہوئی ہے اور علامہ عبدالبر کی استیعاب میں لکھتے ہیں کہ فاطمہؑ آنحضرتؐ کی عمر شریف کے اکتالیسویں سال میں پیدا ہوئی ہیں۔ مدارج النبوۃ میں بھی اس قول کو درج کیا گیا ہے اور مصنفؒ رحمۃ للعالمین ؒنے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ مگر جب روایت و درایت اور تاریخی واقعات سے ان اقوال کی تطبیق کی جائے اور خود آنحضرتؐ کے ایک قول پر نظر ڈالی جائے تو یہ دونوں بیان غلط ثابت ہوتے ہیں۔ نہ پانچسال قبل از بعثت پیدائش سیدہ کا صحیح ثابت ہوتا ہے نہ آنحضرتؐ کے اکتالیسویں سال میں۔ یہ امر بلا اختلاف مسلّم ہے کہ جناب سیدہ کی والدہ حضرت خدیجہ سے جب حضور سرورِ عالمؐ کا عقد مبارک ہؤا ہے تو اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی۔ اور شادی سے ۱۵ سال بعد جب آنحضرتؐ کو اظہارِ نبوت و رسالت کا حکم ہؤا تو عمر شریف ۴۰ سال بیان کی جاتی ہے۔ پس علامہ ابن عبدالبر وغیرہ کے اس بیان کے مطابق کہ فاطمہؑ کی ولادت آنحضرتؐ کی عمر کے اکتالیسویں سال میں ہوئی ۵ سال قبل از بعثت والا قول غلط ثابت ہوتا ہے۔ اب علامہ شبلی کے بیان پر نظر کی جائے (جو صحیح بخاری و مسلم اور زرقانی وغیرہ جیسی معتبر کتابوں سے درج کیا گیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم نے ایک دفعہ نہیں بلکہ چار چار دفعہ چار مقام پر اس روایت کو درج فرمایا ہے) تو عبدالبر وغیرہ کا یہ قول بھی صحیح قائم نہیں رہتا۔ علامہ شبلی اسی روایت کو درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت جبکہ مکہ میں کفارِ قریش ابوجہل و عقبہ وغیرہ نے آنحضرت کے سرِ اقدس پر خانہ کعبہ کے اندر حالتِ نماز میں غلاظت سے بھری ہوئی اوجھڑی ڈال دی تھی اور فاطمہ زہراؑ کو خبر ہوئی تو جوشِ محبت سے روتی ہوئی دوڑی آئیں اور اس اوجھ کو ہٹا کر بددعائیں دیں تو اس وقت فاطمہ زہراؑ کی عمر پانچ چھ سال کی تھی (باقی برصفحہ آئندہ)

جلد اول - شرح عسقلانی باب الطہارۃ صفحہ ۲۵، باب الصلوٰۃ صفحہ ۳۸۹، جلد ۵ باب الجہاد صفحہ ۸۶

(بقیہ حاشیہ) ترتیب بیان واندراجات واقعات وروایات مندرجہ سیرۃ النبی وغیرہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت ابوطالبؑ بھی مر چکے تھے کیونکہ ان کی حیات میں کفارِ قریش کو ایسی جرأت کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ خود آنحضرتؐ کے ارشاد سے ثابت ہے (دیکھو تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ اور سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۲) یعنی جب فاطمہ زہراؑ حضرت کا سر دھلا رہی تھیں اور روتی جاتی تھیں تو آپ نے فرمایا تھا، بیٹی روؤ مت، خدا تیرے باپ کا محافظ ہے اور پھر فرمایا، ما نالت منی قریش شیئًا اکرھہ حتی مات ابو طالب (طبری) یعنی جب تک ابوطالب زندہ رہے اس وقت تک قریش مجھے کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچا سکے اور یہ امر مسلّم ہے کہ یہ دونوں جانکاہ واقعات یعنی خدیجہ اور ابوطالب کا انتقال بعثت سے دس سال بعد اور ہجرت سے تین برس قبل ہوئے ہیں۔

پس اگر مدائنی وغیرہ کے اس عام قول پر نظر ڈالی جائے کہ فاطمہؑ کی ولادت بعثتِ نبویہ سے پانچسال قبل ہوئی تھی تو اس وقت جبکہ مکہ میں یہ واقعہ پیش آیا فاطمہ زہراؑ کی عمر ۱۵ سال اور ہجرت کے وقت ۱۸ سال ہونی چاہیے۔ اور استیعاب کے قول کے مطابق اس وقت ۹ سال اور ہجرت کے وقت ۱۲ سال سے کم نہیں ہو سکتی لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، زرقانی اور شبلی کی روایت نے جس میں صاف بتصریح درج ہے کہ فاطمہؑ کی عمر اس وقت پانچ چھ سال کی تھی، عبدالبر اور مدائنی کے قول کو سراسر غلط ثابت کر دیا۔

علاوہ بریں تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب قبائل قریش نے بنی ہاشم سے بائیکاٹ کیا اور باہمی معاہدہ کا کاغذ خانہ کعبہ پر لٹکایا گیا تھا تو یہ بعثت نبوی کا ساتواں سال تھا۔ اسی سال حضرت ابوطالب بنی ہاشم کو لے کر شعبِ ابوطالب میں چلے گئے تھے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

باب الجزیہ ص۱۹۸ اور صحیح مسلم و زرقانی جلد ا ص۱۹۴ سے نقل کیا ہے۔ دیکھو سیرت النبی

(بقیہ حاشیہ) تو اس وقت فاطمہ زہرا کی عمر دو سال کی تھی۔ اس بیان سے پانچسال والی روایت بھی غلط ثابت ہوئی۔ مکہ میں اس واقعہ کے وقت جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے، عمر شریف حضرت فاطمہؑ کی پانچ ہی سال کی تھی تو اس سے مدائنی و عبدالبر کے اقوال غلط ثابت ہوئے۔

ان سب سے بالاتر خود آنحضرتؐ کا ایک قول ہے جس سے مذکورۂ بالا تمام اقوال سراسر غلط، بے بنیاد اور ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں۔ جب آنحضرت مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور جنگ بدر کے بعد ۲ھ میں فاطمہ زہرا کی شادی کا سوال پیش ہوا تو صحابہ کبار مثلاً حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ نے فاطمہؑ سے عقد کی خواستگاری کی اس وقت آنحضرتؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ فاطمہؑ صغیر السن ہے۔ ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ وغیرہ۔ پھر اس کے بعد بحکم الٰہی ۲ھ میں فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دیا گیا۔ پس اگر فاطمہؑ کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل بھی جائے یا بعثت سے ایک سال بعد قرار دی جائے تو ۲ھ میں فاطمہؑ کی عمر ۱۹ یا ۲۰ سال ہونی چاہیے۔ اور بقول عبدالبر ۱۳ یا ۱۴ سال سے کم تو ہو ہی نہیں سکتی۔ پس اس عمر کی لڑکی پر بالخصوص عرب وغیرہ کے گرم ملک میں کسی طرح بھی صغیر السن کا لفظ نہیں بولا جا سکتا ہے۔ پس آنحضرت کا عمر فاطمہؑ کے متعلق ایسا فرمانا خود ثابت کر رہا ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۹ یا ۱۰ سال سے زیادہ نہ تھی اور یقیناً وہ بعثت نبوی سے پانچ چار سال بعد پیدا ہوئیں۔

بلاشک اھل البیت ادریٰ بما فی البیت خاندان رسالت کے ائمہ اطہار اولاد فاطمہ زہرا کے اقوال و ارشادات کے مطابق شیخ العلماء محمد یعقوب کلینی رحمۃ اللہ نے اصول کافی میں جو ولادت سیدہ ۵ سنہ نبوت میں لکھی ہے

(باقی بر صفحہ آیندہ)

جلد ۱ ص ۱۸۶، رحمۃ للعالمین جلد ۱ ص ۱۲۹ میں یہ روایت صحیح بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین سے درج ہے ؛

(بقیہ حاشیہ) وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے ۹ یا ۱۰ سال کی عمر میں شادی ہونے اور ۱۰ یا ۱۱ سال کی عمر میں ولادت امام حسن علیہ السلام کو نگاہ استعجاب سے دیکھا ہے اور بعید از امکان قیاس کرکے ولادت فاطمہ کو ۵ سنہ نبوت سے قبل تسلیم کرکے عمر شریف کو ۲۹ سال بیان کیا ہے نہایت ہی دور از فہم معلوم ہوتا ہے۔ کیا حضرت عائشہ کا عقد مکہ میں ۶ یا ۷ سال کی عمر میں نہ ہوا تھا ؟ اور ۱ سنہ میں جبکہ ان کی عمر ۸ یا ۹ سال سے زیادہ نہ تھی ان کی شادی مدینہ میں نہ ہوئی تھی اور کیا اسی سال زفاف واقع نہ ہوا تھا ؟ (تاریخ طبری جلد ۳، تاریخ کامل جلد ۲، تاریخ خمیس جلد ۱، بخاری، مسلم، مدارج النبوۃ) پس اگر اس وقت خداوند عالم حضرت عائشہ کو اولاد کرامت فرما دیتا تو کیا یہ امر ناممکن اور تعجب خیز سمجھا جاتا، یہ بات دوسری ہے کہ ام المومنین کی گود خالی رہی اور بنت رسول خدا کو حسن و حسین جیسے جلیل القدر ہادی اور رہنمائے اسلام کرامت فرمائے اور انہی سے رسولؐ کی نسل کو چلایا جو قیامت تک دنیا میں باقی رہنے والی ہے۔

باب چہارم

حالاتِ معاویہ اور بنی امیّہ

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا، معاویہ کی موت اسلام پر نہ ہوگی۔ وہ جہنّم میں آتشیں تابوت میں ہوگا۔ (طبری ص۳۰)

بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا کہ نظامِ حکومتِ اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا۔ اور خلافتِ راشدہ جمہوریہ کی جگہ سلطنتِ مستبدہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ انقلاب بہت شدید تھا اور بہت مشکل تھا کہ ملک کو اس پر راضی کیا جائے۔ صحابہ کرام ابھی موجود تھے اور خلافتِ راشدہ کے واقعات بچہ بچہ کی زبان پر تھے اس لیے اس احساس اسلامی کو مٹانے کے لیے تلوار سے کام لیا گیا اور جس نے حقگوئی کی جرأت کی اس کو بزورِ شمشیر روکا گیا۔ رفتہ رفتہ احساس منقلب اور خیالات پلٹنے لگے اور حقیقت روز بروز مستور ہونے لگی۔ ان کے بعد بنی عباس آئے تصنیف و تالیف اور تدوینِ علومِ اسلامیہ کا رواج ہوا تو وہ مخفی اثر موجود تھا اور کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کا طریقہ بھی بنی امیہ ہی کا سا تھا۔

ابنِ تیمیہ اور اس کے مرید یزید کو امام اور خلیفۂ برحق سمجھنے والے بزرگانِ دین پر زبانِ اعتراض کھول کر ہمیشہ یزید اور اس کے خاندان کی مدح سرائی میں

مشغول پائے جاتے ہیں لیکن ان کے کہنے سے ہو کیا سکتا ہے ۔ دنیا جانتی ہے کہ خاندان بنی امیہ کے ظالموں، جابروں، عیش پرستوں اور ہوس رانوں نے خلافت پر ناجائز تصرّف کر کے مسندِ رسول ؐ پر قدم رکھا اور اسوۂ رسول ؐ کو بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشوں اور خود غرضیوں کو پورا کرنے کی دھن میں رہے۔ روحانیت اور اسلام کو صدمہ پہنچایا۔ اصولِ محمدی اور احکام اسلامی کو بگاڑا اور اپنی ہوا پرستی، زناکاری شراب خواری اور ظلم پسندی سے دنیا میں وہ طوفان اٹھائے اور وہ فتنے برپا کیے کہ خدا کی پناہ۔ بزرگانِ دین کو تباہ و برباد کیا۔ خلق اللہ کا ناحق خون بہایا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تصنیف "الحرب فی الاسلام" میں اس مطلب پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے جو ہمارے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

صحیح بخاری اور شرح تیسیر القاری جلد ۴ اور شرح عسقلانی ص۴۳ جلد ۶ میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے انصار سے فرمایا۔ انی اعطی رجالاً حدث العھد قریب الکفر اتالفھم۔ یعنی میں نے ان لوگوں میں (مالِ غنیمت) عطا کیا ہے جو تازہ مسلمان اور قریب بکفر ہیں تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو اور کہا، اے انصار کیا تم اس امر سے راضی اور خوشنود نہیں ہو کہ یہ لوگ تو دنیا کا مال و دولت بھیڑ بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اپنے نبی کے ساتھ رحمتِ الٰہی میں واپس ہو۔ شارح بخاری صاحب تیسیر القاری نے اپنی شرح میں اسی حدیث کے تحت میں یہ بھی درج فرمایا ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب وہ تازہ مسلمان ہیں جو فتح مکہ کے بعد مجبور ہو کر مسلمان ہوئے تھے جیسے ابوسفیان اور معاویہ وغیرہ (تیسیر القاری ص۱۵۰، روضۃ المناظر ص۱۵۲ اور تمدنِ اسلام ص۱۵۵) اسی جنگِ حنین کے موقع پر ان تازہ مسلمان بنی امیہ کے اسلام و کفر پر روشنی بھی پڑتی ہے۔ یعنی جب حنین کے دن معرکۂ جنگ سے باوجود کثرت و غلبہ کے مسلمان مشرکوں

کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور سوائے شیر بیشہ شجاعت اسد اللہ الغالب حضرت علیؑ بن ابی طالب اور چند جاں نثاروں کے کوئی میدان میں تلوار چلانے والا باقی نہ رہا۔ سب بھاگنے والے بھاگ گئے اور رہنے والے رہ گئے۔ اس موقع پر ابوسفیان نے ہنس ہنس کر کہنا شروع کیا۔ ابھی کیا ہے یہ مسلمان تو بھاگ کر سمندر تک جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اسلام سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں ابوسفیان اور اس کے بیٹے معاویہ وغیرہ کو کسی ملکی یا جنگی سیاسی یا انتظامی معاملہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یہ لوگ نہ کسی غزوہ میں علمبرداری کرتے دکھائی دیتے ہیں نہ کسی اور اہم خدمت پر معین کیے جاتے ہیں۔ تبلیغ اسلام اور اجرائے شریعت وغیرہ سے تو بھلا ان بیچاروں کا جن کی رگ رگ میں کفر و شرک کا خون دوڑا ہوا تھا تعلق ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اگر کبھی کسی معمولی خدمت کے لیے بنی امیہ میں سے کسی شخص کا معین ہونا نظر بھی آتا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس خدمت کو اس شخص نے حکمِ الٰہی اور منشائے رسولؐ کے مطابق انجام نہیں دیا اور خدا کا رسولؐ اس کے عمل سے ناراض ہوا۔ چنانچہ بعدِ رسولؐ جب بلادِ اسلامی کی حکومت اور سلطنت کا اقتدار ان کو حاصل ہوا تو ان کے افعال و کردار سے ثابت ہو گیا کہ وہ اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتے۔ ان کے ہاتھوں سے خلق اللہ پہ وہ شدید ظلم ہوئے کہ روح ان کے تصور سے چیخیں مارتی ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ جو بالہامِ الٰہی لوگوں کی حالت کو بخوبی جاننے والے تھے اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ خدا کے بندوں پہ عدل و انصاف کی حکومت کرنے اور قوانین شرع پہ عملدرآمد کرنے سے یہ ہوا و ہوس کے بندے خود غرضیوں کے پُتلے کوسوں دور ہیں۔

حنین سے فارغ ہونے کے بعد جب طائف کا محاصرہ ہوا اور ماہ ذیقعد شروع ہو جانے سے آنحضرتؐ اس محاصرہ کو اٹھا کر پہلے مکہ اور وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے تو اس وقت اہلِ طائف کا وفد لغرض صلح آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چار باتوں پر صلح چاہی۔ اوّل یہ کہ لاتؔ جو اُن کا بُت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے (اس سے پہلے محاصرہ کے وقت طائف کے اطراف وجوانب کے بُت دستِ یداللّٰہی سے توڑے جا چکے تھے۔ اور ذوالکفین نامی لکڑی کا بُت طفیل بن عمرو الازدی نے توڑ کر جلا دیا تھا) دربارِ رسالت سے یہ شرط نامنظور کی گئی تو انھوں نے ایک سال کے لیے چاہا، وہ بھی نامنظور ہوئی۔ پھر ایک ماہ کی مہلت چاہی گئی وہ بھی نامنظور ہوئی۔ دوسرے یہ کہ ان کو نماز معاف کر دی جائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ بھلائی نہیں۔ تیسری شرط یہ تھی کہ وہ اپنے بُت اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں۔ چوتھی یہ کہ محصول کنندہ کے روبرو ان کو نہ بلایا جائے۔ زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ اور کوئی جرمانہ ان سے نہ لیا جائے۔ یہ دونوں شرطیں آخر کی منظور ہوئیں اور اس پر صلح ہو گئی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اسلام کی حکومت روپیہ پیسہ جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ شرک مٹانے اور طاعتِ خدا قائم کرنے کے لیے ہے۔ پس لاتؔ کو توڑنے کے لیے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا گیا تو مغیرہ نے اپنے ہاتھ سے اس بُت کو توڑ کر گرا دیا لیکن ابوسفیان نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا (اعجاز التنزیل صفحہ ۲۴)

ایک بار آنحضرتؐ نے کسی کام کے لیے معاویہ کو طلب فرمایا۔ جواب ملا کہ کھانا کھا کر آئیں گے۔ کچھ دیر بعد پھر بلایا تو یہی معلوم ہوا کہ کھانا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آئیں گے۔ تیسری بار پوچھا گیا تو یہی جواب ملا کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر حضرتؐ نے فرمایا۔ لاا شبع اللہ بطنہٗ (خدا اس کا پیٹ نہ بھرے) معاویہ

کے متعلق اس واقعہ کو امام نسائی نے نہایت معتبر و مستند طریقہ سے لکھا ہے۔
ایک بار مصریوں کا ایک وفد امیر معاویہ کے سامنے پیش ہوا۔ ابو الخیاط نے اس کو السلام علیکم یا رسول اللہ کہہ کر سلام کیا مگر معاویہ نے منع نہ کیا (تاریخ کامل جلد ۴ ص۵ نصائح کافیہ ص۹۴)

امام حسنؑ کو زہر دلانا۔ ام المومنین عائشہ کا دردناک واقعہ۔ حجر بن عدی جیسے صالح و دیندار کے قتل کے واقعات، خلاف شرع محمدی زیاد بن سمیہ کو ابوسفیان کا بیٹا بنانا۔ یہ سب کرتوت معاویہ ہی کے تھے۔ جو تفصیل کے ساتھ کتب تواریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۴۵ پر حسن بصری سے منقول ہے۔ "معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی کسی میں پائی جاتی تو اس کے خارج از دین ہونے کے لیے کافی ہوتی۔ اول اس امت پر تلوار چلانا اور بغیر مشورہ صحابہ اور صاحبانِ فضل خلافت پر قابض ہو جانا۔ دوسرے اپنے بیٹے یزید کو جو شراب خوار اور ریشمی لباس پہننے والا اور طنبورہ بجانے والا تھا اپنا خلیفہ بنانا۔ تیسرے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا بنا لینا۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کو قتل کرنا۔ انھیں ضلالتوں اور بدکاریوں کا نتیجہ تھا کہ ابو دردا اور انس بن مالک جیسے اصحاب رسول رو رو کر کہتے تھے کہ افسوس اسلام محمدی میں سے کوئی شے اور حکم باقی نہیں رہا سوا نماز کے، سو وہ بھی زمانہ رسالت کے موافق نہیں ہے۔ علامہ ابن القیم اغاثۃ اللہفان ص۱۰۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ام درداء بیان کرتی ہیں کہ ایک روز ابودردا صحابی رسول غضبناک گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے غصہ کا سبب پوچھا تو کہا میں ان لوگوں میں کوئی امر بھی محمدؐ کا سا نہیں پاتا سوا اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔ امام مالک کا بیان ہے کہ جو باتیں ہم پہلے دیکھتے تھے ان میں سے اب ایک بات بھی مسلمانوں میں نہیں پاتے سوائے اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں (یعنی نماز

پڑھ لیتے ہیں) منقول از رسالہ اصلاح نمبر، جلد ۱۴۔

زہری کا بیان ہے کہ ہم انس بن مالک صحابی رسولؐ کے پاس دمشق میں گئے۔ تو ہم نے ان کو روتے پایا۔ سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ جو باتیں ہم عہدِ رسولؐ میں پاتے تھے اب ان کو نہیں پاتے۔ وہ سب مفقود ہیں۔ صرف یہ نماز رہ گئی ہے سو وہ بھی ضائع کردی گئی ہے (صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۹۵ اور اغاثۃ اللہفان ص۱۰۸)

بنی امیہ کے وظیفہ خوار بڑے بڑے محدثین و مورخین تھے۔ انھوں نے انعام و اکرام کے لالچ میں علم حدیث و روایت میں وہ اندھیر مچایا ہے کہ خدا کی پناہ ان ایمان فروشوں بدکار اموی خلفاء کو رسولِ خداؐ کا جائز خلیفہ ثابت کرنے کے لیے ان کے عیوب چھپانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور رسول اللہ کی تنقیص و توہین کا مطلق خیال نہیں کیا۔ سینکڑوں جھوٹی حدیثیں گھڑ کر سیرت محمدیہ کے صاف و شفاف چشمہ کو اپنے قابلِ شرم بیانات کے قاذورات سے ایسا گندہ بنادیا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ناواقف حال معترضین آئے دن اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

عہدِ بنی امیہ کے لالچی اور ایمان فروش علماء نے اسلام کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے فساق و فجار خلفاء کے عیش و عشرت اور عشق و محبت کے کارناموں اور ہوا پرستی و ظلم پسندی کے کرشموں کو جائز قرار دینے کے لیے بے تکلف ایسی احادیث وضع کردیں جن سے اخلاق محمدی کا بھی ویسا ہی بدنما ہونا ثابت ہو جائے تاکہ ان بدذاتوں کا فسق و فجور دبا رہے افسوس ہے کہ عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے ایسی مصنوعی اور گندی حدیثوں کو تمام ملک میں رواج دیا گیا اور مسلمانوں کو حفظ کرائی گئیں۔ چنانچہ شرمناک حدیثوں سے علماء و محدثین نے اپنی صحاح کے اوراق مزین فرمالیے اور ان کو سیرتِ محمدی

کے نمونوں میں پیش کر دیا۔ ان واضعانِ حدیث میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے محض سلاطین بنی امیہ کے ظلم و جور سے خوف کھا کر ایسا کیا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں علمائے اہلبیت سے تمسک رکھنا گناہِ عظیم تھا اور کسی مسئلہ کو ان سے دریافت کرنا سلطنت کا سخت ترین جرم تھا۔ کوئی ان حضرات کے پاس جانے اور اصلیت کا کھوج لگانے کی جرأت ہی نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عوام الناس میں لاکھوں غلط حدیثیں اور روایتیں برزبان ہو گئیں اور وہی گندگی آج تک چلی آ رہی ہے۔ آلِ محمدؐ کی منزلت کو حد درجہ گھٹا کر اور ان کی دینی مرکزیت کو برباد کر کے نئے نئے مرکز قائم کیے گئے تھے۔ جہاں لوگ جا کر غلط احکامِ دین حاصل کرتے تھے۔ کس کی تاب تھی کہ ان ایمان فروش علماء کی کسی غلطی پر انگشت نمائی کر سکتا۔ ان کی رسائی سلاطین کے دربار تک تھی جس کو چاہتے چشم زدن میں قتل کرا دیتے۔

اس زمانہ میں عام لوگوں کے دل پر یہ نقش کیا جا رہا تھا کہ رسول اللہؐ بھی ایک معمولی انسان تھے۔ جس طرح اور تمام لوگ خطاء و نسیان کے پتلے ہیں وہ بھی تھے جس طرح اور لوگ جہالت و نادانی کے شکار ہیں وہ بھی تھے۔ وہ آیۂ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کو پڑھ کر یہ ثابت کرتے تھے کہ رسولؐ بھی بالکل ہم ہی جیسا ایک انسان تھا اور یوحیٰ الیَّ کی فصل ممیز کو کبھی غور سے نہ دیکھتے تھے۔ وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہ تھے کہ یہ نورانی بشر اور انسانِ کامل جو خلافتِ الٰہیہ کا تاجدار اور محبوبِ خدا ہونے کا حقیقی مستحق ہے اور اپنی صفاتِ عالیہ میں ہر طرح سے اکمل ہے ہم خاکی انسانوں سے بدرجہا افضل و برتر ہے اور کوئی بشر کسی امر میں اس سے زیادہ واقف و عالم صاحبِ عصمت و طہارت ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی یوحیٰ الیَّ کی فصلِ ممیز اس نورانی بشر کو اس خاکی انسان سے جو جہالت و لاعلمی اور خطاء و نسیان کی پوٹ ہے علیحدہ کرتی ہے۔ یہی وہ عطیۂ الٰہی ہے جو اس نورانی انسان کو

دنیٰ فتدلیٰ کی کرسی پر بٹھاتا اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ کا تقرب عطا فرماتا ہے۔

مسٹر آوسٹارن ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ بنی امیہ کا اوّل خلیفہ دانا ہوشیار منتقم اور سفاک تھا اور اپنا مطلب نکالتے وقت کسی جرم سے نہ ڈرتا تھا۔ زبردست غنیم کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا اسی کا شیوہ تھا۔ اسی نے پیغمبرؐ کے نواسے کو زہر دلوایا اور حضرت علیؑ کے بہادر لفٹننٹ مالک اشتر سے بھی یہی سلوک کیا۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کو تخت نشین کرنے کے لیے بہت سے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ دیا جو اس نے حضرت علیؑ کے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے کیے تھے۔ باوجود ان باتوں کے یہ سردمہر اور ملحد عرب اسلامی ممالک پر حکومت کرتا تھا اور نوّے سال تک تختِ خلافت اس کے خاندان میں رہا۔ یہ بے ضابطگی صرف دو وجہوں سے پیدا ہوئی جس کا پہلے بھی کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں۔ ایک تو یہ کہ پکّا اور دیندار مسلمان خیال کرتا تھا کہ وہ اپنے مذہب کا اظہار زیادہ خوبی سے اس طرح سے کر سکتا ہے کہ دنیوی معاملات میں کنارہ کش رہے۔ دوسرے عربوں کے نسلی اور جماعتی تعصب نے عربی ایشیا اور شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کے فاتحوں کو کبھی اپنی شان کے شایان ترقی نہیں کرنے دی۔ خروج کے زمانہ میں ان کے ابتدائی جذبات رقابت اور بغض و کینے برابر قائم رہتے تھے۔ پہلے وہ چھوٹے پیمانے پر لڑتے تھے پھر وسیع پیمانے پر جنگ کرتے رہتے۔

انگریز مؤرخوں کا بیان ہے کہ بنی امیہ وغیرہ نے شدتِ عداوت کی بنا پر معلّمِ فطرت حضرت رسولِ خداؐ کو بے حد اذیتیں پہنچائی تھیں اور ان کو اپنے وطن سے نکال دیا تھا۔ انھوں نے مذہبِ اسلام کو اس کے ابتدائی زمانے ہی میں تباہ و برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اور آخر دم تک اس کے خلاف جنگ آزمائی میں مصروف رہے۔ اس گہرے رابطہ و اتحاد سے جو

مسلمانوں نے آپس میں قائم کر رکھا تھا مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ بنی امیہ اپنی سابقہ طاقت اور وقار کو زائل ہوتے دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے اور جلتے تھے فتح مکّہ کے بعد ان کو مجبور اور لاچار ہونا پڑا لیکن انھوں نے خاندانِ ہاشم یا اسلام کو اس تباہ کاری کی وجہ سے کبھی معاف نہیں کیا جو عبداللہ کے بیٹے نے ان پر نازل کی تھی۔

جب تک پیغمبر صاحبؐ زندہ رہے ان کی بارعب شخصیت نے ان تمام غدّاروں کو خوف زدہ بنائے رکھا۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے ذاتی اغراض اور اس طمع نفسی کی وجہ سے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا کہ اس دنیوی مال و زر سے ضرور کچھ ملے گا جو مسلمانوں کی فتوحات سے دولتِ اسلامیہ کو حاصل ہوا۔ اس قسم کے عیاش بدچلن، بے اصول، بے رحم اور دل سے بے دین اشخاص ایسے مذہب سے جس نے مساوی حقوق قائم کیے اور جو اپنے پیروؤں سے اخلاقی فرائض کی بجاآوری اور پاکبازی پر عامل ہونے کی تاکید کرتا تھا۔ بیزار اور دل برداشتہ رہتے تھے۔ انھوں نے شروع ہی سے اس حکومت کے خلاف جس کی اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے۔ خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں اور ان لوگوں کو تباہ و برباد کرنے پر کمر باندھ لی تھی جن پر جمہوریتِ اسلام کا دارومدار تھا۔ پیغمبر صاحبؐ کے پہلے دو جانشینوں نے ان لوگوں کی امنگوں اور حوصلوں کو ذرا قابو میں رکھا اور ان کی سازشوں اور دغابازانہ منصوبوں کو دباتے رہے مگر عثمان کے منتخب ہوتے ہی یہ لوگ غول در غول مدینہ کی طرف اس طرح لپکے جیسے گدھ شکار کی بُو سونگھتے ہی جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کی تخت نشینی بنی امیہ کی طرف سے علانیہ اظہار نفرت اور دبی دبی بدچلنیوں کے رائج ہونے کی محرّک ثابت ہوئی اور ان حرکات نے اسلامی دنیا کے کونے کونے میں

ہنگامہ برپا کر دیا جن سے شریف ترین اور بیش بہا نسلوں کا خاتمہ ہو گیا۔
اوکلے صاحب کہتے ہیں اگر علی کو امن چین سے حکومت کرنے کا موقع دیا جاتا تو ان کی خوبیاں اور نیکیاں ان کی مستقل مزاجی اور ممتاز کیرکٹر سابقہ جمہوریت اور اس کے سیدھے سادے طریقوں کو قائم و برقرار رکھتا خنجر قاتل نے اسلام کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔

میجر آسبرن صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی (حضرت علیؑ) وفات سے ایسا مخلص اور بہترین انسان دنیا سے اٹھ گیا جس کی یاد تاریخ اسلام میں اب تک تازہ ہے۔

مسٹر ملایٹ صاحب فرماتے ہیں اگر آبائی وراثت (حضرت علیؑ کے حق میں) اصول شروع میں تسلیم کر لیا جاتا تو ان تباہ کن دعاوی کا ابھرنا مسدود ہو جاتا جنہوں نے اسلام کو خود مسلمانوں ہی کے خون میں مستغرق کیے رکھا۔ جناب فاطمہؑ کے شوہر کی ذات میں پیغمبر صاحب کے جائز وارث ہونے کی حیثیت سے حق وراثت اور نیز استحقاق بروئے انتخاب دونوں حقوق شامل تھے۔ ایسی حالت میں خیال کیا جا سکتا تھا کہ سب ان جیسی بے لوث اور عظیم الشان شخصیت کے آگے سپر انداز ہو جائیں گے مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔ علیؑ کے بہت سے صلح کاروں نے یہ مشورہ دیا کہ سابق خلیفہ کے مقرر کردہ بدعنوان گورنروں کی موقوفی کا اس وقت تک ارادہ نہ کریں جب تک وہ اپنے دشمنوں کے مقابل مضبوط اور مصئون نہ ہو جائیں۔ لیکن اس غازئ اسلام اور شجاع نے بلا خوف و خطر اور بلا خیال لائم کسی منافقت یا ناانصافی میں شریک ہونے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اور تمام وہ اشخاص جن کو عثمان نے برسر اقتدار کر رکھا تھا اور جنہوں نے قومی معاملات میں اس بری طرح غداری کی تھی ایک فرمان کے ذریعہ سے اپنے عہدوں سے یکقلم برطرف کر دیے۔

تاریخ و سیر کی ورق گردانی اور زمانہ ہائے مابعد کے حالات و واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کھلم کھلا انی تارک فیکم الثقلین الخ کو بھلا دیا گیا اور جاہ طلب اور نفس پرست بندوں، خاندانِ رسالت کے پرانے دشمنوں، حاسدوں یعنی بنی امیہ نے جو مجبور ہو کر بظاہر مسلمان ہو چکے تھے اسلامی بھیس میں طاقت و قوت پکڑ کر مسندِ خلافت پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ اور خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین بن بیٹھے۔ جس کے کسی طرح بھی وہ اہل نہ تھے۔ پس ان جاہل اور نا اہل مسلمانوں کی حکومت نے بنی امیہ کی مستبدانہ غاصبانہ اور مخربِ دین و دنیا کرشموں کے مکمل نظارے دنیا کو دکھلائے اور آنحضرتؐ سے اپنی ذاتی دشمنی کی بنا پر ان کی نفس پرست اور دنیا طلب حکومتوں اور خلافتوں نے اپنی شیطانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے دینِ محمدی کے نورانی احکام اور اسلام کے پر خیر و برکت قانون کو الٹ پلٹ کر دیا۔ اسوۂ رسولؐ کو چھوڑا، سنتِ نبوی کو بدلا اور دینِ الٰہی میں رخنے ڈالے۔ افسوس وہ دین جو حقیقتاً دنیا کے تمام ادیان کو منسوخ کرنے اور باطل مذہبوں کو مٹا کر توحیدِ الٰہی کی روح پھونکنے کے لیے آیا تھا ان فاسق و فاجر حکمرانوں کی ہوا پرستیوں، سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں سے ایسا تباہ و برباد ہوا کہ کسی نے دینِ اسلام کو لٹیروں اور ڈاکوؤں کا دین بتایا اور کسی نے بزورِ شمشیر پھیلانے کا الزام لگایا۔ کسی نے عیش پرستی کا مذہب نام رکھا کسی نے ظلم و جور اور خون ریزی کا دین بتا کر اس دین سے نفرت کا اظہار کیا۔ بے شک ان سب خرابیوں اور بدنامیوں کی ذمہ دار بنی امیہ کی ناجائز اور ستم پرور حکومت تھی۔

رسولؐ کا معاویہ پر لعن کرنا:

تاریخ طبری جلد ۱۳ ص۲۱ پر ہے :-

قد راہ مقبلا علی حمار و معاویۃ یقود بہ و یزید ابنہ یسوق بہ قال لعن اللہ القائد والراکب والسائق (یعنی آنحضرتؐ نے ایک دن ابوسفیان کو گدھے پر سوار آتے دیکھا۔ معاویہ

اس کے گدھے کی باگ پکڑے آگے آگے تھا اور یزید پیچھے سے ہنکا رہا تھا۔ فرمایا، خدا لعنت کرے اس آگے چلنے والے اور اس سوار ہونے والے اور اس پیچھے ہنکانے والے پر)

شجرہ ملعونہ معاویہ کا شجرہ ہے: اسی تاریخ طبری جلد ۱۲ صفحہ ۲۱۷ پر ہے کہ ایک دن حضرت رسول خدا نے فرمایا جو شخص میری امت سے اس صبح کو نکلے گا (کسی راستے کی طرف اشارہ کرکے) وہ میرے دین کے خلاف محشور ہوگا۔ پس معاویہ ادھر سے گزرا۔

بنی امیہ کا شجرہ نسبی جو سفیانی اور مروانی شجرہ کہا جاتا ہے۔ وہی ہے جو بروایت حضرت عائشہ اور حضرت عباس قرآن مجید میں شجرۂ ملعونہ اور شجرۂ خبیثہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر، تفسیر دُرِ منثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱ اور روضۃ المناظر برحاشیہ تاریخ کامل صفحہ ۸، تاریخ احمدی صفحہ ۱۷۹، تفسیر معالم التنزیل قمی نیشاپوری جلد ۲ صفحہ ۴۵۸ صفحہ ۴۵۹۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناك الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا (یعنی جو خواب ہم نے آپ کو اے رسول دکھایا اس کو لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا تھا اور قرآن میں بھی شجرۂ ملعونہ ہے۔ ہم نے لوگوں کو ڈرایا اور تنبیہ کی مگر ان کی سرکشی اور طغیانی بڑھتی ہی گئی) یہ اس خواب کا بیان ہے جس میں حضرت نے دیکھا تھا کہ بنی امیہ میرے منبر پر بندروں کی طرح ناچتے کودتے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ حد درجہ ملول ہوئے تھے۔ اس کے متعلق امام حسن نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ دیکھو تاریخ ابو الفدا جلد اول۔ پس آنحضرت ص کے منبر کو بنی امیہ میں سب سے پہلے اولادِ ابوسفیان نے غصب کیا اور اس پر چڑھ کر خلافت کی چھلانگیں ماریں پھر ان کی ہی بدولت بنی امیہ کی دوسری شاخ بنی مروان میں خلافتِ رسول کا منبر منتقل ہوگیا۔ یہی وہ شجرۂ ملعونہ ہے جس نے پھیل کر آلِ محمدؐ کے شجرۂ طیبہ کو تباہ و برباد

کر دیا۔ بے شک امتِ محمدیہ اور سلطنتِ اسلامیہ کے لیے یہی بنی امیہ فتنہ اور امتحان قرار پائے۔

ابوسفیان کے بعد ان کے سپوت معاویہ خاندان بنی امیہ کے سربرآوردہ لیڈر بنے اور اپنے باپ کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ ان کے دل میں بھی خاندانِ رسالت سے عداوت و حسد کے شعلے وراثتاً بھڑکتے چلے آ رہے تھے اور لیٹ ہر اسلامی بھولاپن کر سلطنت پر ہاتھ مارنے کی دھن میں پڑے ہوئے تھے۔ اسی بنیاد پر حضرت علیؑ کی ذاتِ اقدس جو علم و فضل، زہد و اتقاء، حکمت و معرفت، دینداری و نکوکاری میں اپنا جواب آپ ہی تھی کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ جب تک زمانہ موافق نہ تھا بلی کی طرح تختِ خلافت کی تاک لگائے بیٹھے رہے لیکن بعد رحلتِ رسولؐ جب ہوا کا رُخ بدلا اور نیک و بد میں تمیز جاتی رہی تو خاندانِ بنی امیہ نے بھی اپنے پر پرزے نکالے۔ دربارِ خلافت سے ابوسفیان کا منہ بند کرنے کے مصلحتاً بنی امیہ کو حکومتِ اسلامی میں کافی حصے دیے جاتے لگے چنانچہ معاویہ اور یزید بن ابوسفیان کو لشکرِ اسلامی کی سرداریاں دی گئیں۔ خاندانِ رسالت کے ممتاز ممبروں کو کس مپرسی کے گوشوں میں بٹھا کر ان کے قدیمی دشمنوں کے اقتدار کو بڑھایا گیا۔

معاویہ کی گورنری کی تنخواہ: اسی پالیسی کی بنا پر بنی امیہ کا فروغ شروع ہوا۔ اوّل فوجی عہدے ان کو ملے، پھر دمشق و شام جیسے وسیع اور زرخیز ممالک کی حکومت ان کو دی جانے لگی۔ اس وقت سے لگاتار ۲۵۔۳۰ سال تک معاویہ ان ممالکِ مفتوحہ کا بے خدشہ مالک بنا رہا اور بیت المال کے تمام خزانہ کو با اختیار خود خرچ کرتا رہا۔ علاوہ لاکھوں روپے کی خرد برد کے بارہ ہزار اشرفی سالانہ بظاہر گورنری کی تنخواہ بھی لیتا تھا جیسا کہ

عبد البر نے استیعاب جلد اول ص۲۵۳ پر لکھا ہے۔ ابو عمرو معاویہ وابوہ من المؤلفۃ القلوب۔ وولاہ عمر علی الشام حین موت اخیہ یزید وتوفی یزید فی ذی الحجہ من ذلک العام ۱۹ھ فی دمشق و استخلف اخاہ معاویہ علی عملہ فکتب الیہ عمر بعہدہ علی ما کان یزید ورزقہ الف دینار فی کل الشہر ورد البرید بموت یزید علی عمر وابو سفیان عندہ فلما قراء الکتاب بموت یزید قال ابی سفیان احسن اللہ عزاک فی یزید ورحمہ ثم قال لہ ابو سفیان من ولیت مکانہ یا امیر المومنین قال اخاہ معاویہ قال وصلتک الرحم یا امیر المومنین (ابو عمر معاویہ اور ان کا باپ مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ عمر نے معاویہ کو شام کا حاکم بنایا۔ اس کے بھائی یزید کے مرنے پر، یزید نے اسی سال ۱۹ھ میں دمشق میں وفات پائی اور اس کے بھائی معاویہ کو اس کا جانشین بنایا اور ایکہزار دینار اس کی تنخواہ مقرر کی۔ جب یزید کی سنانی لے کر قاصد آیا تو عمر کے پاس ابو سفیان بیٹھا تھا۔ عمر نے اس خط کو پڑھ کر ابوسفیان سے کہا، خدا تمھیں یزید کے ماتم میں صبر دے اور اس پر رحم کرے۔ ابوسفیان نے کہا اب آپ اس کی جگہ پر کس کو معیّن کریں گے کہا اس کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے کہا، بیشک امیر المومنین نے صلہ رحم کیا)

معاویہ کے عہد کے مسلمان: ظاہر ہے کہ دمشق کا صوبہ اور شام کا وسیع ملک اپنے اصلی مرکز حجاز اور اس کے دار السلطنت مدینہ سے ہزاروں میل دور تھا۔ ایسے دور دراز مقام پر اسلامی شعائیں پوری طرح اسی وقت پڑ سکتی تھیں جب کہ وہاں تبلیغ کا پورا پورا بندوبست کیا جاتا۔ تلوار کے خوف سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ لا الہ

الا اللہ کے سوا اور جانتے ہی کیا تھے ؛ ان کو بہت کچھ تعلیم و تلقین کی ضرورت تھی۔ ایسے ناواقفِ دین لوگوں کو اپنے بس میں کر کے معاویہ اپنے کو جو کچھ چاہتا کہلوا سکتا تھا اور اہل بیتِ رسولؐ سے جس قدر چاہتا برگشتہ کر سکتا تھا۔ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ آنحضرتؐ کی شانِ رسالت کیا تھی ؛ دینِ اسلام کی غرضِ حقیقی کیا ہے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے رسولِ خداؐ کن لوگوں کو چھوڑ گئے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ رسولؐ کے عزیز کون ہیں۔ علیؑ و فاطمہؑ کا ان سے کیا تعلق ہے۔ حسنینؑ ان کے کون تھے۔ اس جہالت اور ناواقفیت نے معاویہ کا کام بنا دیا۔

معاویہ اپنے کو عمر پر ترجیح دیتا تھا:

شام کی گورنری حاصل کر کے معاویہ کی بد دماغی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اور وں کا کیا ذکر وہ اپنے کو اپنے خاص محسن و مربی سے بھی فائق و برتر سمجھنے لگا تھا۔ برسرِ منبر وہ اپنے کو حضرت عمر پر ترجیح دیتا تھا اور ان سے زیادہ اپنے کو مستحقِ خلافت جانتا تھا (دیکھو صحیح بخاری کتاب المغازی اور شرح تیسیر القاری)

حجر بن عدی جو نہایت متقی و پرہیزگار صائم الدہر و قائم اللیل بزرگ تھے اور امیر المومنین علیہ السلام سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے ان کو اسی معاویہ نے محض محبتِ علیؑ کے جرم میں قتل کیا۔

شریعتِ اسلامی کا یہ متفق علیہ حکم ہے کہ آنحضرتؐ کو سب و شتم کرنے والا اسلام سے خارج اور واجب القتل کافر ہے۔ اور آنحضرتؐ کی یہ معتبر و مستند حدیث ہے۔ علیٌّ منّی وانا منہُ من سبّ علیّاً فقد سبّنی و من ابغض علیّاً فقد ابغضنی ومن فارق علیّاً فقد فارقنی اللّٰھمّ والِ من والاہ وعاد من عاداہ (علیؑ مجھ سے ہیں اور میں

علیؑ سے ہوں جس نے علیؑ کو سبّ وشتم کیا اس نے مجھے سبّ وشتم کی جس نے علیؑ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ جس نے علیؑ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ خداوندا دوست رکھ اسے جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے) پس جس معاویہ نے حضرت علیؑ پر برسوں تبرّا اور سبّ وشتم کرائی کیا وہ دائرۂ اسلام میں باقی رہ سکتا ہے؟

معاویہ کا فضائل اہلبیتؑ مٹانے میں لوگوں کو رشوت دینا

معاویہ نے بیت المال مسلمین کو مالِ مفت سمجھ کر آلِ محمدؐ کے فضائل مٹانے اور اپنی جھوٹی فضیلتیں پھیلانے میں خوب خوب صرف کیا۔ لوگوں کے دین و ایمان کو خرید لیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ احنف بن قیس، حارثہ بن حذافہ جون ابن قتادہ اور خباب ابن یزید ایک روز معاویہ کے پاس گئے۔ ان میں سے پہلے تین شخصوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ دیا گیا اور خباب کو ستّر ہزار۔ جب خباب کو واپسی پر راستہ میں معلوم ہوا کہ اور لوگوں کو ایک ایک لاکھ دیا گیا ہے اور مجھے ستّر ہزار تو بگڑ کر آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے؟ آپ نے مجھے ذلیل کیا اور جھوٹا سمجھا۔ مجھے کیوں نہ ایک لاکھ دیا۔ معاویہ نے کہا۔ انی اشتریتُ القوم دینھم (میں نے اس قوم سے ان کا دین خریدا ہے اور تم کو تمہارے دین پر کہ تمہاری رائے جو حضرت عثمان کے بارے میں اچھی ہے چھوڑ دیا ہے (کیونکہ یہ عثمانی تھا) اس نے کہا، نہیں حضرت میرا دین بھی خرید لیجیے اور پوری رقم دیجیے۔ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۳۵۔

سمجھ لیجیے کہ اس زبردست پروپیگنڈے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ امیرالمومنینؑ کی فضیلتیں مٹانے کے لیے بے شمار جھوٹی روائتیں گھڑ لی گئیں۔ یہ ہے معاویہ کا ایمان اور

اس خاندان والوں کا اسلام۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہوا خواہانِ بنی امیہ اس گندی خلافت پر مٹے ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ پر تبرا:

مولانا شبلی سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۹۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ بنی امیہ کے زمانہ میں حدیثوں کی تدوین ہوئی جنھوں نے پورے نوّے برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور ایران تک مساجد جامع میں آلِ فاطمہؑ کی توہین کی اور جمعہ میں منبر پر حضرت علیؑ پر لعن کہلوایا۔ سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔

سمرہ بن جندب کو چار لاکھ روپیہ حضرت علیؑ کی مذمت کرنے کیلیے

دربارِ شام کے نورتنوں میں کے ایک رتن سمرہ بن جندب صحابی ہیں جو معاویہ کے خاص ندیم و مشیر اور نفسِ ناطقہ ہیں۔ بغضِ علیؑ و اولادِ علیؑ میں یہ بھی معاویہ کے قدم بقدم ہیں۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں جہاں معاویہ کے ظلم و تشدد، سفاکی و بے رحمی قتل و غارت کی ہزارہا عبرت خیز داستانیں مرقوم ہیں۔ ان جناب کا نام نامی بھی امیر صاحب کے ساتھ نتھی ہے۔ ان کو چار لاکھ روپیہ بیت المال مسلمین سے صرف اسی کام کے لیے دیا جاتا تھا کہ اہلِ شام کے سامنے علیؑ کی مذمتیں بیان کیا کریں اور قرآن مجید کی وہ آیات جو کافروں اور فتنہ پردازوں کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں معاذ اللہ علی علیہ السّلام کی شان میں بیان کریں اور لوگوں کو اس کا یقین دلائیں گے (نصائح کافیہ صفحہ ۵۱) اس کے علاوہ ان کو یہ عہدہ بھی دیا جاتا ہے کہ زیاد کے اسسٹنٹ بنا کر اس غرض سے بصرہ اور کوفہ بھیجے جاتے ہیں کہ دوستدارانِ علیؑ پر جی کھول کر ظلم و تشدد کریں اور قتل و

غارت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

آٹھ ہزار محبانِ علیؑ کا خون: چنانچہ اس دشمن آلِ رسولؐ کے ہاتھوں آٹھ ہزار مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ ابوسواد بیان کرتا ہے کہ سمرہ بن جندب نے ایک دن میں میری قوم کے ۴۷ آدمی ایسے قتل کیے جو سب کے سب حافظِ قرآن تھے (نصائح کافیہ ص۵۲۔ طبری جلد۲ ص۱۳۲۔ کامل جلد۳ ص۲۳۳)

اٹلی کا ایک مشہور و معروف فاضل حکیم ڈبلڈ ورم نال نے استبداد پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا ترجمہ مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے فرما کر شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ پبلک لائبریری مالی گنج سرکل روڈ کلکتہ سے ملتا ہے۔

حکیم موصوف نے پہلے اس رسالہ میں حکومت و سلطنت مستبدہ کی تعریف اور معنی بیان کیے ہیں۔ پھر مذہبی اور سلطنتی استبداد کو بیان کر کے سلطنت و حکومت اور اس کی سیاسی آزادی کے اصولوں کو تمام عالم کی سلطنتوں کے مقابلہ میں بہترین حکومت تسلیم کیا ہے۔ ہم اپنے ناظرین کے ملاحظہ کے لیے اس کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"اسلامی تاریخ پر نظر ڈالنے والے انصاف پسند حضرات خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ ظالمانہ حکومتیں اور وہ جاہل اور مستبد حکام جنھوں نے دینِ محمدی کو برباد کیا اس کی نورانی ہدایات کو پس پشت ڈالا۔ حدود اللہ کو توڑا، محمدؐ کے سچے اور نورانی اصولِ حکومت و سلطنت پر ذلت و خواری کی مہر لگائی۔ اپنی بدمعاشیوں کا آلۂ کار بنایا گیا وہ یہی ظالم و جابر نفس پرست غاصب نااہل بنی امیہ نہیں ہیں؟ اور انہی کے ظلم و جور اور قتل و غارت کی غاصبانہ خلافتیں اور حکومتیں نہیں ہیں جنھوں

نے اصولِ سلطنت اسلامی اور ہدایات و قانونِ شریعتِ محمدی کو اپنی عیش پرستی و نفس پروری پر قربان کیا اور حدودِ الٰہی کو توڑ کر سچی روحانی سلطنتِ محمدی کو برباد کر ڈالا - انہی کے حکم سے حکماء و عرفاء زہر کے پیالے پی کر یا تلواروں سے قتل ہو کر دنیا سے رخصت کیے گئے"

میجر آسرنی ڈوزری، سیڈی لاٹ اور ہلپسر وغیرہ مشہور و معروف محقق و مورخین یورپ نے اپنی تاریخوں اور تصنیفوں میں بنی امیہ کے ان ظالم و جابر و غاصب خلفاء کی بے دینی اور ظلم و تشدد پر کافی روشنی ڈالی ہے - آنریبل امیر علی کی ہسٹری آف سارسن اور اسپرٹ آف اسلام میں ان محققین کے اکثر اقتباسات موجود ہیں جن کو ہم آئندہ کسی موقع پر درج کریں گے - ان کے بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سچی سیاست اسلامی اور حقیقی سیرتِ محمدی کے جلوے، سنتِ رسولؐ کے مرقعے سوا سیرتِ مرتضوی کے اور کہیں دکھائی نہیں دیتے - اسپرٹ آف اسلام میں بنی امیہ کے دین و ایمان اور اسلامی حالات اور ظلم و تشدد کو اچھی طرح دکھایا گیا ہے اور انھوں نے اپنے بیان کی تائید میں ڈوری، آسیرن، سنڈی لاٹ اور ہلپسر وغیرہ کے خیالات بھی درج کیے ہیں -

حدیث و فقہ اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں جہاد کے متعلق احکامات نبوی کو دیکھو سیرت و عملِ رسولؐ پر نظر ڈالو - آنحضرتؐ کے ان خطبات اور ارشادات کو پڑھو جو افواجِ اسلامی اور سپہ سالارانِ لشکر کو فرمائے جاتے تھے - ان سے پتہ چلے گا کہ جنگ میں بھی آنحضرتؐ نے اصولِ انسانیت کو کسی موقع پر فراموش نہیں کیا - حضرت کی یہ تاکید رہتی تھی کہ ہرگز کسی کو جبر و اکراہ کے ساتھ قتل و غارت سے ڈرا کر اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہ کرو - میدانِ جنگ میں ہرگز کوئی عمل ایسا نہ کرو جو انسانیت کے ماتھے پر شرمناک دھبہ کہا جائے لیکن افسوس بنی امیہؓ کے

نفس پرست اور بدطینت سلاطین نے اپنی فتوحات میں وہ شرمناک عمل کیے جو آنحضرتؐ کے طریقے کے بالکل خلاف تھے۔ کونسا ظلم تھا جو انھوں نے خلق خدا پر نہ کیا۔ کونسا تشدد تھا جو کمزوروں پر روا نہ رکھا۔ اسلام بزور شمشیر پھیلنے کا الزام انھیں بدسرشتوں کی ذات نے اسلام پر لگایا۔ اس کے تمام تر ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ ان کو اسلام سے درحقیقت کوئی دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ یہ تو غرض کے بندے اور مال و دولت کے بھوکے تھے۔

مسٹر گاڈفری ہگیس لکھتے ہیں کہ پچھلے مسلمان فتحمندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بے رحمیاں کی ہیں جن کا الزام عیسائی مصنفین نے بڑی جد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ (اعجاز التنزیل ص۴۵۸)
مسٹر کارلائل لکھتے ہیں کہ محمدؐ کی وفات کے بعد گو کتنا ہی جبر کے ساتھ اسلام غیر مہذب قوموں میں پھیلایا گیا ہو مگر کچھ شک نہیں کہ ظلم و ستم کا استعمال اس کی زندگی میں بالکل نہیں ہوا ص۴۵۹۔

مشہور و معروف مورخ ایڈورڈ گبن اپنی تاریخ میں بانیٔ اسلام کی اس بے مثال سیرت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں کہ عقل بے اندیش یقین کرسکتی ہے کہ محمدؐ کی اصلی غرض مخلوق کی سچی بہی خواہی تھی مگر ایک انسان پیغمبر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسے ہٹیلے کافروں کی برداشت کرے جو اس کے دعووں کا انکار اور اس کی دلیلوں کی تحقیر کریں اور اس کی جان کو ایذا دیں۔ وہ اپنے دشمنوں کو تو معاف کرسکتا ہے مگر خدا کے دشمنوں سے واجب طور پر عداوت رکھ سکتا ہے۔

لیکن اس بیان کے خلاف بنی امیہ نے دشمنانِ خدا و رسولؐ سے نہیں بلکہ دوستدارانِ خدا و رسولؐ سے اپنی عداوت کا اظہار کیا اور ایسے لوگوں

پر اپنی تلواریں کھینچیں جو دینِ الٰہی کے سچے محافظ تھے۔

بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتوں میں جہاں ذریتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے خلاف حدیثیں اور روایتیں بنا کر شائع کی جاتی تھیں وہاں یہ احکامات بھی زور شور سے جاری کیے جاتے تھے کہ بنی فاطمہ اور آئمہ آلِ محمدؐ کے پاس لوگوں کو جانے اور ان سے درس وتدریس اور حدیث وروایت کے سننے سے روکا جائے اور ان پر سختیاں کی جائیں اور دوسرے لوگوں سے مسائل پوچھنے، سننے اور سیکھنے پر روپے اور اشرفیاں انعام دی جائیں۔ اسی پروپیگنڈے کا یہ اثر ہے کہ علیؑ سے بغض وحسد رکھنے والے اب بھی علیؑ اور آلِ علیؑ کی فضیلتوں پر پردہ ڈالنے اور صحیح احادیث کو غلط ثابت کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا جیسی مشہور ومستند حدیث جس کو سیکڑوں علماء نے درج فرمایا ہے اور صحیح تسلیم کیا ہے۔ بنی امیہ کے دوست اور دشمنانِ علیؑ اس کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں وضعی ہے۔ کبھی کہتے ہیں ضعیف وغریب ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ راوی شیعہ ہے اس لیے ساقط الاعتبار ہے۔ حالانکہ یہ ایسی صحیح اور مستند حدیث ہے کہ دنیائے اسلام میں سیکڑوں علماء نے اس کو معتبر اسناد سے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

باب پنجم

تاجدارِ شہادت

حق و صداقت کا شہزادہ پیارے رسولؐ کا پیارا نواسہ

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ
سرداد، نداد دست دردستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

کتب آسمانی، صحفِ انبیاء، دساتیرِ قدیم ارتقائے انسانی کے کوائف بیان کرنے والی ہسٹریاں اور تاریخ عالم کی کتابیں سب شاہد ہیں کہ ابتدائے عالم سے اسلام کے بانی حضرت محمدؐ عربی کی بے مثال ہستی اور بے نظیر ذاتِ قدسی بطور ایک ہادئی کامل اور ریفارمرِ حقیقی کے مشہور و معروف چلی آرہی ہے۔ زمانہ ابتدائے آفرینش سے محمدؐ کے نام سے واقف ہے۔ آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اس خاتمِ رسالت اور آفتابِ ہدایت کے طلوع کی خوش کن پیشین گوئیاں برابر فضائے عالم میں گونج رہی ہیں اور خاصانِ الٰہی اپنے اپنے زمانے میں یہ بیان کرتے رہے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا مصلحِ اعظم انسانِ کامل، تمام انبیاء کا سرتاج اور کل رسولوں کا سالار اور دنیا کا آخری ہادی و رہبرِ کامل آنے والا ہے، آئے گا اور ضرور آئے گا۔ توریت نے بتایا، انجیل نے سنایا، زبور نے اعلان کیا۔ زند و پاژند نے خبریں دیں۔ دانیال کی

پیشین گوئیاں ہوئیں۔ آخر وہ وقت بھی آگیا۔ زمانہ نے کروٹ بدلی۔ فاران کی چوٹیوں سے وہ ہدایت کا آفتاب طالع ہوا۔ یعنی خاندان بنی ہاشم میں، سرزمین عرب پر وہ ستارا چمکا جس کی روشنی دنیا میں پھیلی اور جس نے قیامت تک کے لیے اپنی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے دنیا کو روشن و منور فرما دیا۔ ظلمت کدۂ عرب کے غارِ حرا سے رحمت و ہدایت کا وہ نورانی بادل اٹھا جس کی آبیاری نے دنیا میں علم و عمل اور ہدایت و رہبری کے چمن لگائے۔ صدق و صفا کے پھول کھلائے، حکمت کے چشمے بہائے۔ دین و دنیا کی ترقی کے گر بتائے اور جس کی مبارک گرج نے توحید کے ڈنکے بجائے۔ شرک و بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ آتشکدۂ فارس پر پانی پھر گیا۔ کسریٰ کے محل ہلے، روم پر بجلیاں گریں۔ تثلیث کے چھکے چھوٹ گئے۔ بتوں کے راج لٹ گئے۔ استبدادی حکومتیں مٹ گئیں۔ ظلم و جور کی حکومتیں خاک میں مل گئیں فسق و فجور کی گرم بازاریاں سرد پڑ گئیں۔ حیا سوز اور شرمناک رسمیں دنیا سے دور ہو گئیں۔ قانونِ محمدی نے دنیا میں حریت و مساوات کی رَو دوڑائی۔ اسلامی اخوت کے اصول سکھائے۔ محبت و الفت کے رشتے جوڑے۔ رحم و انصاف کے سبق پڑھائے۔ تعظیم الٰہی کے ساتھ الخیر الیٰ خلق اللہ کے اصول تعلیم کیے۔ معاد و معاش کو لازمی قرار دیا۔ روحانی پاکیزگی کے طریقے سکھا کر معاشرتی حدود تعلیم فرمائے اور دنیا کو حقیقی صداقت اور سچی ہدایت سے سرسبز و شاداب بنا دیا اور اسلام کی نورانی برکتوں سے زمانہ کو روشن و منور فرما دیا۔

مشرکینِ مکہ توحید کے مخالف دین و ایمان کے دشمن، علم و عمل سے جاہل، خلوص و محبت سے مبرا، کفارِ عرب، یہود و نصاریٰ اور حکومت کے لالچی دولت کے حریص اور استبداد پسند انسان، بنی ہاشم کے قدیمی دشمن بنی امیہ وغیرہ اس آفتابِ رسالت کی بڑھتی ہوئی روشنی کو بجھانے اور اس خدا کی شمع ہدایت کو گل کرنے کے لیے ہمیشہ

اپنی آخری قوت و طاقت تک زور لگاتے اور جان توڑ کوششیں کرتے رہے اور اس خیر مجسم ہادی و رہبر کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تکلیفیں دیں شعب ابو طالب میں بند کیا۔ مقاطعے کیے، پتھر برسائے۔ خاک بھرے ٹوکرے سر پر ڈالے، قتل کی تدبیریں کیں۔ مکہ چھڑایا، وطن سے نکالا اور پھر فتح مکہ (۸ھ) تک برابر لڑائیاں لڑتے اور جنگ آزمائیاں کرتے ہی چلے آئے۔ اس مصلح قوم، ہادی کامل، رہبر اعظم اور محبوب الٰہی کے خون کے پیاسے ہی بنے رہے۔ شب ہجرت کے واقعات، اُحد کی جنگ، خندق وغیرہ کی لڑائیاں اس شدید عداوت پر شاہد ہیں غرض کہ ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر ہمیشہ منہ کی کھائی اور دین و دنیا کے مالک نے اپنے رسولؐ کی ہر ہر موقع پر حفاظت فرمائی۔ اس کے فضل و کرم سے دینِ محمدی دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہی چلا گیا ؎

نہ کچھ پیری چلی بادِ صبا کی
بگڑنے پر بھی زلف اسکی بنا کی

کفار کی طاقتیں گھٹ گئیں۔ بنی امیہ کے زور ٹوٹ گئے اور آخر کار ان کو بھی بہ زظ ہر اسلام قبول کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون اور لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ الکافرون کی بشارت ثابت ہو کر رہی۔ پرچم اسلام دنیا کے کونے کونے پر لہرایا اور اذانِ محمدی عالم کے گوشے گوشے میں گونج اٹھی۔ اگرچہ اب تقریباً چودہ صدیاں گزر چکی ہیں کہ وہ آفتابِ ہدایت دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یعنی وہ مقدس اور عظیم الشان ہستی اپنے مشن کو ختم فرما کر، دین و دنیا کی برکات و نعمات کو کامل کر کے آئندہ کی ہدایت و رہبری کے لیے ارشادِ ہدایت بنیاد انی تارک فیکم الثقلین الخ کا حکم محکم

سنا کر دنیا سے تشریف لے گئے اور اب بظاہر طیبّہ کی مبارک سرزمین پہ پُر انوار گنبدِ خضرا کے نیچے رحمتِ الٰہی کے سایہ میں آرام فرما رہی ہے (ارواحنا لہ الفدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیکن اس کی نورانی ہدایت کی شعاعیں اب بھی دنیا کو اسی طرح روشن فرما رہی ہیں اور اس کی رحمت و ہدایت کے بادل اب بھی اسی طرح دنیا پہ برس رہے ہیں۔ اور اس کا نام نامی اپنی عظمت و جلال کے سکّے عالم پہ بٹھا رہا ہے۔ دیکھو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک یورپ کی فضاؤں میں افریقہ کے صحراؤں میں، ایشیا کے میدانوں میں، سمندر کی لہروں پر، ایلپس کی برفانی چوٹیوں پہ ہمالیہ کے سر بفلک پہاڑوں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی پیاری آواز اور مبارک صدا ایک دفعہ نہیں دن رات میں پانچ مرتبہ گونجتی، توحید کا ڈنکا بجاتی اور بانیٔ اسلام محمد عربیؐ کے پیارے نام کو بلند کر کے اسلام کی تبلیغ فرما رہی ہے۔

بنی امیّہ کا عروج اور روحانی اسلام کا زوال

جبکہ شہنشاہِ اسلام تاجدارِ رسالت کی آنکھیں بند ہوتے ہی بنی امیہ کی وہ مٹی ہوئی طاقت اور ٹوٹا ہوا زور جو عہدِ رسالت میں بوجہ ان کی نااہلیت و ناقابلیت کے بالکل ختم ہو چکا تھا، پھر اسلام کے برقعہ میں دوبارہ زندہ ہونے اور طاقت پکڑنے لگا۔ اور ان ہوا پرستوں، حکومت و دولت کے لالچیوں، نااہل دنیا پرست غداروں نے اسلامی چولہ پہن کر اپنی ہوس رانیوں اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے احکامِ قرآنی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ کتابِ الٰہی کو چھوڑ دیا (اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا) عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذریتِ نبوی کی پیروی سے منہ موڑ لیا۔ آلِ محمدؐ کے

خون کے پیاسے ہو گئے۔ ان کی استبدادی تلواروں اور ظالمانہ و جابرانہ حکومتوں کے زور سے سچی سلطنتِ محمدی، حقیقی روحانیت اور نورانی حریت اسلامی مٹنے اور برباد ہونے لگی۔ شریعتِ محمدی کے احکام کھلم کھلا بدلے جانے لگے۔ سنتِ رسولؐ میں تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ حرام محمدی کو حلال اور حلالِ محمدی کو حرام بنایا جانے لگا۔ بنی امیہ کے فاسقانہ اطوار، غاصبانہ کردار اور استبدادی حکومتوں کی سیاہ آندھیاں اسلام کے نورانی پیکر کو گرد آلود کرنے لگیں۔ جیسا کہ تاریخوں کے دیکھنے اور اس زمانے کے حالات واقعات کو پڑھنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بنی امیہ نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لیے اپنی استبدادی تلواروں کے زور سے شریعتِ محمدی اور قانونِ اسلامی میں کیسی خرابیاں پیدا کر دی تھیں (جن کو ہم تفصیل سے آئندہ بیان کریں گے) اور وہ وقت آ گیا جس کی خبر مخبرِ صادقؐ شہنشاہِ رسالتؐ نے بطور پیشینگوئی بیان کی تھی۔

یزید کے متعلق رسولؐ کی پیشین گوئی:

اوّل من یبدّل سنّتی رجلٌ من بنی امیہ اوّل من یثلمہ رجلٌ من بنی امیہ یقال لہ یزید (میری سنت اور میرے طریقہ کو بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا اور وہ پہلا شخص جو دینِ اسلام میں رخنہ ڈالنے والا ہے وہ بنی امیہ میں سے یزید نام کا ہوگا) (سیرۃ محمدیہ مولوی کرامت علی۔

لہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ ص۱۴۲ پر درج کرتے ہیں۔ قال صلعم ان اھل بیتی سیلقون بعدی من امتی قتلاً وتشریداً وان اشد قوم لنا بغضنا بنوامیہ و بنو مغیرہ وبنی مخزوم وصحح الحاکم یعنی رسول اللہؐ نے فرمایا میرے بعد میری امت میرے اہلبیتؑ کو قتل کرے گی۔ گھروں سے نکالے گی، ہمارے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والی قوم بنی امیہ و بنی مغیرہ اور بنی مخزوم ہیں۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ - تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ ، نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۷ - الحاف صفحہ ۲۱ - اسعاف الراغبین صفحہ ۱۹)

حسینؑ اسلام پر فدا ہو کر

نانا کی طرح اپنی خداداد بادشاہت کے پھریرے دنیا میں اڑاتے ہیں

تاجدار اسلام شہنشاہِ رسالت رسولِ عربی کے جان و جگر خدا کے سچے عاشق۔ توحید کے فدائی اور حق کے شیدائی کربلا والے حسینؑ نے بھی اپنے نانا کے حکم کے مطابق حفاظتِ دین میں نانا کی طرح انتہائی مصائب جھیلے۔ طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ تلواروں سے گھائل ہوئے۔ خون میں ڈوبے، سر کٹوایا، گھر بار لٹایا، مگر خدا کے سچے دین کو نانا کے مبارک دین کو شرمندۂ کفر نہ ہونے دیا۔ بے شک حسینؑ اپنے خون کے قطروں سے اپنے زخمی گلے سے اپنے سوکھے ہونٹوں سے جس طرح حقیقی اسلام اور اسوۂ رسولؐ کی تعلیم و تبلیغ فرما رہے ہیں اسی طرح اپنی بے مثال اسلامی شہادت اور بے نظیر صداقت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہترین نمونہ خلق اللہ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اس عمل سے اس خداداد اور روحانی بادشاہت کے پھریرے دنیا پر اڑا رہے ہیں جس کو قیامت تک کبھی زوال ہونے والا نہیں۔

آج اسلامی اور غیر اسلامی دنیا میں جس طرح اسلام اور بانیٔ اسلام حسینؑ کے پیارے نانا کا مبارک نام عظمت و وقار کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح حسینؑ کا پیارا نام بھی صداقت و حقانیت کی دنیا میں بڑے فخر و مباہات کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یورپ ہو یا افریقہ، ایشیا ہو یا امریکہ، جرمن و فرانس کی مسجدیں ہوں یا لندن کی، عرب کے دشت و بیابان ہوں یا عجم کے سبزہ زار، شام کے گلزار ہوں یا مصر کے

مینار، روس کے میدان ہوں یا کابل کے کوہستان، سندھ ہو یا ہند، چین ہو یا جاپان، سائبیریا کے جنگل ہوں یا سمندر کے ساحل۔ غرض کہ شہر ہو یا گاؤں جہاں اور جس مقام پر بھی اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ کی پر عظمت و جلال آواز کانوں کو سنائی دیتی ہے وہاں یقیناً حسینؑ کا پیارا نام حسینؑ کی بے مثال اسلامی قربانی اور بے نظیر ہدایت کو یاد دلاتا نظر آتا ہے۔

موافق و مخالف، مسلم و غیر مسلم، علمائے جلیل القدر اور محققین و مورخین یورپ و ایشیا کی تقریروں اور تحریروں میں حسینؑ کی بے نظیر ہدایت اور اعلیٰ صداقت و حقانیت کے روشن ستارے آسمانِ شرافت و فضیلت پر مثل آفتاب جگمگاتے دکھائی دیتے ہیں۔

حسینؑ اور ان کی صداقت و حقانیت کے متعلق مورخین جرمن و فرانس کی زرّیں رایوں کو ہم یہاں درج کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ شائقین ہماری کتاب "ناموس اسلام" جلد اول میں دیکھ سکتے ہیں۔ اسلام کے علمائے عالی منزلت بزرگانِ دین: امام و علامہ اور مستند محدثین متقدمین و متاخرین نے اپنے پیارے رسولؐ کے اس پیارے فرزند، مظلوم کربلا، حسینِ شہیدؑ کی اس شہادتِ عظمیٰ کے متعلق جس عقیدت اور خلوص کا اظہار فرمایا ہے اور جس سچی تحقیق سے کام لیا ہے اور جس جوش کے ساتھ ان کی صداقت و حقانیت کا اعتراف فرمایا ہے وہ ان کی تالیفات و تصنیفات کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر ان سب تحریروں کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو بے شک حسینی لائبریری کے نام سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار ہو سکتا ہے۔

حسینی شخصیت اور شہادت کے متعلق

زمانۂ حال کے اسلامی محققین کی رائیں

ہم اس مقام پر صرف زمانۂ حال کے ان چند نامی گرامی علماء کی رایوں کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں جو اسلام کے موجودہ فاضل محقق، فلاسفر، مستند مورّخ اور مسلمانانِ ہند کے مذہبی لیڈر بھی مانے جاتے ہیں اور امام وعلامہ کے بزرگ القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان تحریروں سے یہ ثابت ہوگا کہ ان علمائے عالی قدر نے حسینؑ کے مدِ مقابل خاندانی دشمن، نفس پرست، فاسق و فاجر یزید بے دین کے (جو بلاشک حسینؑ کی شہادت کا موجب تھا) حمائیتیوں، ہوا خواہ مریدوں اور متعصب طرفداروں کے ان بچر در بچر پوزگندہ اعتراضوں کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے جو حسینؑ کی بے مثال شخصیت کو مٹانے اور یزید کی ناپاک پوزیشن پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں رہا کرتے ہیں۔

قاضی محمد سلیمان صاحب: ہمارے مکرم و محترم فاضل دوست جناب قاضی محمد سلیمان صاحب جو اہلِ حدیث کے مسلمہ عالم اور محقق فاضل ہیں۔ اپنی کتاب رحمۃ للعالمین ص ۲۴۳ پر حسینؑ کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

> سنہ ۴ھ کے ماہ شعبان میں امام حسینؑ پیدا ہوئے جو عشرۂ محرم سنہ ۶۱ھ میں میدانِ کربلا میں نہایت مظلومی کی حالت میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کے سچے فدائیوں کو صداقت کی تائید میں جان و مال اور حرمت کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ امام حسینؑ نے اس جنگ میں صبر و استقلال، رضا و توکل، احقاقِ حق،

اتباع صداقت کے ایسے نمونے دکھلائے جن کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور یہ سب کچھ نبیؐ کے فیضانِ تربیت کا اثر و نتیجہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر اتباعہ اجمعین"

مولانا ابوالکلام آزادؒ: حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے جو ہند کی اسلامی دنیا میں امام الہند کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اپنے اخبار "الہلال" میں "عشرۂ محرم" کے عنوان سے ایک زبردست مضمون حسینؓ کی شہادت کے متعلق شائع فرمایا ہے جو سال گزشتہ لاہور کے اخبار "انقلاب" کے "شبیر نمبر" ۲۷ء میں الہلال سے نقل کر کے شائع کیا گیا تھا ہم اس کو ذیل میں نقل کرتے ہیں

شمع ہا بردہ ام از صدق بخاکِ شہدا
تا دل و دیدۂ خونناب نشانم دادند

(ارشادات حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ)

"اب کے کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ الہلال کی اشاعت ٹھیک محرم کے دن واقع ہوئی ہے۔ میرا اشارہ حادثۂ کربلا یعنی شہادت سید الشہدا علیہ وعلیٰ اجدادہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے عظم اللہ اجورنا بمصائبنا۔

سچ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کی ضرورت ہے۔ جن اربابِ درد کو روح کی راحت کے لیے بھی ماتم کی تلاش ہو.... ان صحبت ماتم والم کی رونق کے لیے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ اگر خون کے بڑے بڑے قطعات بکسر جنبش میں آجائیں جب بھی ان کی ندائے حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی جو اس کے ایک ایک لفظ کے اندر توجیہہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ کتنے دل ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو بصائر و معارف کے اندر دیکھا ہے اور کتنی آنکھیں جو حسینؑ بن علیؑ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسینؑ کو سامنے رکھتی ہیں۔"

اسوۂ حضرتِ امامؑ: فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان قربانی تھی جو صرف اس لیے ہوئی تاکہ پیروانِ اسلام کے لیے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد احق د عدالت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ پس جو باخبر ہیں ان کو رونا چاہیے اور جو روتے ہیں ان کو صرف رونے پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے سید الشہداءؑ نے اپنی قربانی کا ایک اسوۂ حسنہ پیش کر دیا ہے اور کسی طرح روح کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ محبتِ حسینؑ کی مدعی ہو جب تک اسوۂ حسینؑ کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر ثبوت نہ دے۔

حیاتِ جاوید: دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں ہوتے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

لیکن افسوس ہے کہ شرح و بسط کے لیے میں اس وقت مستعد نہیں۔ صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کروں گا۔

قربانی: سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثۂ عظمیٰ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے "دعوت الی الحق اور رحقِ حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔" کوئی حکومت

جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ اور جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت اور حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ و جابرانہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ ظلم و جبر پر ہو۔

قلتِ سامان و رفقاء: مقابلہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہمارے پاس قوت و شوکتِ مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے سامنے ہے کیونکہ حسینؑ بن علیؑ کے پاس چند ضعفاء اور مساکین کی جمعیتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پروا ہے۔ نتائج مرتب کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ اس قوتِ قاہرہ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب اور فتحمند کرتی ہے اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمتِ دنیوی کے نامراد و نگونسار کرتی ہے۔ "وَكَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ"

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشوں کا خیال دامنگیر ہوتا ہے جو فی نفسہٖ اگرچہ دانائی اور عقل کا فرشتہ ہے لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم بھی اس کے بھیس میں آ کر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں۔ آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر تمہارے سامنے خود مظلومِ کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے

حکومتوں کی توپوں اور سازو سامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ حسینؑ بن علیؑ نے صرف بہتر یا باسٹھ بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومتِ قاہرہ وجابرہ کا مقابلہ کیا جس کی حدودِ سلطنت ملتان اور سرحدِ فرانس تک پھیلنے والی تھی۔

مقابلۂ ظلم لازمی ہے: حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ ہمیں بتلاتا ہے کہ تم نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظلم و جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا چاہیے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر نہیں ہوسکتا اور ظلم کا صاحبِ شوکت و عظمت ہونا اس کے لیے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظالم خواہ ضعیف یا قوی ہو ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

مصائب راہِ حق: حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر جان و ناموس اور فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ یہ نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

خوف و ہراس، بھوک و پیاس، نقصانِ اموال و متاع، قتلِ نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کے لیے اس جہان میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں اس لیے انہی کو راہِ الٰہی کے لیے آزمائش قرار دیا گیا۔ مظلومِ کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پا کر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کر سکتا تھا۔ پر اس نے

خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی۔

استقامت: سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیم کی شان حال اس کی ترجمانی کرتی ہے راہِ مصائب اور جہادِ حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے۔ انّ الذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثم استقاموا دوسری جگہ کہا' فاستقم کما امرت وللّٰہ درما قال

روئے کشادہ باید و پیشانیٔ فراخ
آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللّٰہ مے زنند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظمٰی کی سب سے بڑی مزیت اور خصوصیت یہی ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اہل و عیال اور فرزند و احباب کے ساتھ دشتِ غربت و مصائب میں محصورِ اعدا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتیٰ کہ اپنے طفلِ شیر خوار کو بھی ظلم و بربریت سے نخچیر پانا مگر بایں ہمہ راہِ عشق و صداقت میں جو پیمان صبر و استقامت باندھا گیا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشر دقیقہ کے لیے بھی متزلزل نہ ہونا، آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ توجہ فرمائے صبر و استقامت ہے سے

شدیم خاک و لیکن ببوئے تربتِ ما
تواں شناخت گریں خاک مردمے خیزد

ابو الکلام کے مضمون پر ریمارک: بے شک مولانا ابو الکلام آزاد کا یہ مختصر مگر نہایت جامع مضمون صداقت و حقانیت سے پُر ہے جس طرح اس کا ایک جملہ امام مظلوم کی بے مثال

شخصیت اور لازوال شرف وعظمت پر پوری طرح روشنی ڈال رہا ہے۔ اسی طرح ان کے مخالف دشمن اسلام فرعون امت محمدی یزید فاسق وفاجر کی ظالمانہ خلافت اور جابرانہ و غاصبانہ حکومت وامارت کو بھی باطل اور ناقابل بیعت ظاہر کر رہا ہے۔ بے شک یہ بیان اس شہادت عظمیٰ کے فلسفہ کی سچی تصویر اور شہادت حسینؑ کے حقیقی اغراض و مقاصد کی تفسیر ہے۔ بیشک یہ ایسے بے خزاں سدا بہار پھولوں کا گلدستہ ہے کہ جس کی خوشگوار مہک جان بخش قوم وملت ہے اور یزید اور پیروان یزید کے مضر اسلام اور زہریلے جراثیم کے گندہ اثرات کو فضائے اسلامی کی ہوا سے دور کرنے والی بھی ہے۔ صاحبان بصیرت حقیقت واصلیت کے جویا، سچے اسلام کے پرکھنے والے دین اسلام کی حقیقی غرض وغایت اور اصول تبلیغ کو سمجھنے والے حضرات مولانا موصوف کے اس مضمون کو اگر چشم بصیرت اور نگاہ انصاف سے ملاحظہ کریں گے تو سچے دل سے پکار اٹھیں گے کہ بیشک یہ بیان حق وصدق پر مبنی ہے۔ لاریب حسینؑ کی قدسی ذات ایسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی بالاتر۔ حسینؑ کا مخالف جو حسینؑ سے اپنی بیعت کا طالب تھا یقیناً جھوٹا، شریعت محمدی سے کوسوں دور اور فسق و فجور کا پتلا تھا۔ اس کی حکومت جسکی بنیاد جبر وشخصیت پر تھی ہرگز اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ یزید کو نہ شریعت اسلام سے کوئی تعلق تھا نہ دین محمدی سے کوئی واسطہ اس کا کوئی فعل دین کے دائرہ کے اندر نہ تھا۔ پس ایسی حالت میں حسینؑ کو اسکی بیعت سے انکار کرنا ضروری تھا اور مقابلہ ظلم لازمی۔ یزید اپنے باپ کی طرح خلافت کو غضب کرنے والا تھا۔ اس نے دین کو مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ایسے موقع پر بقول مولانا آزاد حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اسی بنیاد پر شہادت حسینؑ کو یہ بے مثال فوقیت اور بے نظیر مزیت حاصل ہوتی ہے۔ حسینؑ نے حق وصداقت کی راہ میں انتہائی زہرہ گداز اور شکیب ربا مصیبتیں بخوشی جھیلیں لیکن یزید

کی جابرانہ حکومت کو قبول نہ فرمایا سہ

سر داد، نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

بقول مولانا آزاد خوف وہراس، بھوک اور پیاس، نقصانِ اموال و متاع، قتل نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کے لیے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں اس لیے انہی کو راہِ الٰہی کے لیے آزمائش قرار دیا گیا۔ مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کر کے موجود تھے۔ الخ

مولانا ممدوح کا یہ بیانِ حقیقت بنیان بلاشک خدائے پاک کی اس آیۂ وافی ہدایہ کی تفسیر ہے۔ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصبرالذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیه راجعون اولئك علیهم من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون (سورۂ بقرپ ۲) یعنی ہم کچھ خوف کے ساتھ کچھ بھوک کی تکلیف اور کچھ جانوں، مالوں اور پھلوں یعنی اولاد کی کمی (موت) سے تمہارا امتحان ضرور کریں گے۔ اے رسولؐ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو کہ جن پر جب مصیبتیں آپڑتی ہیں تو وہ کہتے ہیں۔ انا لله وانا الیه راجعون (ہم تو خدا ہی سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کہ یہی وہ ہمارے بندے ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات اور رحمت نازل ہوئی اور یہی بے شک ہدایت یافتہ ہیں۔

اس کلامِ الٰہی میں مِن کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ امتحان صرف تھوڑے سے خوف اور تھوڑی سی بھوک اور کچھ نقصان مال و متاع اور تھوڑے سے قتلِ نفس و اولاد سے لیا جائے گا لیکن ذرا کربلا کے جلتے بلتے چٹیل میدان میں شہادت حسینؑ کے

جانسوز واقعہ پر نظر ڈالو۔ کہ یہ خدا کا عاشق صادق بلکہ بقول علامہ سر اقبال مرحوم امام عاشقان خاتم الانبیاء کا جان و جگر حسینؑ شہید اپنے محبوب خدائے لاشریک کی محبت میں اسکی رضا و خوشی کے لیے اس مقررہ امتحانی کورس کو انتہائی کامیابی عزت و ناموری کے ساتھ پورا ہی نہیں فرماتا۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کی سخت سے سخت آزمائشوں زخموں اور پیاس وغیرہ کی جانگداز اور روح فرسا تکلیفوں اور اذیتوں کو نہایت خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کرتا ہے اور شکر کے سجدے کر کے صبر و رضا کے جلوے دکھاتا ہے۔ جوں جوں مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں اس عاشق الٰہی کا چہرۂ مبارک خوشی سے کھلتا چلا جاتا ہے۔ دیکھو چھ ماہ کا شیر خوار بچہ ظلم و بربریت کا نخچیر بنا گلے پر تیر کھائے خون میں نہلائے حسینؑ کے ہاتھوں پر نظر آتا ہے اور حسینؑ کی زبان مبارک سے کمال صبر و استقلال کے ساتھ رضاءً بقضائہٖ وتسلیماً لامرہٖ یا انا للہ وانا الیہ راجعون ط کے وہی مقدس الفاظ سنائی دے رہے ہیں جو کلام پاک میں خدائے جلیل نے فرمائے ہیں۔

شہادتِ امام حسینؑ کا سبب کیا ہے؟

کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ امام حسینؑ نے یہ شدید مصائب و آلام کیوں برداشت کیے؟ کیا بیعتِ یزید کے علاوہ کوئی اور امر بھی تھا جو اس عظیم الشان قربانی کا باعث ہوا۔ ہرگز نہیں بیعتِ یزید کے سوا اور کوئی امر ایسا نہیں تھا جس کو قبول و منظور کرانے کا مطالبہ حسینؑ سے کیا گیا ہو اور اس کے قبول نہ کرنے کی صورت میں یہ تمام مصائب بیک وقت ان کے سر پہ ٹوٹ پڑے ہوں۔ بے شک حسینؑ یزید جیسے فاسق و فاجر انسان کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ایک آن واحد کے لیے بھی فرض نہیں کر سکتے تھے انھوں نے اپنا شہید ہو جانا، گھر لٹ جانا، اولاد کا قتل ہو جانا، عزیزوں کا خاک و خون

میں لوٹنا، عورتوں کا بے پردہ ہونا سب کچھ گوارا کر لیا لیکن نہ گوارا کر سکے تو یہ امر کہ ان کے نانا کا مقدس دین ایک بدکار انسان کی ہوس رانیوں کا کھلونا بن جائے۔

بیعت کرنے کا سوال معاویہ کی زندگی سے جاری تھا۔ اس کے مرنے کے بعد یزید نے اس کا جانشین بن کر سب سے پہلے یہی سوال اٹھایا حسینؑ برابر انکار کرتے رہے۔ یزید کا غصہ انکار کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔ آخر کار اس نے کربلا میں حسینؑ اور ان کے رفقاء کو محصور کرا کر قتل کروا ہی دیا۔ کون اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے کہ یزید اپنی خلافت کو امام حسینؑ سے بجبر منوانا چاہتا تھا، اس نے حسینؑ کو مجبور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جتنا زور بھی اس کے پاس تھا اس معاملہ میں سب ہی تو صرف کر دیا۔ لیکن کسی طرح حسینؑ پر اس کو قابو حاصل نہ ہوا۔ انھوں نے ایمان فروش مسلمانوں کی طرح سلطنت کے خوف یا دولت کی طمع میں آ کر دینی حمایت سے دست کشی اختیار نہیں کی۔ ان کو مدینۂ رسولؐ سے نکالا گیا۔ حرمِ الٰہی کو چھڑایا گیا۔ پانی بند کیا گیا۔ رفیق و انصار قتل ہوئے۔ بچے ذبح کیے گئے۔ مال و اسباب لوٹا گیا۔ سوکھے گلے کاٹے گئے۔ خیموں کو آگ لگائی گئی۔ ذریتِ رسولؐ قید ہوئی لیکن نہ ہوئی تو بیعتِ یزید۔ جو لوگ بیعت کا سوال حسینؑ و یزید کے بیچ میں سے ہٹا کر دوسرے امور کو درمیان میں لا کر یزید کی پوزیشن کو صاف کرنا چاہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے واقعاتِ کربلا اور اسبابِ قتلِ حسینؑ پر غائرانہ نظر ڈالی ہی نہیں۔ اسلامی تاریخ کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا ہی نہیں۔ کیا وہ یزید کے اس خط سے انکار کر دیں گے جو ولید حاکمِ مدینہ کے نام اس مضمون کا بھیجا گیا تھا کہ جب تک حسینؑ بیعت نہ کر لیں کسی طرح نہ چھوڑے جائیں۔ (دیکھو تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ طبری ج ۶ صفحہ ۱۸۸)

بیعت کے انکار پر امامؑ کے قتل کا حکم یزید کی طرف سے: یزید کے اسی حکم

کی بنیاد پر مروان مدینہ میں ولید سے کہہ رہا تھا اور زور دے رہا تھا کہ حسینؑ کو ہرگز مہلت نہ دو اور کسی طرح نہ چھوڑو، یا تو حسینؑ ابھی بیعت کر لیں ورنہ قتل کر دیے جائیں۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۹، کامل جلد ۴ صفحہ ۶) پھر اسی کوتاہی اور مہلت دہی کی پاداش میں حسینؑ کے مدینے سے روانہ ہوتے ہی اسی سال ولید کو حکومتِ مدینہ سے معزول کر دیا جاتا ہے (کامل جلد ۴ صفحہ ۸، طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۱) یہی یزید کے فرمان تھے جو ابن زیاد کو کوفہ میں بھیج رہے تھے کہ حسینؑ کو کسی طرح نہ چھوڑنا۔ واپس نہ جانے دینا۔ حسینؑ کے قتل کا انتظام کرنا۔ حسینؑ کا سر مع ان کے رفقاء کے میرے پاس بھیجے۔ جب تک حسینؑ کا سر کاٹ کر ہمارے پاس نہ بھیج دے نہ پیٹ بھر کر کھانا نہ آرام سے سونا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۸، طبری جلد ۴ صفحہ ۲۱۵، تذکرہ ابن جوزی صفحہ ۱۴۰، نورالعین اسفرائنی صفحہ ۲۲ و ۲۱ مقتل ابو مخنف وغیرہ)

حج میں قتل حسینؑ کے لیے تیس سپاہی بھیجنا: اسی بیعت سے انکار کی بناء پر موسم حج میں مکہ کے اندر قتلِ حسینؑ کی سازش کا انتظام کیا گیا تھا۔ بنی امیہ کے تیس شیطان حاجیوں کے لباس میں اسی غرض سے حج کے لیے بھیجے گئے (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۷، تذکرہ سبطِ ابن جوزی صفحہ ۱۳۷) جس کی وجہ سے حرمتِ کعبہ کو بچانے کے لیے احرام حج کو عمرہ سے بدل کر حسینؑ کو مکہ سے نکلنا پڑا جس کو یزیدی امت خروج کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حسینؑ کی پیشین گوئی اپنی شہادت کے متعلق: حسینؑ کے ان ارشادات اور جوابات کو غور سے پڑھو جو مکہ سے روانگی کے وقت یا راستے میں ملنے والوں اور کوفہ جانے سے روکنے والوں کو دیے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں، میں وہ قربانی کا مینڈھا نہیں بننا چاہتا جس کے مکہ میں ذبح ہونے سے بیت اللہ الحرام کی حرمت ضائع ہو۔ حدودِ مکہ سے

ایک بالشت باہر قتل ہو جانا مجھے گوارا ہے بہ نسبت اس کے کہ مکہ کے اندر قتل ہوں
کبھی فرماتے ہیں، مجھے بنی امیہ ضرور قتل کریں گے۔ اگر کسی جانور کے سوراخ میں بھی داخل
ہو جاؤں گا تو بھی یہ ظالم مجھے باہر نکالیں گے اور قتل کر کے چھوڑیں گے۔ کبھی فرزدق
سے فرماتے ہیں۔ اگر میں مکہ سے روانگی میں جلدی نہ کرتا تو ضرور گرفتار ہو جاتا اور کبھی
فرماتے ہیں، میرے نانا رسول اللہ نے جس امر کا مجھے حکم دیا ہے مجھے اس کا پورا
کرنا ضروری ہے (کامل جلد ۴ صفحہ ۱۹-۲۱، طبری صفحہ ۶ تا ۲۰ و صفحہ ۲۲۔ ینابیع المودة صفحہ ۳۳۷
تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۳۷، مقتل مخنف وغیرہ) اس طرف تو یزید کو بھی اصرار اور کد
ہے کہ جس طرح ہو حسینؑ اس کی امامت و خلافت کو قبول کریں۔ اس کی بیعت میں داخل
ہوں اس کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کریں۔ اس طرف حسینؑ، یزید کو فاسق و
فاجر شریعت محمدی سے دور، دین کا پکا مخالف، خلافت کے لیے نا قابل اور نا اہل
جانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ حقیقت میں تھا۔ حسینؑ اس کے ظلم و جور، مستبدانہ سلطنت
ظالمانہ حکومت، بدکاریوں اور بداعمالیوں کو دین محمدی اور سلطنت اسلامی کے
لیے نہایت مضر، قابل شرم اور امت محمدیہ کے لیے فتنہ و فساد کا موجب جانتے
ہیں۔ حدیث رسولؐ ہے لکل دین آفۃ وآفۃ ھذا الدین بنو امیہ
ولکل امۃ آفۃ وآفۃ ھذہ الامۃ بنو امیۃ ویل لبنی امیۃ
یعنی ہر دین کے لیے ایک آفت ہے اور اس دین کی آفت بنی امیہ ہیں اور ہر
امت کے لیے ایک آفت ہے اور اس امت کے لیے آفت بنی امیہ ہیں، ہلاکت
ہو بنی امیہ کے لیے) صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۶، نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۶۔ اس لیے ایک منٹ
کے لیے بھی اس کی بیعت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ سخت سے سخت اذیتوں اور
کٹھن آزمائشوں کو محض رضائے الٰہی حاصل کرنے اور اسلام کو تباہی سے بچانے
کے لیے بکمال صبر و استقامت جھیلنا گوارا کرتے ہیں لیکن ایک شرابی اور بدکار

انسان کی بیعت پہ راضی نہیں ہوتے سے

مُرجھانے لگا تھا دیں کا شجر تھا فکر اسے سینچیں کیونکر
کفّار نے جب پانی نہ دیا تو حسینؑ نے خوں سے کام لیا

حسینؑ نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پہ ترجیح دی اور عشقِ الٰہی کی کٹھن منزل کو طے فرمایا سے

سر پیشِ حکومت خم نہ کیا جو منہ سے کہا تھا کر گزرا
ایسا انسانِ کامل تھا اسلام ترے انسانوں میں

حسینؑ یزید کو مسلمان بھی نہیں جانتے تھے

کوئی شک نہیں کہ حسین علیہ السلام یزید پلید کو خلافتِ رسولؐ کے لائق تو کیا اس کو پابندِ شریعت مسلمان بھی نہیں جانتے تھے جیسا کہ ان تقریروں اور خطبوں سے ظاہر ہے جو آپ نے ابتدائے وقت سے آخر وقت تک بیان فرمائے[1] یہ سب تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جب یزید کے حکم[2] سے ابنِ زیاد کی فوج یعنی لشکرِ حُر حسینؑ کو گرفتار کرنے آیا ہے اور حسینؑ ان کو پیاس سے جاں بلب پاتے ہیں تو پانی پلا کر

---

[1] علامہ ابن قتیبہ کی کتاب "السیاستہ والامہ" جلد اول ص۲۹۲ تا ۲۹۴، ۲۹۸ اور نصائح کافیہ علامہ عقیلی ص۴۵ پر حسینؑ کی ان تقریروں کو دیکھو جو معاویہ کے حسب الطلب یزید کی بیعت اور ولیعہدی کے سوال پر ابنِ عباس کی موجودگی میں معاویہ سے فرمائی ہیں۔ یزید کو کھلم کھلا شرابی، زانی، بدکار، شکاری اور نااہل بتایا ہے اور معاویہ کو دندان شکن جواب دیئے ہیں۔

[2] تاریخ کامل جلد ۴ ص۱۸۔ تذکرہ سبطِ ابن جوزی ص۱۴۱۔ یزید کا خط ابن زیاد کے نام۔

سیراب کرتے ہیں اور مرتوں کو جلاتے ہیں۔ جب وہاں سے کربلا کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو اس وقت جو تقریر حضرت نے لشکرِ حُر کو مخاطب کرکے فرمائی ہے اس کو پڑھو اور دیکھو کہ حسینؑ یزید اور اس کی خلافت کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

لشکرِ حُر کے سامنے امام حسینؑ کا خطبہ: ایہا الناس! میرے نانا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جو شخص کسی ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو حرمِ الٰہی کی حرمت کو مٹانے والا ہے اور عہدِ خدا کو توڑنے والا ہے۔ سنتِ رسولؐ کا مخالف ہے، بندگانِ خدا کے ساتھ ظلم و جور کا سلوک کرتا ہے تو خدا پہ واجب ہے کہ اس شخص کو اس کے مقام میں جہاں کا مستحق ہے یعنی جہنم میں پہنچا دے۔ ایہا الناس! آگاہ ہو بیشک ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے لیے لازم قرار دے لیا ہے اور خدا کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ احکامِ الٰہی کو معطل اور فتنہ و فساد کو ظاہر کردیا ہے مالِ الٰہی کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ حرامِ الٰہی کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کرتے ہیں اور بیشک امرِ خلافت کے لیے میں دوسروں سے زیادہ احق اور افضل ہوں۔

یزید کے متعلق صحابہ وغیرہ کی رائے: حسینؑ کے علاوہ دوسرے اکابرِ دین، بزرگانِ اسلام اصحاب اور اصحاب زادے بھی یزید پلید کو علی الاعلان فاسق و فاجر خلافت کے لیے نااہل و ناقابل بتاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل کے فرزند عبدالرحمٰن کی ان تقریروں کو پڑھو جو امیر معاویہ کے سامنے ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے ان خطوط کو پڑھو جو بعد شہادتِ حسینؑ یزید کو لکھے ہیں اور عبداللہ بن عمر کا خط جو علامہ بلاذری نے تاریخ بلاذری ص۶۲ میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کرو عبداللہ بن زبیر کے اس خطبہ پر نظر ڈالو جو بعد شہادتِ حسینؑ مکہ میں فرمایا ہے۔ علامہ ابن قتیبہ کی

کتاب الامامۃ والسیاستہ میں عبداللہ بن عمر کی اس تقریر کو سنو جو یزید کی ولیعہدی کے سوال پر امیر معاویہ سے کی ہے۔

علمائے اسلام کی رائے یزید کے متعلق:

شرفائے مکہ اور بزرگان مدینہ کے ان کے بیانات پر غور کرو جو تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ دیکھو یہ سب مسلمہ بزرگانِ دین اور ارکانِ اسلام کس طرح زور شور سے کھلم کھلا یزید کے عیوب ظاہر فرماتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی سلطنت یہ رسولِ خدا کی خلافت ہرقل و قیصر و کسریٰ کی سلطنت نہیں ہے کہ جو یزید جیسا فاسق و فاجر جوان اس کا حقدار ہو سکے (السیاستہ والامامۃ صفحہ ۱۴۲ و صفحہ ۲۹۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ طبری ج ۶، استیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۹۳۔ روضۃ الصفا، فصول المہمہ صفحہ ۲۸۴ وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۲۷) کبھی یزید کے شرابی اور زانی ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کبھی اس کو فاسق و فاجر اور دشمنِ خدا و رسولؐ بتاتے ہیں امیر معاویہ کی رشوتوں اور انعام و اکرام پر بھی نہیں پسیجتے اور دنیا کو دین پر اختیار نہیں کرتے۔ یزید کو کسی طرح خلافتِ محمدی کا اہل اور بیعت کے لائق نہیں جانتے (دیکھو مذکورہ بالا حوالہ جات)

نقل کفر، کفر نباشد۔ اگر یزید کے ہوا خواہوں، بنی امیہ کے طرفداروں کے ان اقوال و بیانات کو صحیح مان لیا جائے جو یزید کے ناپاک دامن سے خونِ حسینؑ کا دھبہ مٹانے کے لیے لکھے گئے ہیں تو یقیناً مذکورہ بالا تمام بیان غلط ثابت ہوتے ہیں اور بے شمار اصحابِ رسول کی دروغ بیانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یزیدی گروہ کہتا ہے کہ اگرچہ یزید اپنے عمل سے بے دین فاسق و فاجر شرابی، زانی، ظالم و جابر ضرور ہے مگر چونکہ باپ کا بنایا ہوا خلیفہ ہے اس لیے اصولِ اسلام کے مطابق وہ مسلمانوں کا جائز خلیفہ ہے۔ اس کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہنا واجب ہے۔ یزید

بھی اسلامی سلطنت کا ویسا ہی خلیفہ تھا جیسے کہ حضرات خلفائے راشدین۔ پس اس کی مخالفت کرنا گناہِ عظیم اور منشائے خدا و رسول کے خلاف ہے۔ جن بزرگانِ دین نے یزید کے فسق و فجور کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی یا اس پر خروج کیا یا اس سے جنگ کی (معاذاللہ) وہ برسرِ حق نہ تھے۔ ان کا قتل واجب تھا۔

بعض ہوا خواہانِ یزید یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگرچہ حسینؑ نے شروع میں یزید کی مخالفت فرمائی تھی اور اس کی بیعت سے انکار کیا تھا لیکن بعد میں (معاذاللہ) اپنی غلطی کو محسوس فرما کر یزید کی بیعت کو قبول فرما لیا تھا اور اس کی خلافت پر راضی ہو گئے تھے۔ رہا حسینؑ کا قتل کرانا تو یہ یزید کا فعل نہیں تھا بلکہ ابن زیاد نے اہلِ کوفہ کی مدد سے ایسا کیا۔ چونکہ حسینؑ نے ابن زیاد کے پاس جانا پسند نہ کیا، اس پر ابن زیاد درپے قتل ہو گیا (اخبار انقلاب لاہور ستمبر نمبر ۴۶ ۱۹۳۶ء میں ابنِ تیمیہ کے رسالہ منہاج السنۃ کا جو ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس کا مقصد یہی ہے)

اگر ان ہر دو یزیدی گروہوں کے قول کو سچا تسلیم کر لیا جائے تو پھر یقیناً یزید کی بیعت سے انکار کرنے والوں کے لیے کوئی دینی عظمت اور اسلامی وقار باقی نہیں رہتا اور پھر فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی شہادت بھی کوئی مہتم بالشان واقعہ قرار نہیں پا سکتی۔ اس صورت میں شہادتِ حسینؑ کے متعلق بزرگانِ اسلام نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ حسینؑ نے اپنی شہادت سے احقاقِ حق فرمایا۔ اتباعِ صداقت کی تعلیم دی۔ حق پرستی کے بے مثل نمونے پیش کیے۔ حق کو باطل سے جدا کر دیا دین کو خطرہ سے بچا لیا۔ آزادی و حریت کی حمایت میں جان دے دی۔ حسینؑ نے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد کیا وغیرہ وغیرہ، تمام باتیں جھوٹ ہو جائیں گی کیونکہ ظاہر ہے کہ جب یزید خلیفۂ خدا، جانشینِ نبیؐ اور اسی طرح مستحقِ خلافت ہے جس طرح خلفائے راشدین تھے تو کیونکر ممکن ہے کہ اس کے خلاف جنگ کرنے والا

شہید راہِ خدا یا شہیدِ اعظم کے لقب سے پکارا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے قول کی بنا پر اگر یہ مان لیا جائے کہ حسینؑ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے یزید کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیا تھا اور یزید کی بجائے ابنِ زیاد اور اہلِ کوفہ پر قتلِ حسینؑ کا الزام عاید ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی حسینؑ کی شخصیت کو ایک ناقابلِ بیان صدمہ پہنچتا ہے اور بجائے یزید کے خود ان کی پوزیشن سخت نزاکت میں پڑ جاتی ہے اور ان کی شہادت میں پھر کوئی روحانی عظمت باقی نہیں رہتی۔

کیا یہ امر مسلّم نہیں ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کا نائب یا اس کا معتمد ہوتا ہے تو اس کا حکم بھی ویسا ہی واجب العمل ہوتا ہے جیسا کہ بادشاہ کا اس کی اطاعت کا اقرار یا اس کی بیعت کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ خود خلیفہ کے پاس جا کر بیعت کرنا۔ تاریخیں شاہد ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر جو پہلے یزید کو فاسق و فاجر جان کر اس کی بیعت سے انکار کرتے تھے حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی امیہ کے ظلم اور یزید کی سطوت و جبروت کا نظارہ دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ مدینہ میں یزید کے حاکم کے پاس جا کر بیعت یزید کے لیے ہاتھ بڑھایا اور حاکم یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ یزید ہی کی بیعت سمجھی گئی۔ عہدِ رسالت میں جنگِ سلاسل کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس مہم پر عمرو عاص کو جو ایک تازہ مسلمان تھا سردار بنا کر بھیجا تھا اور بڑے بڑے مہاجر و انصار اس کے ماتحت تھے۔ کوئی اس کی سرداری اور اطاعت سے انکار نہیں کر سکا۔ پھر اس کی کمک کے لیے ابوعبیدہ جراح کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر و عمر جیسے بزرگ صحابیوں کو بھیجا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی عمرو عاص کی اطاعت سے انکار نہیں کرتے اور حکم خدا و رسولؐ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اسامہ کی ماتحتی میں حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ کو بھیجا جاتا ہے اور یہ اس کو امیر ماننے سے انکار نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت سمجھتے ہیں۔ پس اسی طرح جو یزید کو خلیفہ برحق مان چکے ہیں تو اس کے مقرر کردہ حاکم

ابنِ زیاد کو کیوں بُرا کہتے ہیں اور اس کے خلاف زبانِ طعن کیوں کھولتے ہیں۔ وہ یزید کی طرف سے کوفہ و عراق کا حاکم تھا اور حسینؑ سے بیعتِ یزید لینے پر مامور ہوا تھا تو پھر اس نے بھی جو کچھ کیا وہ بجا کیا حسینؑ کا فرض تھا کہ اس کے حکم کو بھی حکمِ یزید سمجھ کر مان لیتے ورنہ بیعتِ یزید صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔ ان کے لیے ہرگز جائز نہ تھا کہ وہ بیعت سے نکث کر کے ایسی عظیم الشان بلاؤں میں مبتلا ہو جاتے (نعوذ باللہ من ذالک الھفوات، توبہ توبہ استغفراللہ)

بخدا حسین علیہ السلام نے جو اپنے زمانہ میں حضرت رسولِ خدا ص کے حقیقی جانشین تھے ایک آنِ واحد کے لیے بھی اس سلطانِ جابر و بدکار کی اطاعت و بیعت کا اقرار نہیں کیا اور نہ اس کی خلافت کو جائز و مباح سمجھا۔ بھلا حسینؑ جیسے روشن کیرکٹر کے انسان سے ایسا کرنا ممکن تھا؟ لا حول ولا قوۃ۔

مسلم و غیر مسلم تمام مؤرخین و محققین یہ بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حسینؑ نے پیغمبرِ اسلامؐ کی طرح محض حفاظت و حمایتِ دین کی غرض سے دنیا کے تمام مصائب برداشت کیے۔ انھوں نے اتباعِ صداقت اور اخلاقی جرأت کا ایک بے مثال نمونہ نہ صرف مسلمانوں کی ہدایت کے لیے پیش کیا ہے بلکہ تمام دنیا کو صداقت و حق کی پیروی کا درس دیا ہے۔ انھوں نے اپنے ہر ایک عمل سے مسلمانوں کو یہ بتا دیا کہ دین کے سچے فدائیوں کو حق و صداقت کی تائید میں جان و مال و حرمت کی کبھی پروا نہ کرنی چاہیے ؎

تباہی میں سفینہ آ گیا تھا امتِ جد کا
یہ کشتی بحرِ خوں میں ڈوب کر شہؑ نے نکالی ہے

حسینؑ نے اپنی شہادت سے قیامت تک کے لیے اپنے نانا کے دین کو بنی امیہ کے ظلم و جور اور کفر و زندقہ کی تیرہ و تار آندھیوں سے بچایا اور کفر و الحاد سے تیر متدہ ہونے کا موقع نہ دیا۔ انھوں نے اپنے نانا کے قول حسینٌ مِنّی وَ اَنَا مِنَ الحُسَین کو سچا ثابت کر دکھایا ؎

زندہ حق از قوتِ شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

یہ تو پیروانِ یزید کی انتہائی کور باطنی اور سیاہ قلبی ہے کہ وہ حسینؑ کے اس روشن عمل پر جو دنیا کے لیے شمعِ ہدایت ہے پردہ ڈال کر اور ان کے مساعئ جمیلہ کو خاک میں ملا کر یزید کو ہدفِ ملامت بننے سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ یزید کی بریت کے لیے مختلف قسم کے حیلے عمل میں لاتے ہیں۔ کبھی شہادتِ حسینؑ کے عظیم الشان واقعہ ہی سے انکار کرتے ہیں۔ کبھی قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِسَیْفِ جَدِّہٖ کے جھوٹے راگ یزید کی مدح میں گانے لگتے ہیں۔ کبھی اس شہادتِ عظمیٰ کو لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کا جامہ پہنا کر دنیا کی آنکھوں میں ڈاک ڈالنا اور حسینؑ کی خداداد صداقت و حقانیت کے نورانی آفتاب کو چھپانا چاہتے ہیں حالانکہ اگر چشمِ بصیرت سے محبتِ یزید کو دل سے نکال کر اسلامی احکام اور حضرت رسولِ خداؐ کے ارشادات کو پڑھیں اور شہادت کے صحیح اسباب پر نظر ڈالیں تو ان کو واضح ہو جائے کہ حسینؑ نے یزید کا مقابلہ محض حمایتِ دین کی غرض سے کیا تھا۔ انھوں نے خون کے دریا میں ڈوب کر یزید کی بدکاریوں کے کالے سمندروں، ظلم و جور کے اتھاہ قلزموں اور کفر و زندقہ کے خطرناک منجدھاروں سے اسلام کی ڈگمگاتی کشتی کو نکال کر مسلمانوں کو ایک سیدھے اور صحیح راستے پر لگا دیا۔ ایسی حالت میں جبکہ دینِ خدا چاروں طرف سے خطروں میں گھرا ہوا ہو۔ کون بے عقل کہہ سکتا ہے کہ حسینؑ نے خلافِ حکمِ خدا اور رسولؐ اپنی جان دی۔ یقیناً ایسا شخص یزید ہی کے ساتھ محشور ہوگا۔ جو اس محسنِ اسلام حسینؑ کی یاد کو بدعت بتائے اور ذکر الحسینؑ حرام علی الواعظ (الغزالی) کے شیطانی نعرے سنا کر ذکرِ حسینؑ کو بند کرنے کی کوشش کرے یا مصائبِ حسینؑ پر رونے رُلانے کو جو سچی محبت کا مسلمہ اور فطری اثر ہے گناہ بتائے۔ یزید کے ہوا خواہ بے وجہ بے سبب دن رات اسی پروپگنڈے میں منہمک نظر آتے ہیں۔ اب نہ یزید دنیا میں باقی ہے نہ بنی امیہ

کے کرّو فر اور تخت و تاج کا کوئی نشان ہے پس اس قسم کی قصیدہ خوانی سے کون سے انعام و اکرام کی امید ہو سکتی ہے۔ البتہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ضرور قرار پاتے ہیں۔

مولانا صبغۃ اللہ کے قلم سے حسینی شہادت کا بیان

حضرت محترم مولانا شہید انصاری فرنگی محلی نے ایک نہایت گرانقدر مضمون شہادت حسینؓ کے متعلق سپرد قلم فرمایا ہے جس کو ہم ذیل میں اخبار سرفراز محرم نمبر ۱۳۴۸ھ سے نقل کرتے ہیں:-

بے دینی اور مکابرہ شے آخر ہے۔ مجھے انصاف سے بتاؤ کہ میرے آقا و وسیلہ سیدنا حسینؓ سے اس دور میں (یہ کونسا دور ہے؟ کیا یزید کی خلافت و حکومت اور اس کی سلطنت و بادشاہت کے زمانے کے علاوہ کسی اور خلیفہ و بادشاہ کا دور سلطنت و حکومت مراد ہے؟ نہیں نہیں بے شک یہ یزید پلید ہی کا زمانہ ہے اور اسی کا دورِ خلافت و حکومت ہے) سوائے ترقی اسلام اور تقویتِ حق کے اور کس چیز کا خطرہ تھا؟ اور اسی قصور پر ان کا اس جماعت کے ہاتھوں تباہ ہونا جو اپنے کو ان کے نانا کا کلمہ گو اور ان کے گھر سے ترقی پانے والے دین کا پیرو کہتے تھے مسلمانوں کے لیے کس قدر حسرتناک و شرمناک ہے (کیا یہ جماعت یزیدی جماعت اور لشکر یزیدنہ تھی؟ کیا یہ جماعت حسینؓ سے بیعت و اطاعتِ یزید کا مطالبہ نہیں کر رہی تھی اور کیا یہی امر یعنی حسینؓ کا بیعتِ یزید سے انکار کرنا ہی ترقی اسلام اور تقویتِ حق کا موجب نہ تھا جو کہ بنی امیہ کے لیے باعثِ خطرہ تھا) میرا ایمان ہے بلکہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پر ایمان رکھنے والے کا بھی ایمان ہے کہ شب و روز خلوت و جلوت نوم و یقظہ بلکہ ہر حالت میں رسولِ اسلامؐ کا ہر عمل، ہر حرکت بلکہ ہر ادا نصیحتوں اور ہدایتوں کا وہ بیش قیمت خزانہ اپنے

اندر رکھتی ہے جو دنیا کی بڑی سے بڑی رہنمائی اور ارشاد میں نہیں۔ بعینہ یہی حال اس پاکیزہ اور محترم جماعت کا ہے جس نے مشکوٰۃ نبوت سے اپنے قلوب کو منور کر لیا تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس سانچہ میں ڈھل گئے تھے اس لیے سیدنا وامامنا حضرت حسینؑ لختِ جگرِ رسولؐ اور فرزندِ بتولؑ صلوٰۃ اللہ علیہا کی مبارک زندگی تو تھی ہی آپ کی شہادت آپ کے جسدِ اطہر کی پامالی آپ کے سرِ مبارک کی بے حرمتی اور بزرگ و برگزیدہ خاندان کی بے عزتی اور ان کے بے قصور صاحبزادوں بھتیجوں، بھانجوں، بھائی اور اہلِ خاندان اور رفیقوں کی توہین اور اذیتیں قسم اس ذات کی جو سب سے بڑا منتقم اور بہترین جزا دینے والا ہے۔ ان برکات و ہدایات کے دفتروں کی حامل ہے جو دنیا کے کسی واقعہ میں نہیں مل سکتیں۔

آج کل کی پولیٹیکل دنیا ان برکات و مواعظ کی عجیب اور پرلطف تفصیل کرتی ہے۔ کوئی ان کی قربانی کو قربانگاہ ظلم و استبداد پر ذبح عظیم کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ اس قربانی میں حفاظتِ حقوق کی اسپرٹ کام کر رہی ہے کوئی ان کو نان کوآپریشن کا مبلغ اعظم کہتا ہے کہ ان شدائد و مظالم کو انگیز کر لینا محض خلافت کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کے تحفظ کے لیے تھا ؎

داماں نگہ تنگ گلِ حسن تو بسیار
گلچیں نگاہ تو ز داماں گلہ دارد

کے اصول پر ان گل چینوں کے پھولوں کی خوشبو سے انکار نہ کرتے ہوئے نظر کرتا ہوں، ہاں کربلا کے میدان میں جو باغ ان مقدس خونوں سے سینچا گیا تھا اس میں یہی پھول ہیں لیکن میرے رسولؐ کا پارۂ جگر اور اپنے وقت کا جانشینِ رسولؐ کوئی پولیٹیکل لیڈر نہ تھا کہ اس سے ہم کو صرف سیاسی ہی منافع

ہوں بلکہ میرے خیال میں اس مقدس واقعہ کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ وہ انّآ اعطیناکَ الکوثر کی روشن ترین تفسیر تھا۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی رائے: حسینؑ کی بے مثال صداقت وحقانیت کی جو تصویر مسلمانانِ ہند کے مسلّم و مستند لیڈر

علامہ سر اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "رموزِ بیخودی" میں کھینچی ہے اس سے حسینؑ کی شخصیت اور یزید کی باطل پرستی پر بڑی کافی روشنی پڑتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید　　این دو قوّت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیری است　　باطل آخر داغِ حسرت میری است

بے شک یزید کے مقابل حسینؑ کی وہی شان ہے جو فرعون کے مقابل موسیٰؑ کلیم اللہ کی اور نمرود کے مقابل ابراہیم خلیل اللہؑ اور ابوسفیان و ابوجہل کے مقابل حضرت ختمی مرتبتؐ کی تھی۔ حسینؑ اسلام کی روح اور محمدؐ کی جان ہیں۔ وہ خدا کے پیارے رسولؐ کے فرزند، صداقت کے شہزادے اور اسلام کے سچے پیشوا ہیں۔ وہ خدا کے بتائے ہوئے امام، رسولؐ کے سچے جانشین اور نکوکاری کے پتلے تھے۔ ان کے برخلاف یزید شیطانی صفات کا حامل، استبدادی حکومت کا بانی، مکر و فریب کا پُتلا، فسق و فجور کا پیکر، غرور و تکبّر کا مجسمہ تھا۔ وہ اپنی فرعونیت کی وجہ سے تا قیامت شیطانِ رجیم کی طرح موردِ لعن وطعن رہے گا اور حسینؑ اپنے عشقِ حقیقی اور اطاعتِ الٰہی کی بنا پر تا قیامِ قیامت انسانی قلوب پر اپنی حکومت کرتے رہیں گے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ؎ (ماخوذ از "انقلاب" لاہور شبیر نمبر محرم ۱۳۴۶ھ)

بیا تا ازیں انجمن بگذریم　　دگر خیمہ در کربلائے زنیم
ازیں کاخ و کوئے کہن بگذریم　　باین بے نوائی نوائے زنیم
نوائے کہ آتش کند خاک را　　نوائے کہ او سوزد افلاک را

نوائے کہ بے سازِ تقدیر نیست — نوائے کہ بے ضربِ شمشیر نیست
اگر بندۂ ایں نوائے زند — چوں یزداں جہاں آفرینی کند

بے شک محمدؐ کے رب نے جس طرح اپنے حبیبؐ کو زمین و آسمان کی بادشاہت بخش دین و دنیا کی حکومت عطا فرمائی، اسی طرح حسینؑ کے خالق و مالک نے اپنے محبوب کے لختِ جگر، اپنے سچے عاشق و شیدا کو اپنی روحانی سلطنت و حکومت کا وہ روشن تخت و تاج عطا فرمایا ہے جس کو قیامت تک زوال نہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حسینؑ نے کمال عبودیت اور انتہائی اطاعت گزاری کے ساتھ اپنے معشوق حقیقی کی سچی محبت میں کڑی منزلوں کو طے کر کے کوس لمن الملکی بجایا ہے اور اسلام پر اپنی جان و مال و اولاد سب کچھ قربان کر کے تختِ جہاں آفرینی کو زینت بخشی۔

حسینؑ کا تاج شہادت کانٹوں بھرا تاج نہیں ہے بلکہ وہ روشن تاج ہے جو حقیقت کے موتیوں اور صداقت و عدالت کے چمکدار ہیروں، خیر و برکت کے چمکتے دمکتے ستاروں اور خدائے جلیل کی رضا و توکل کے نور افشاں لعل و جواہرات سے مرصع ہے جو اپنی ہدایت و رہبری کی نورانی کرنیں اور صدق و صفا کی روشن شعاعیں اطرافِ عالم پر ڈال رہا ہے جس پر دنیا کی مدح و ثنا کے سدا بہار پھول بے ساختہ برستے ہیں اور دوست و دشمن کی زبان سے سچی تحسین و آفرین کے الفاظ سنتے ہیں۔ صرف مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ حسینؑ کی محبت سے تمام دنیا کے حقیقت شناس قلوب بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

معاویہ اور بنی امیہ کی ناجائز خلافت پر محققانہ نظر

دنیا میں ہمیشہ خیر کا مقابلہ شر نے کیا ہے۔ ابلیس لعین اپنے غرور و نخوت کی بناء پر خلیفۃ الارض حضرت آدمؑ کا مقابل ہوا۔ حسد نے قابیل کو ہابیل کا قاتل بنایا۔ نمرود کے دل میں خدا بننے کی ہوا سمائی۔ نفس پرستی کے شعلے بھڑکے۔ خلیل الٰہی کو آگ میں جلانے کی تدبیریں کیں۔ فرعون کو اس کی فرعونیت نے ڈبویا۔ خدائی کا دعویٰ کیا۔ کلیم اللہ سے مقابلہ کی ٹھانی۔ عیسےٰ کو دنیا پرستوں نے سولی پر چڑھایا۔ ابوجہل اور ابوسفیان نے لات وعزیٰ کی محبت اور سرداری وحکومت کے لالچ میں ہادیٔ برحق، رہبر کامل، ریفارمر اعظم، خاتم الانبیاء، محبوب الٰہی کی دشمنی پر کمر باندھی۔ غرضکہ اسی طرح باطل ہمیشہ حق کا مقابلہ کرتا رہا۔ کبھی خدا کی خدائی سے انکار کیا تو کبھی اینٹ پتھر کو خدا بنا ڈالا۔ کبھی خدا کو بیٹوں اور پوتوں والا بنا کر پوجا، کبھی رسولؐ کو ساحر و کاہن بنایا؂

قیل ان الالٰہ ذو ولد

قیل ان الرسول قد کھنا

مگر آخر میں نور محمدی نے جلوہ دکھایا اور ابوجہل وغیرہ کی کفر پرستی کے چراغوں کو گل کر دیا۔ جاء الحق و زھق الباطل کا نورانی دور آگیا۔ دنیا میں خدائے واحد کی پرستش ہونے لگی۔ مشرکین کا خاتمہ ہوا۔ بنی امیہ کو بھی مجبوراً ظاہری اسلام کے ساتھ رسول خداؐ کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ مگر یہ ہوا و ہوس کے بندے اپنی اغراض باطلہ کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ اسلام کی کار براری میں روڑے اٹکاتے رہے اور اسی کوشش میں لگے رہے کہ حکومت ہمارے ہاتھ آجائے اور اسلام کی روحانیت فنا ہو کر اس کی صورت کفر سے ملتی جلتی ہو جائے۔

ابوسفیان قبیلہ بنی امیہ کا لیڈر اور آنحضرتؐ کا قدیمی دشمن جب اپنا

دورِ حیات ختم کر چکا تو ان کے فرزند دلبند اپنے باپ کے سپوت بیٹے معاویہ اس خاندان کے لیڈر بنے اور اپنے پدرِ بزرگوار کے سچے جانشین بنے۔ ان کے دل میں بھی بنی ہاشم اور خاندانِ رسالت سے قدیمی دشمنی اور رشک و حسد کے شعلے بھڑکتے چلے آتے تھے۔ خلافت کو غصب کرنے اور منبرِ رسولؐ پر چڑھ بیٹھنے کی بے جا حرص و طمع ان کے سر میں بھی مدت سے سمائی ہوئی تھی۔ اسی بنیاد پر ان کی نظروں میں حضرت علیؑ کی قدسی ذات ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی۔

---

[۱] بنی امیہ کا شجرۂ سفیانی و مروانی وہ شجرہ ہے جسکو بروایت حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس خدا نے اپنے کلام پاک میں شجرۂ ملعونہ اور شجرۂ خبیثہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ (تفسیر کبیر جلد ۵۔ تفسیر درِ منثور سیوطی جلد ۴ ص ۱۹۱، تفسیر معالم التنزیل قمی نیشاپوری جلد ۲ پ ۱۵ ص ۴۵۸ و ص ۴۵۹۔ روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ ص ۸۷۔ تاریخ احمدی ص ۱۷۹، تفسیر کشاف زمخشری جلد ۱ ص ۴۶۶۔ نصائح کافیہ ص ۱۰۸۔

آنحضرتؐ نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ میرے منبرِ رسالت و حکومت پر بندر کی طرح چڑھتے اور ناچتے کودتے ہیں۔ یہ خواب دیکھ کر آپ بہت غمگین و ملول ہوئے۔ یہی وہ خواب ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃً للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفہم فما یزیدہم الا طغیاناً (یعنی جو خواب ہم نے دکھایا ہے اے رسولؐ اسکو لوگوں کے ایمان کی آزمائش قرار دیا ہے اور یہی قرآن میں شجرۂ ملعونہ ہے اور ہم نے اس طرح پر لوگوں کو ڈرایا اور تنبیہ کی مگر ان کی سرکشی اور ان کا طغیان بڑھتا ہی گیا) بنی امیہ شجرۂ ملعونہ ہے جس نے آنحضرتؐ کی مسندِ رسالت اور منبرِ اسلام کو ظلم و جور سے غصب کیا۔ اول اولادِ ابوسفیان نے اس منبرِ رسولؐ پر بندروں کی طرح چھلانگیں ماریں پھر اپنے خاندان کی دوسری شاخ بنی مروان میں اس منبرِ رسولؐ کو منتقل کر گئے اور ابوسفیان کی وصیت کے مطابق بنی امیہ کے رنگیلے نوجوان شہزادوں کے لیے خلافتِ رسولؐ کو چوگان بازی کی گیند بنا گئے۔ امام حسن علیہ السلام نے اپنے ایک ارشاد میں اس خواب کو یاد دلایا ہے۔ دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۹۴۔

آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد جب خلافت کا دور شروع ہوا اور خاندان بنی ہاشم کے ممتاز ممبروں کے اقتدار کو گھٹانا ضروری اور قرین مصلحت سمجھا گیا تو دوسری طرف ابوسفیان کے شور و شر کو دبانا اور خلافت کے خلاف کارروائیاں کرنے سے روکنا بھی لازمی ہوا۔ چنانچہ ایک مدت تک ناکامی اور ذلت کی زندگی بسر کرنے کے بعد اب بنی امیہ کا عروج پھر شروع ہوا۔ ان کو حکومت اسلامی میں کافی حصے دیے جانے لگے۔ ابوسفیان کے دونوں بیٹے معاویہ اور یزید بن ابوسفیان کو افواج اسلامی کی سرداریاں بخشی گئیں اور یہی حدیث العہد مولفۃ القلوب[1] کے ارکان جو بلاشک سیاست محمدیہ اور سنت نبویہ کے مطابق حکومت کے لیے قطعاً نااہل تھے۔ دمشق و شام جیسے زرخیز و وسیع ملکوں کے گورنر بنائے گئے

[1] تاریخ و سیر اور حدیثوں کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان، معاویہ اور بنی امیہ کو آنحضرتؐ نے مولفۃ القلوب، حدیث العہد، قریب بکفر ظاہر فرمایا ہے۔

آنحضرتؐ کی وفات سے دو ڈھائی سال قبل فتح مکہ کے بعد خاندان بنی امیہ کے اکثر افراد بظاہر مسلمان ہوئے تھے۔ جنگ حنین کے موقع پر آنحضرتؐ نے انکو بغرض تالیف قلب غنیمت میں سے زیادہ حصہ دیا اور انکو تازہ مسلمان قریب بکفر فرمایا اور بتادیا کہ یہ لوگ دنیا کی دولت ظاہری ٹیپ ٹاپ اور مال مویشی کے دلدادہ ہیں (صحیح بخاری، شرح قسطلانی جلد ۶ صفحہ ۳۳۴، ۳۳۵) جب اس مال غنیمت کے زیادہ دینے پر انصار کو کچھ ملال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا انی اعطی رجالا حدیث العہد بکفرھم انا اتالفھم اماترضون ان یذھب الناس باموال وتذھبون بالنبی الی رحالکم وان یذھب الناس بالشاۃ والعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم یعنی میں نے ان لوگوں کو دیا ہے جو تازہ عہد بکفر ہیں تاکہ ان کی تالیف قلوب کی جائے۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ یہ لوگ تو مال و متاع بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم لوگ اپنے نبی کو ساتھ لے کر جاؤ۔ علامہ ابن القیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں کہ جب اول اول لشکر اسلام کو شکست ہوئی تو ابوسفیان نے خوش ہو کر کہا کہ اب تو مسلمان سمندر پار ہی پہنچ کر رکیں گے اور ترکش میں تیروں کو چھپاتا تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوسفیان کیسا مسلمان تھا اور اسکو مسلمانوں سے کیسی عداوت تھی حالانکہ اسی جنگ کے مال غنیمت سے چالیس اوقیہ سونا اور سو اونٹ اس کو اور اتنا ہی اسکے ہر ایک بیٹے معاویہ اور یزید کو بھی دیا گیا تھا۔

اور خلافتِ ثالثہ کے ختم تک لگاتار ۲۵ - ۳۰ سال تک ان ممالک میں با اختیار حاکم و امیر رہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان کو کسی عہد میں معزولی و تبدیلی کا بھی منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا، جیسا کہ خالد وغیرہ معزول کیے گئے تھے۔ غرض جس طرح لشکرِ اسلامی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں تھیں اسی طرح بیت المال مسلمین کے خزانوں کی کنجیاں بھی انہی کے قبضہ میں پہنچ گئیں۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار روپیہ سالانہ ان کو گورنری کی تنخواہ بھی دی جاتی تھی۔ علامہ عبدالبر مکی استیعاب جلد اول کے صـ۲۵۳ پر لکھتے ہیں کہ معاویہ اور اس کا باپ مولفۃ القلوب میں ہیں۔ یزید بن ابو سفیان کے مرنے پر معاویہ عمر کی طرف سے شام کا حاکم بنایا گیا۔ یزید ماہ ذی الحجہ ۱۹ھ میں فوت ہوا تو اس کی جگہ معاویہ کو ملی اور حضرت عمر نے ایک ہزار اشرفی اس کی تنخواہ مقرر کی۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں جس وقت قاصد نے حضرت عمر کو یزید ابن ابوسفیان کی موت کی خبر سنائی تو اس وقت ابوسفیان حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت عمر نے خط پڑھ کر ابوسفیان سے کہا۔ خدا تم کو یزید کی موت میں صبر دے۔ پھر یزید کے لیے دعائے مغفرت فرما کر ابوسفیان سے تعزیت کی۔ اس نے پوچھا اب آپ اس کی جگہ کس کو مقرر کریں گے۔ حضرت عمر نے کہا اس کے بھائی معاویہ کو۔ ابوسفیان نے کہا، اے امیر المومنین آپ کا صلہ رحم کیا خوب ہے۔ (استیعاب جلد ا صـ۲۵۳)

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اپنے ایسے محسن و مربی سے بھی معاویہ نے احسان فراموشی کا سلوک کیا۔ خود خلیفہ بن کر منبرِ رسول پر بیٹھا اور حضرت عمر پر اپنی ذات کو ترجیح دیتے ہوئے کہا۔ میں عمر سے زیادہ قابل اور خلافت کے لیے ان سے زیادہ حقدار ہوں (صحیح بخاری کتاب المغازی شرح تیسیر القاری جلد ۴ صـ۲۴ اور شرح علامہ قسطلانی) عکرمہ نے خود حضرت عبداللہ بن عمر کی زبانی بیان کیا ہے کہ میں اپنی بہن ام المومنین حفصہ بنت عمر کی خدمت میں گیا اس وقت وہ غسل سے فارغ ہو کر اپنے بال درست کر رہی تھیں۔ میں نے ان سے کہا آپ نے لوگوں کی حالت کو دیکھا امر خلافت کے لیے کیا کر رہے ہیں اور یہ

ہمارا ذکر بھی نہیں کیا جاتا (شارح بخاری لکھتے ہیں یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب معاویہ کے لیے خلافت پر بیعت ہو چکی تھی) حضرت حفصہ نے بھائی سے کہا کہ تم لوگوں سے جا کر ملو وہ تمھارے منتظر ہوں گے اور تمھارے نہ جانے اور نہ ملنے سے تفرقہ کا اندیشہ ہے۔ پس جب لوگ متفرق ہو گئے اور امیر معاویہ خلیفہ بن گئے تو خطبہ پڑھا اور کہا "کسیکہ مے خواہد انیکہ سخن کند دریں کار یعنی در امارت من پس بگو بنماید مرا سر خود یعنی حاضر شود فنحن احق بہ منہ ومن ابیہ ہر آئینہ ماسزاوار تریم بامر خلافت از وے واز پدر وے۔ گفتہ اند کفایت ازیں عمرو عمر بن خطاب کردہ وایں معنی از فضول و غرور نفس اوست قال حبیب بن مسلمہ فھلا اجبتہ گفت حبیب بن مسلمہ چرا جواب ندادی تو او را۔ قال عبداللہ فحللت حبوتی وھممت ان اقول۔ گفت عبداللہ بن عمر کشادم حبوہ خود را و قصد کردم کہ بگویم احق بھذا لامر منك من قاتلك واباك علی الاسلام سزاوار تر بایں امر خلافت از تو کسے است کہ قتال کرد ترا و پدر ترا در حق اسلام یعنی شما کافر بودید و محاربہ میکردید بہ پیغمبر خدا بر اسلام۔ قسطلانی گفتہ کہ کنایت از امیر المومنین علیؑ است یعنی احق بایں امر کسے بودہ است کہ بوئے محاربہ کردی وقبول خلافت او نکردی فخشیت ان اقول کلمۃ" تفرق بین الجمع و تسفك الدّم پس ترسیدم کہ گویم کلمہ کہ تفرق کند اجتماع را و بریزد خون مردم و ذکرت ما اعد اللہ فی الجنان و یاد کردم ثوابے را کہ آمادہ کردہ است خدا بر صبر در بہشت۔" یعنی معاویہ نے برسر منبر مدینہ میں خطبے کے بعد کہا کون شخص ہے جو ہمارے اس امر خلافت میں کلام کرتا ہے اور ہم کو خلافت کے قابل نہیں جانتا۔ ذرا ہمیں اپنا منہ تو دکھائے۔ ہم بے شک اس سے اور اس کے باپ سے بدرجہا بہتر اور خلافت کے زیادہ مستحق و حقدار ہیں۔ یہ اشارہ عبداللہ

بن عمر اور حضرت عمر کی طرف ہے جو معاویہ کی فضول گوئی اور غرور کو ظاہر کرتا ہے حبیب بن مسلمہ نے عبداللہ بن عمر سے کہا، آپ نے معاویہ کو اس کا جواب کیوں نہیں دیا۔ ابن عمر نے کہا میں نے اپنی کمر کا پٹکا کھولا اور اس کو جواب دینے کا ارادہ کیا۔ چاہا کہ کہوں کہ امر خلافت کے لیے تجھ سے وہ شخص زیادہ مستحق ہے جس سے تو نے اور تیرے باپ نے دین اسلام کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں۔ تم کافر تھے اور پیغمبر خدا سے اسلام کے برخلاف لڑائیاں لڑتے تھے۔ قسطلانی نے کہا ہے کہ یہ امیر المومنین علیؑ کی طرف اشارہ ہے کہ علیؑ خلافت کے بہترین حقدار تھے جن کی خلافت کو تو نے قبول نہ کیا اور ان سے لڑائیاں لڑیں مگر میں ڈر گیا کہ جماعت میں تفرقہ پڑ جائے گا اور میں قتل ہو جاؤں گا اور خونریزیاں ہوں گی اس لیے میں نے صبر کیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حکیم اسلام شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

نکوئی با بداں کردن چنان است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

امیر معاویہ کے زیر اثر اہل شام کا اسلام

دمشق کا صوبہ اسلام کے دار الخلافت مدینہ منورہ سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آفتاب اسلام کی نورانی شعاعیں اس دور دراز ملک پر اپنا پورا اثر نہیں ڈال سکتی تھیں۔ پس یہاں کی نومسلم مخلوق اور جدید العہد مسلمانوں کو سچے دین محمدی کے اصول کی تبلیغ و تعلیم جو کچھ بھی ہو سکتی تھی وہ الناسُ علیٰ دینِ ملوکھم کے مسلمہ اصول کے مطابق صرف فاتحین و حکمرانوں کے ذریعہ سے یعنی انہی کے اقوال

سن کر اور افعال دیکھ کر وہ واقفیت حاصل کر سکتے تھے۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ معاویہ اور اس کے برسر اقتدار رشتہ داروں نے جو نازہ مسلمان ہونے کی بناء پر زمانۂ جاہلیت کی خو بو اور کفر و شرک کے اثرات ایک بڑی حد تک ان میں پائے جاتے تھے۔ چند ہی روز میں انھوں نے اس تمام ملک کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہاں کی رعایا نے جو چار پانچ سال کی مسلمان تھی اسلام میں آنکھ کھولتے ہی جو دیکھا تو معاویہ اور اس کے بھائی بندوں ہی کو تخت حکومت پر جلوہ نمائی کرتے دیکھا اور جو کچھ اسلامی تعلیم حاصل کی وہ انہی لوگوں سے حاصل کی جو خود حقیقی اسلام سے کوسوں دور تھے۔ انھوں نے انہی کی سیرت کو سیرت محمدی اور انہی کے اقوال و افعال کو حکم قرآن و حدیث سمجھا۔ مورخین نے اس امر پر کافی روشنی ڈالی ہے کہ بنی امیہ کے زیر اثر شام کی مخلوق کس رنگ میں رنگی گئی تھی۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم کیسی توڑ موڑ کر دی جاتی تھی اور شریعت محمدی کے احکام کو کیسی بدنما صورت میں ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ وہ اسلام کا سچا ہادی اور حقیقی جانشین رسول معاویہ اور ان کے اموی رشتہ داروں ہی کو سمجھتے تھے۔ ان ہی کے قول کو شریعت کا قانون اور انہی کے ہر فعل کو واجب العمل مانتے تھے۔ جمعہ کی نماز اگر بدھ کے دن پڑھ لی جائے تو روا تھی۔ معاویہ کو اگر رسول اللہ کہہ کر سلام کر لیا جاتا تو جائز تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا خالص ریشم کی زرتار پوشاکیں پہننا مباح تھا۔ خلاف حکم خدا اور رسول سونے چاندی کا لین دین اور تبادلہ مساوی الوزن سے بڑھا کر زیادہ وزن پر کر لیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ دربار خلافت میں اگر کوئی غیر مذہب یہودی وغیرہ حضرت رسول خدا کو برا بھلا کہتا تو رضامندی کے کانوں سے سن لیا جاتا۔ حرامی بچے حلالی اولاد کی طرح حلال زادے سمجھ کر زناکار باپ کی اولاد کے سگے بھائی بن

جاتے۔ نماز میں بسم اللہ اور تکبیرات کو چھوڑ دیا جاتا تو نماز میں کوئی نقص واقع نہ ہوتا۔ ارکان و اعمالِ حج سے تلبیہ (اللّٰھم لبیک، اللّٰھم لبیک جو بعد احرام حاجیوں کو کہنا سنتِ نبوی ہے) ترک کر دیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ زکوٰۃ فطرہ کی تعداد میں اگر اپنی رائے سے تبدیلیاں کر لی جائیں تو جائز تھا۔ ہر جمعہ کو خطبہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام پر برسرِ منبر سبّ و شتم کرنا داخلِ ثواب اور سنتِ معاویہ تھا۔ اس کا ترک کرنا معصیت میں شمار تھا۔ شراب کے خم کے خم خود خلیفہ صاحب چڑھا جاتے تھے اور ان کے لیے جائز تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تھا معاویہ کے زمانے میں اسلام۔

علامہ مسعودی مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۲ پر معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اہلِ شام کی اطاعت و فرمانبرداری معاویہ کے ساتھ اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جب علیؑ سے جنگ کرنے کو صفین جا رہے تھے تو ان سب کو جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھا دی۔ اور سب نے خوشی سے پڑھ لی۔ عمرو عاص مصر سے چند لوگوں کو معاویہ کے سلام کے لیے لاتا ہے۔ جب دربار میں پیش ہوئے ہیں تو ابن خیاط معاویہ کو یا رسول اللہ کہہ کر سلام کرتا ہے۔ سب لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ معاویہ خوش ہو کر سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔ ڈانٹ کر یہ نہیں کہتا کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں رسول اللہ نہیں ہوں۔ مجھے اس طرح سلام کرنا جائز نہیں۔ کیا ان جاہلوں کو بتانا اور سمجھانا معاویہ کا فرض نہ تھا؟ (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۴۔ کامل جلد ۴ صفحہ ۵ نصائح کافیہ صفحہ ۹۴)

شریعتِ محمدی میں حریر و دیبا کا لباس مردوں کے لیے جائز نہیں۔ علامہ عقیلی نصائح کافیہ کے صفحہ ۹۶ پر لکھتے ہیں۔ من جرائرہ لبسہ الحریر واستعمالہ انیۃ الذھب والفضۃ فقولہ بعد سماع لبسۃ فی ذلک ما اری باساً

یعنی معاویہ کے ان افعال و کردار میں سے جو خلافِ حکمِ خدا و رسولؐ ہونے کی

وجہ سے داخل معصیت ہیں۔ یہ امر بھی ہے کہ امیر معاویہ خالص ریشمی لباس پہنتے تھے اور سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے تھے۔ اگر کوئی روکتا کہ شریعت میں یہ جائز نہیں تو جواب میں یہ کہتے کہ ہم اس میں کوئی خرابی نہیں پاتے۔

علامہ جرجی زیدان تمدن اسلام میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حریر دیبا کے بیش قیمت اور شاندار لباس پہننے میں رومیوں کی پیروی کی تھی (تمدن اسلام مترجمہ مولوی محمد حلیم صاحب انصاری صفحہ ۸۷)

شریعت محمدی میں سونے چاندی کی خرید و فروخت کے متعلق حکم ہے کہ بیع بالمثل یا بالوزن کی جائے۔ مگر معاویہ صاحب سونے چاندی کو زیادہ وزن پر فروخت کرنے کو جائز فرماتے ہیں۔ دیکھو علامہ عقیلی نصائح کافیہ صفحہ ۹ پر امام مالک کی موطاء اور شرح ملا علی قاری اور ابن عبدالبر کی سند سے لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے پانی پینے کے سونے کے پیالے زیادہ وزن پر فروخت کیے۔ ابو الدرداء صحابی نے منع کیا اور کہا ہم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ زیادہ وزن پر خرید منع ہے۔ معاویہ نے کہا۔ میں تو اس میں کوئی خرابی نہیں پاتا۔ یہ سنکر ابو درداءؓ نے فرمایا، کیا خوب، میں تو رسول اللہؐ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور اس پر اپنی رائے ظاہر کر رہے ہو۔ میں ایسے مقام میں جہاں تم ہو نہیں رہوں گا۔ اس کے بعد ابو درداءؓ مدینے کو چلے گئے اور حضرت عمرؓ سے جاکر یہ سب حال بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے معاویہ کو تنبیہی فرمان بھیجا اور لکھا کہ "اس طرح کا عمل خلاف حکم رسولؐ بیع و شریٰ میں ہرگز نہ کیا کرو"۔ پھر علامہ زرقانی اور نسائیؒ وغیرہ صحیح اسناد سے لکھتے ہیں کہ عبادہ بن صامت (مشہور صحابی رسولؐ) کے ساتھ بھی سونے کی بیع و شریٰ کے معاملہ میں اسی طرح معاویہ کا دفعہ ہوا تھا اور معاویہ نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم تو اس کو ربا یا سود نہیں سمجھتے

عبادہ نے کہا، میں تو حضرت رسولِ خداؐ کا حکم بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو۔ خدا مجھے اس جگہ سے نکالے۔ میں اس سرزمین پر ہرگز نہ رہوں گا جس پر تم حاکم ہو۔ اس کے بعد عبادہ مدینہ چلے گئے۔ حضرت عمر نے پوچھا آپ کیوں چلے آئے؟ انھوں نے تمام قصہ بیان کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا، نہیں نہیں۔ آپ وہیں تشریف لے جائیے۔ وہ مقام اور زمین جہاں تم جیسے لوگ نہ ہوں بڑی قبیح ہے اور اس کے بعد معاویہ کو حکم بھیجا گیا کہ تم عبادہ بن صامت پر امیر و حاکم نہیں ہو۔ جو عبادہ کہیں اس پر لوگوں کو چلاؤ۔ بے شک عبادہ امین ہیں (نصائح کافیہ۔ دراسات اللبیب ص۲۴۴ شرح ابن ابی الحدید جلد ۵ ازالۃ الخفاء وغیرہ)

رسول اللہؐ کو سبّ و شتم کرنے والا کافر ہے۔ اس بیان کے تحت ابن تیمیہ اپنی کتاب "صارم مسلول" میں لکھتے ہیں کہ ایک روز معاویہ کے دربار میں ابن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہو رہا تھا تو بنیامین یہودی نے کہا ابن اشرف کے ساتھ غداری کی گئی اور اس کو مکر و غدر سے قتل کیا گیا۔ محمد بن مسلمہ انصاری بھی موجود تھے وہ فوراً یہ سنکر کھڑے ہو گئے اور معاویہ سے فرمایا، بڑے افسوس کی بات ہے تمہارے سامنے رسول اللہؐ کو غدار کہا جائے اور تم سنتے رہو اور تردید نہ کرو اور نہ سزا دو۔ خدا مجھے تمہارے ساتھ ایک چھت کے نیچے جمع نہ کرے، قسم خدا کی میں اسکو نہ چھوڑوں گا۔ ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ (نصائح کافیہ ص۹۰)

زیاد بن سمیہ جو معاویہ کے پدر بزرگوار ابوسفیان کی زناکاری کا نتیجہ تھا۔ خلاف حکم خدا و رسولؐ الولد للفراش وللعاہر الحجر، یعنی جائز بیٹا اور حلال زادہ وہی ہے جو بیاہتا اور نکاحی بی بی سے پیدا ہو اور زناکاری کی سزا سنگساری ہے۔ پس اس حکم شریعت کے خلاف معاویہ نے ابن زیاد کو اپنا ناصر و مددگار بنانے کے لیے ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا سگا بھائی بنا ڈالا (تاریخ کامل ص۲۲۴۔ طبری جلد ۶ ص۱۲۲، نصائح کافیہ ص۵۶

مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۴، استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۹۵، تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ کا زیاد کو بھائی بنانا اول امر ہے جس سے علانیہ احکام شریعت محمدیہ کو رد کیا گیا اور حکم خدا و رسولؐ کے خلاف کیا گیا۔ ہم اس واقعہ کو آئندہ کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔

معاویہ نے مدینۂ رسولؐ میں پہنچکر جماعت کی نماز پڑھائی اور بعض تکبیروں کو نماز میں چھوڑ دیا۔ مہاجر و انصار نماز پڑھنے والے کہتے ہیں یہ کیا بات ہے، نماز میں آپ نے بسم اللہ اور تکبیروں کو چرا لیا یا بھول گئے۔ بسم اللہ اور سجدہ کی تکبیریں کہاں گم ہو گئیں یہ سنکر معاویہ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۱ دراسات اللبیب صفحہ ۶۷)

اسی طرح فریضۂ حج میں تلبیہ کا کہنا امیر معاویہ نے بوجہ عداوت علیؑ بند کر دیا اور لوگوں نے اس امر میں معاویہ کا اتباع کیا (کنز العمال۔ سنن بیہقی) ابن عباس نے سعید سے عرفہ کے روز پوچھا کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں سے تلبیہ کی آواز نہیں سنتا۔ سعید نے کہا لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ سنکر ابن عباس خیمہ سے نکلے اور پکار پکار کر فرمانے لگے۔ لبیک اللھم لبیک اور فرمایا اگرچہ علیؑ زعم الف معاویہ ہو۔ بیشک علیؑ کی عداوت میں لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔

کنز العمال میں بحوالہ ابن جریر اسی طرح ابن عباس سے تین روایتیں نقل کی ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا۔ خدا لعنت کرے ان پر جو عرفہ کے روز تلبیہ کہنے سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ علیؑ عرفہ کے دن تلبیہ فرمایا کرتے تھے (نصائح کافیہ صفحہ ۸)

زکوٰۃ فطرہ میں بھی معاویہ نے خلاف حکم خدا اور رسول تغیر و تبدل کیا۔ ملا محمد معین اپنی کتاب دراسات اللبیب میں صفحہ ۲۷۷ پر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے زکوٰۃ فطرہ کے متعلق کہا ہماری رائے میں زکوٰۃ فطرہ دو مد برابر شام ہیں یعنی شام کے گیہوں دو مد۔ ابو سعید خدری نے فرمایا یہ معاویہ کی مقرر کردہ تعداد ہے، ہم نہ اس پر عمل کرتے ہیں نہ اسے

قبول کرتے ہیں۔ ہم عہدِ رسولؐ میں ہر ایک چھوٹے بڑے اور غلام و آزاد کی طرف سے زکوٰۃ فطرہ ایک صاع گندم ایک صاع پنیر یا جو یا کھجور یا زبیب اسی طرح نکالتے رہے یہاں تک کہ جب معاویہ حج کے لیے آیا تو اس نے کہا ہماری رائے میں دو مد گندم شام زکوٰۃ فطرہ ہے۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں جب تک زندہ ہوں کبھی معاویہ کے اس کہنے کے مطابق عمل نہ کروں گا۔ اور ابن زبیر نے معاویہ کی اس رائے کو سنکر کہا۔ بئس الفسوق بعد الایمان۔ یعنی ایمان لانے کے بعد فاسق ہونا بہت برا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ فطرہ تو بس صاع ہی ہے۔ نصائح کافیہ ص۱۹ اور دراسات اللبیب ص۲۶ سے ص۲۸ تک پڑھو اور دیکھو کہ معاویہ نے اپنی خواہش نفسانی کے لیے احکام اسلامی کو کس بری طرح اپنی رائے سے بدل دیا تھا اور حلالِ رسولؐ کو حرام اور حرام رسولؐ کو حلال بنا دیا تھا۔

صاحب دراسات اللبیب لکھتے ہیں کہ مقدام بن معدی کرب جو رسول اللہ کے اصحاب میں سے تھے وہ معاویہ کا بھائی عمرو بن ابی سفیان شام میں معاویہ کے پاس موجود تھے کہ معاویہ نے مقدام سے کہا آپ کو معلوم ہوا کہ حسنؑ بن علیؑ کی وفات ہوگئی۔ مقدام نے افسوس کے ساتھ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معاویہ نے کہا۔ مقدام! کیا تم حسنؑ کی وفات کو مصیبت خیال کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ حسنؑ وہ ہے جس کو رسول اللہ اپنی گود میں بٹھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "حسنؑ مجھ سے ہے اور حسینؑ علیؑ سے ہے۔" یہ سنکر معاویہ نے کہا حسنؑ کا وجود آگ کی ایک چنگاری تھا جس کو خدا نے بجھا دیا۔ مقدام نے یہ سن کر فرمایا میں ہرگز آرام نہیں کروں گا جب تک تجھے غیظ و غضب سے بھڑکا نہ لوں اور تجھے وہ باتیں نہ سنالوں جن کا سننا تجھے ناگوار ہے۔ ہاں اے معاویہ اگر میں سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا اور اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھے جھوٹا بتانا۔ ہاں

تجھے خدا کی قسم بتا، کیا تو نے رسول اللہؐ سے نہیں سنا ہے کہ سونا پہننا حرام ہے؟ معاویہ نے کہا، صحیح ہے۔ پھر مقدام نے فرمایا، اچھا میں پھر تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتا کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے درندہ جانوروں کی کھال پہ بیٹھنا اور ان کو پہننا منع اور حرام فرمایا ہے۔ معاویہ نے کہا ہاں یہ بھی صحیح ہے مقدام نے کہا۔ بس قسم ہے خدا کی، اے معاویہ، میں یہ ساری چیزیں تیرے گھر میں دیکھتا ہوں۔ معاویہ نے کہا، اے مقدام میں تجھ سے نجات نہیں پا سکتا۔

شریعت اسلام کا حکم ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کرنے کے وقت رو بقبلہ یا پشت بقبلہ بیٹھنا جائز نہیں مگر حضرت ابو ایوب انصاری جب شام میں پہنچے تو تمام پیشاب اور پاخانہ کرنے کے مکانات کو رو بقبلہ پایا۔ استغفار پڑھ کر منہ پھرا لیا۔ (دراسات اللبیب ص۱۳۹) علامہ عقیلی نصائح کافیہ میں ابن عساکر کی سند سے لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں معاویہ جب شام کا گورنر تھا عبدالرحمٰن انصاری نے دیکھا کہ شراب کے بھرے ہوئے مٹکے امیر شام کے لیے تحفۃً جا رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے یہ دیکھ کر نیزہ سے ان سب مٹکوں کو توڑ دیا۔ غلامان معاویہ ان سے لڑ پڑے۔ معاویہ کو اس قصہ کی خبر ہوئی تو کہا اس کو چھوڑ دو۔ یہ تو بڈھا ہو گیا ہے اور اسکی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمٰن نے فرمایا۔ معاویہ جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی۔ اگر میں زندہ رہا تو دیکھ لوں گا کہ معاویہ کے متعلق جو کچھ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے وہ سچ ہے۔ لا بقرن لطنہ اولأ موتن دونہ (نصائح کافیہ ۹۲، ۹۳)

ابن القیم اغاثۃ اللہفان میں لکھتے ہیں کہ ایک روز ابو درداؓ غصہ میں بھرے ہوئے گھر میں آئے۔ گھر والوں نے غصہ کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں میں اب کوئی امر بھی محمدؐ کا سا نہیں پاتے سوائے اس کے کہ نماز جماعت سے پڑھ لیتے ہیں۔ امام مالک کی روایت میں ہے کہ جو باتیں ہم پہلے پاتے تھے۔ ان میں سے ایک بات بھی اب ہم نہیں دیکھتے

بجز اس کے کہ اذان دے لیتے ہیں۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ ہم انس بن مالک صحابی کے پاس دمشق میں گئے تو ہم نے ان کو روتے پایا سبب پوچھا تو فرمایا کہ جو باتیں ہم عہدِ رسولؐ میں پاتے تھے۔ اب وہ سب ضائع کر دی گئی ہیں۔ صحیح بخاری ص۳۹۵۔ حضرت حسن بصری جو بہت جلیل القدر اور مستند علمائے اہلسنت میں سے گزرے ہیں اور امام بصری کے نام سے مشہور ہیں معاویہ کے حالات پر نہایت جامع الفاظ میں روشنی ڈال گئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہو تو دائمی عذاب آخرت کے لیے کافی ہے۔

۱۔ اس نے اس امت پر تلوار کھینچی اور بغیر مشورہ کے خلافت کو لے لیا۔

۲۔ اپنے بعد اپنے بیٹے کو سکیر و خمیر، شرابی و بھنگی، چرسی، نشہ باز اور خلاف حکمِ خدا و رسولؐ ریشم پہننے والا اور طنبورہ بجانے والا تھا مسلمانوں پر خلیفہ بنا گئے۔

۳۔ زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا سگا بھائی بنا لیا۔

۴۔ اس نے حجر اور اصحابِ حجر کو قتل کیا۔ پس ویل ہے اور افسوس ہے اس پر حجر اور اصحابِ حجر کی طرف سے۔ اس فقرہ کو تین دفعہ دہرایا (تاریخ طبری ص۱۵۶ تاریخ کامل جلد۲ ص۲۴۵۔ ابوالفداء جلد۱ ص۱۹۶، نصائح کافیہ ص۵۷)

یہ حجر بن عدی نہایت بزرگ صحابی، عابد و زاہد مستجاب الدعوات لوگوں میں سے تھے۔ چونکہ حضرت علیؑ کے فدائی اور جان نثار تھے، اس جرم میں کوفہ سے قید کر کے طوق و زنجیر پہنا کر شام بلائے گئے اور قتل کیے گئے (طبری جلد۶ ص۱۵۰ و ص۱۶۱ کامل جلد۳ ص۲۳۷ و ص۲۴۶، استیعاب جلد۱ ص۱۳۴)

ان معتبر کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سیکڑوں مقدس ہستیاں صرف

حق بات کہنے اور علیؑ کی محبت کا دم بھرنے کی وجہ سے تلوار کے گھاٹ اتار دی گئیں معاویہ نے خود بھی حجر بن عدی کے قتل کا اقرار کیا ہے۔ مرتے وقت کہتا تھا یوحی منک یا حجر لویل" اے حجر قیامت کے دن تمہارے اس قتل کا مجھ سے سخت مواخذہ ہوگا (نصائح کافیہ ص۵۹)

آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بار بار اپنی زبان وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا۔ یا علی انت منی وانا منک اور کبھی فرمایا علیؑ منی وانا منہ اور کبھی فرمایا علیؑ منی بمنزلۃ الراس من جسدی کبھی فرمایا من سب علیاً فقد سبنی کبھی فرمایا یا علی من ابغضک فقد ابغضنی من اذاک فقد اذانی ومن حاربک فقد حاربنی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (ازالۃ الخفاء مقصد۲ ص۲۶۰ و ص۲۷۹ - استیعاب جلد ۲ ص۴۶۱ مسند امام حنبل ص۱۴۹ و ص۱۶۴، اسعاف الراغبین ص۱۵۴ و ص۱۵۶ شرف المؤبد ص۵۸ و ص۱۱۲، مودۃ القربیٰ ص۱۳ تاریخ الخلفاء ص۱۷۲ فصول المہمہ ص۲۴ و ص۱۲۶۔ خصائص نسائی ص۱۲ و ۳۹ و ۳۲۔ نصائح کافیہ ص۶۶ و ۶۹ مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶، صواعق محرقہ ص۴۷، نورالابصار ص۱۱۹، صحیح ترمذی جلد۲ ص۲۱۳ و ۲۱۴ مطالب السئول ص۶۸، ینابیع المودۃ ص۵۳، ارجح المطالب ص۵۱۵ و ص۵۱۶)

پس ان احادیث کے ہوتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام پر معاویہ کا سبّ وشتم کرنا اور ان سے لڑنا کیا حضرت رسولِ خداؐ کی ذات سے لڑنا اور ان پر سبّ وشتم کرنا نہ تھا اور کیا ایسی صورت میں معاویہ دینِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ کیا اس کا قتل مسلمانوں پر واجب نہ تھا۔ معاویہ کی یہ وہ بدعت تھی جس کا اتباع اسی برس تک اس کے تابعین نے بلادِ اسلامی میں کیا یعنی حضرت علی علیہ السلام پر تبرا کیا جاتا رہا۔ بغیر اس سنتِ معاویہ کو ادا کیے ہوئے نمازِ جمعہ قبول نہیں ہو

سکتی تھی - دربار خلافت سے فرمان جاری ہوتے تھے کہ ہر جمعہ کو نماز وخطبہ کے بعد مسجدوں میں علی الاعلان علیؑ اور ذریت طاہرہ محمدیہ کو سبّ وشتم اور لعن و تبرّا سے یاد کیا جائے - لوگوں کو ایسا کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اصحاب رسولؐ کو خود معاویہ مجبور کرتا تھا اور کہتا تھا اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں تم کو سخت سزا دوں گا۔

امام حسنؑ کی شہادت کے بعد شام میں خوشی کا جشن منا کر قصر خضرا سے اظہار مسرت میں تکبیروں کے نعرے لگا کر معاویہ حج کرنے آتا ہے اور بعد فراغ حج مدینہ منورہ پہنچکر منبر رسولؐ پر بیٹھتا ہے - حضرت علیؑ پر لعن وتبرّا کا ارادہ کرتا ہے - لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ ہاں سعد بن ابی وقاص یہاں موجود ہیں - پہلے ان سے پوچھ لو پھر کچھ بولنا سعد کو بلاتا ہے اور اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے - سعد کہتے ہیں کہ اگر تم ایسا کرو گے تو ابھی مسجد سے نکل جاؤں گا اور پھر کبھی نہ آؤں گا - پس معاویہ خاموش ہو گیا اور جب تک سعد زندہ رہے مسجد رسولؐ میں لعن نہ کی - سعد کے مرنے کے بعد منبر پر جا کر اس نے اپنے اس ناپاک ارادے کو پورا کیا - حضرت ام سلمہ زوجۂ رسول خداؐ نے معاویہ کو لکھا کہ تم اپنے منبروں پر بیٹھ کر خدا و رسولؐ پر لعنتیں کرتے ہو یعنی تم جب علیؑ اور اولاد علیؑ پر لعنت کرتے ہو تو درحقیقت خدا اور اس کے رسولؐ کو لعنت کرتے ہو - قسم خدا کی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ علیؑ کو دوست رکھتا ہے۔ (نصائح کافیہ ص ۶۹)

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸ میں خود سعد بن ابی وقاص کے بیٹے عامر بن سعد سے منقول ہے کہ معاویہ نے سعد کو حکم دیا کہ تم ابوتراب کو کیوں نہیں سبّ کرتے - سعد نے کہا مجھے علیؑ کی بابت تین باتیں یاد ہیں جو رسول اللہؐ نے فرمائی ہیں - پس میں ہرگز ایسا نہ کروں گا - بخدا اگر میرے لیے ان میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ عزیز ہوتی - میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے جب ایک جنگ کو جاتے

ہوئے علیؑ کو اپنے بعد مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور علیؑ نے اس کی شکایت کی تھی تو حضرت نے فرمایا تھا یا علیؑ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمھاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو موسیٰ کے نزدیک ہارون کی تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں ہے۔ دوسرے روز خیبر میں میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ کل میں یہ علم اس کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسولؐ اسے دوست رکھتا ہے۔ ہم سب نے اس عزت کے ملنے کی آرزو میں اپنی گردنیں بلند کیں مگر حضرت نے فرمایا علیؑ کو بلاؤ۔ علیؑ آئے آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور علیؑ کو علم کرامت فرمایا۔ پس علیؑ کے ہاتھ پر خدا نے خیبر کو فتح فرما دیا۔ تیسرے جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا۔ اللھم ھٰؤلاء اھلی۔ خدایا یہ میرے اہل ہیں (صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۴، خصائص نسائی قلمی ص ۳۲، مروج الذہب جلد ۲ ص ۴۲، تاریخ طبری، تاریخ کامل)

معاویہ حضرت عمار یاسر کا قاتل تھا اور آنحضرتؐ نے ان کے قاتل کے متعلق فرمایا تھا۔ یا عمار تقتلک فئۃ باغیۃ تدعوھم الی الجنۃ ویدعونک الی النار (اے عمار تمھیں ایک گروہ باغی قتل کرے گا، تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو جہنم کی طرف کھینچیں گے (زرقانی جلد ا ص ۱۴۱ و ص ۱۴۵، صحیح مسلم جلد ص ۳۹۵ - ۳۹۲ - صحیح ترمذی جلد ۲ ص ۲۶۱، سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۱۷۶، تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۱ - کامل جلد ۳ ص ۱۵۶، ابو الفدا جلد ا ص ۱۲۵، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۰۹، نور الابصار ص ۱۴۶ - اسعاف الراغبین ص ۶۶ مدارج النبوۃ ص ۸۰ مسند امام حنبل ص ۲۸۹ - استیعاب جلد ۲ ص ۴۲۳ و ۴۲۴، ینابیع المودۃ ص ۱۲۸، مطالب السؤل ص ۸۳، ص ۸۴ سر العالمین غزالی ص ۸، معارج النبوۃ ص ۱۹ روضۃ الاحباب ص ۲۰۱ مروج الذہب جلد ۲ ص ۱۶ تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۵۳ ازالۃ الخفاء ص ۱۵۳، نیز مابعد آنے والے قتلوں کی جو پیشینگوئیاں

فرمائی ہیں۔ ان میں بھی فتنۂ شام کو بہ صراحت ذکر فرمایا ہے۔ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کی ازالۃ الخفا (مقصد دوم) میں یہ ارشاد نبوی ہے "شام سے فتنہ اٹھے گا اور فتنۂ شام بنی امیہ سے ہے۔

معاویہ کی خلافت و حکومت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں وفیہ ھنات وھنات وھنات یعنی اس کی حکومت و فساد ہی فساد اور فتنے ہی فتنے ہیں (ازالۃ الخفا) نیز بار بار فرمایا ویل، لبنی امیہ ویل، لبنی امیّہ (نصائح کافیہ)

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ بنی امیہ نے قوت پکڑتے ہی دینِ الٰہی کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اسلام میں بے شمار فتنے برپا کردیے۔ حضرت عمر آیۃ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔" وہ قریش کے دو قبیلے بنو امیہ اور بنو مغیرہ ہیں۔ تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۸۴، پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کی تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے۔ اخرج البخاری فی تاریخہ وابن جریر وابن منذر وابن مردویہ عن عمر ابن الخطاب قال فی قولہ تعالیٰ الم تر الی الذین الخ ھما الافجر ان من قریش بنو امیہ وبنو مغیرہ فامّا بنو المغیرۃ فکفیتموھم یوم بدر وامّا بنو امیہ فمتعوا الیٰ حین یعنی بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریر اور ابنِ منذر اور ابنِ مردویہ نے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے آیۂ الم ترا الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ نعمتِ خدا کو کفر سے بدلنے والے قبیلۂ قریش کے دو سب سے بڑے فاجر گروہ ہیں بنی امیہ اور بنی مغیرہ۔ بنی مغیرہ کو تو بدر کے روز تم ختم کر چکے مگر بنی امیہ ابھی تک باقی ہیں۔

معاویہ کی علیؑ سے بغاوت اور دشمنیِ آلِ رسولؐ کو سلطنت کا اصول قرار دینا اور امام حسنؑ کا صلح کرنا حق تھا

جب حضرت علیؑ نے اصحابِ کبار مہاجرین و انصار کے اجماع کامل اور اتفاقِ تام سے اور ان کی درخواست و اصرار پہ مجبور ہو کر خلافتِ ظاہری کو قبول فرما لیا تو امیر معاویہ ان سے جنگ کرنے اور بغاوت کی خاک اڑانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا پرست حکومت و دولت کے لالچی ان کے شریکِ حال بن کر علیؑ کی مخالفت پہ کمریں کس لیتے ہیں۔ لڑائیوں کا سلسلہ بندھ جاتا ہے اور حضرت علیؑ کے آخری سانس تک معاویہ کی فتنہ پردازی اور برسرِ منبر سبّ و شتم دہی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آلِ محمدؐ کے فضائل و مناقب کو مٹانا خلافتِ و سلطنت کا اصول قرار دیا جاتا ہے۔ تاریخ و سیر کی کتابیں ان نازیبا اور وحشیانہ کاروائیوں سے پُر ہیں جو معاویہ نے امیر المومنینؑ علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں ان کے اور ان کے دوستوں کے ساتھ خفیہ یا علانیہ کی ہیں۔ علامہ ابن الحدید کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۵۵ میں امام زہری اور محمد سعید اصفہانی کی اسناد سے جو کچھ منقول ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ علامہ محمد بن عقیل کی نصائح کافیہ کے صفحہ ۷ اور ابو عثمان حافظ کی کتاب الرّد علی الامامیہ اور علامہ ابو الحسن مدائنی کی کتاب احداث میں جو کچھ اس بارہ میں لکھا ہے اسے پڑھو کہ معاویہ نے کیا کہا ہے اور اپنے حکام و عمال کو کیا کیا احکام بھیجے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے شہید ہو جانے کے بعد معاویہ نے سبطِ اکبر حضرت امام حسن علیہ السلام سے بھی اپنی مخالفت کو کھلم کھلا جاری رکھا اور جب تک امام حسنؑ نے مجبور ہو کر خلافت کو نہیں چھوڑ دیا۔ معاویہ نے اس کی ایذا رسانی سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ملکِ شام سے عراق و حجاز تک اموی سازشوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اور چپہ چپہ پہ بنی امیہ کے زہریلے جراثیم بکھرے ہوئے تھے۔ رشوتیں دی جاتی تھیں۔ انعام و اکرام کا بازار گرم تھا۔

قتل و غارت کی دھمکیاں تھیں۔ غرض آلِ رسول ؐ کے اقتدار کو مٹانے کے لیے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ امام حسنؑ کے ساتھی جی چھوڑ بیٹھے بلکہ خود امام حسن علیہ السلام طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔

بے شک، امام حسنؑ علیہ السلام اپنے پدرِ بزرگوار کی طرح دنیا کے حریص نہ تھے جس طرح تقررِ حکمین کے وقت نا اہل مسلمانوں کی ہٹ اور ضد سے مجبور ہو کر حضرت علی علیہ السلام نے ان کی رسی ان کی گردن پر چھوڑ دی تھی اسی طرح جب حضرت امام حسنؑ نے بھی اپنے دنیا پرست ساتھیوں کی حالت خراب دیکھی اور جنگ سے جی چراتے پایا تو انھوں نے بھی حکومت سے دست کشی اختیار کر لی اور جس طرح ان کے نانا نے مشرکینِ مکہ سے حدیبیہ میں صلح فرمائی اسی طرح امام حسنؑ نے بھی مصلحتاً امیر معاویہ سے صلح کی۔ اس صلح میں بھی اسلام کی بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو شرطیں فرمائیں وہ اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ آپ کو مسلمانوں سے کیسی ہمدردی تھی۔ گو معاویہ نے بعد میں کسی ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ سب سے بڑی شرط یہی تھی کہ معاویہ اپنے بعد اپنا جانشین کسی کو نہ بنائے اور خلافت اس کے بعد امام حسنؑ کی طرف منتقل ہو (الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۲۵۹ و تاریخ خمیس صفحہ ۳۲۳) اس شرط کو قرار دینے سے بڑی غرض یہی تھی کہ معاویہ کے بعد یزید بد کردار مسلمانوں کا بادشاہ نہ ہو اور لوگ اس کے ظلم و ستم اور فسق و فجور سے محفوظ رہیں محض اسی شرط کی وجہ سے معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر دلوا دیا۔

امام حسن علیہ السلام نے اپنی اس صلح سے آنحضرتؐ کی اس حدیث کی تصدیق فرمائی تھی "میرا یہ فرزند مسلمانوں کے دو گروہِ عظیم میں صلح کا موجب ہوگا" اس حدیث میں لفظِ مسلمین وارد ہے جو تواتر کے ساتھ تمام کتب "تاریخ و احادیث میں درج ہے (صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۳۹ و صفحہ ۱۴۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱ ابو الفداء صفحہ ۱۹۳۔ تاریخ خمیس صفحہ ۳۲۳، شرف المؤید صفحہ ۶۔ اسعاف الراغبین صفحہ ۳۔ اتحاف صفحہ ۱۰

صواعق محرقہ صہ۲۷ لفظ مسلم کا اطلاق مومن و منافق دونوں کے لیے ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی منافق مسلم کہلاتے تھے۔ پس اس حدیث سے گروہ بنی امیہ کے لیے جو لظاہر اسلام کا چولا پہنے ہوئے تھے مگر حقیقت میں مومن اور سچے مسلمان نہ تھے، کوئی بزرگی اور فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور معاویہ اور اس کے گروہ کے برسرِ حق ہونے اور سچے مسلم کہلانے کی دلیل نہیں بن سکتی اور نہ اس سے امام حسنؑ کا معاویہ کو قابلِ خلافت سمجھ لینا ظاہر ہوتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے تو نہ کبھی اس کو خلیفۂ رسولؐ جانا اور نہ امیرالمومنین سمجھا، نہ اس کی اطاعت کا کبھی اقرار فرمایا اور نہ اس خیال کو مدِنظر رکھتے ہوئے صلح فرمائی۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ معاویہ کی سازشیں کام کر رہی ہیں۔ اور مسلمان نصرتِ حق سے منہ موڑ رہے ہیں تو مجبوراً آپ نے اپنی بیعت کو ان کی گردن سے اٹھا لیا اور خلافت کو چھوڑ بیٹھے۔ امام حسن علیہ السلام کے ان خطبوں اور تقریروں کو دیکھو جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس صلح کے متعلق موجود ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۳ صہ۲۰۶ طبری صہ۹۲۔ الامامۃ والسیاسۃ۔ تاریخ خمیس۔ ابوالفداء۔ تاریخ کامل میں امام حسنؑ کا خطبہ اور قیس بن سعد کی تقریر جو اہلِ لشکر سے ہوئی اور اہلِ لشکر کا جواب قابلِ ملاحظہ ہے۔ امام حسنؑ لشکر کی بے وفائی دیکھ کر فرماتے ہیں "تم نے دین کو دنیا پر مقدم سمجھ لیا ہے اور معاویہ ہم کو ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف۔ اگر تم لوگ حق پر مرنے کے لیے تیار ہو تو ہم ان سے جنگ کے لیے آمادہ ہیں اور اگر ذلت کی زندگی کے خواہاں ہو تو ہم کو اختیار ہے کہ معاویہ سے صلح کر لیں۔"

جواب میں البقیہ البقیہ کی چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو جاتی ہیں یعنی ہم تو دنیا کی زندگی کے طالب ہیں۔ قیس بن سعد اہلِ لشکر سے کہتے ہیں۔ ایہا الناس! تم امام گمراہ کی اطاعت کرنا چاہتے ہو یا اس سے راہِ الٰہی میں جہاد کرنا پسند کرتے ہو۔ سب نے پکار پکار کر کہا۔ نہیں۔ ہم کو تو اس گمراہ امام کی ہی اطاعت منظور ہے۔

امام حسنؑ کے وہ الفاظ دیکھو جو معاویہ اور عمرو عاص کی موجودگی میں اہل کوفہ سے فرماتے ہیں۔ انّی ادری لعلّہٗ فتنۃٌ لکم و متاع الیٰ حین یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ یہ تمھارے لیے فتنہ ہو اور صرف چند دن کی بہار یعنی حکومت و خلافت معاویہ (طبری۔ کامل، محرم نامہ صلا حسن نظامی)

علامہ عقیلی نے نصائح کافیہ صفحہ ۱۵۲ پر امام حسن علیہ السلام کی اس صلح کے متعلق خوب لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ انّ تسلیم الحسن الامر الیہ غیر مبرر لہٗ لانہ لم یسلّمہ الّا مضطراً و صوناً لدماء المسلمین واخذ باخف الضررین واھون الشرین علماً منہ ان معاویہ مصرٌ علی القتال وسفک الدماء فکان من رایہ تسلیم الامر وحقن دماء المسلمین وتحقق بذالک قول جدہ ان ابنی ھذا سیّد لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین فالحسن مثابٌ بھذا الصلح مصیبٌ فیہ ومعاویہ مخطی معاقب علیہ ممقوت بہ ولا کرامۃ۔ یعنی حسنؑ کا امر خلافت کو چھوڑ دینا حسنؑ کی نیکی اور بدی میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے کہ حسنؑ نے امر خلافت کو نہیں چھوڑا مگر مجبور و مضطر ہو کر مسلمانوں کے خون بچانے کے لیے چھوڑ دیا اور دو ضرروں میں سے خفیف ضرر کو اختیار کیا اور دو شروں میں آسان شر کو قبول کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ معاویہ جنگ کرنے اور خون بہانے پر مصر ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا پس حسنؑ کی رائے یہی ہوئی کہ خلافت کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے خون کو بچائیں اور اپنے نانا رسول خدا کے اس قول کو کہ میرا یہ فرزند سردار ہے اور مسلمانوں کے دو گروہ عظیم میں صلح کا موجب ہوگا سچا ثابت کر دکھائیں۔ پس حسن بلاشک اس صلح میں داخل ثواب ہیں اور اس فعل میں درستی اور نیکی پر ہیں اور معاویہ اس معاملہ میں خطا وار

اور مستحق عذاب ہے۔ اس کے لیے اس معاملہ میں کوئی بزرگی اور کرامت نہیں۔

اسی ضمن میں پھر صفحہ ۱۵۲ پر علامہ عقیلی تحریر فرماتے ہیں۔ فقد صالح صلی اللہ علیہ وآلہ کفار قریش یوم الحدیبیۃ علی ان یرجع الی المدینۃ ہو واصحابہ ولا حج ولا عمرۃ وعلی ان یرد الی الکفار من جاءہ منہم مسلماً و ان لا یدخل المکۃ فی المقابل الا ثلاثۃ ایام بسلاح المسافر فقط ولم یرضوا مع ھذا بکتابۃ محمد رسول اللہ فمحاھا من الکتاب بیدہ الشریفۃ وابدلہ بمحمد بن عبد اللہ ألم یکن ھذا الصلح حقاً من جانب النبی وباطلاً من جھۃ کفار قریش وکذلک صالح النبی عیینۃ واقرع علی ان یعطیھما ثلث ثمار المدینۃ ان رجع بمن معھما عن مساعدۃ الی سفیان والاحزاب لولا ان سعداً اشار علی النبی ان لا یبرمہ ان لم یکن وحیاً فاستحسن النبی رایہ ولم یبرمہ اولم یکن ھذا حقاً من جھۃ النبی وباطلاً من جھۃ الاخری فکذلک صلح الحسن فھو حق من جھتہ وباطل من جھۃ معاویۃ مخطی متغلب اثم بلا ریب ومع ذلک فانہ نکث ونقض اکثر ما عاھد اللہ علیہ فی ذلک الصلح

ملخص قضیۃ الصلح من فتح الباری شرح صحیح بخاری ومن تاریخ ابی جعفر الطبری ومن الکامل لابن اثیر وغیرھا لتعلم ما الجاء الامام الحسن الی ذلک الصلح وما نکث معاویۃ من عھودہ

(یعنی رسول اللہ نے روز حدیبیہ کفار سے اس امر پر صلح فرمائی کہ حضرت مع اپنے اصحاب کے مدینہ کو لوٹ جائیں اور نہ حج کریں اور نہ عمرہ اور کفار قریش میں سے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ اہل مکہ کو واپس دے دیے جائیں اور آئندہ سال بھی مکہ

میں داخل نہ ہوں۔ مگر تین دن کے لیے اور وہ بھی فقط مسافروں کی طرح اور پھر باوجود ان سب باتوں کو قبول فرما لینے کے کفار مکہ صلحنامہ میں لفظ "محمد رسول اللہ" لکھے جانے پر راضی نہ ہوئے اور حضرت نے خود اس لفظ کو اپنے دستِ مبارک سے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھوایا۔ کیا یہ صلح رسولؐ کی طرف سے حق اور کفار کی جانب سے باطل نہ تھی اور ایسا ہی رسول اللہؐ نے عُیَینیہ اور اَقرح (یہودیوں کے دو قبیلوں سے) اس امر پر صلح فرمائی کہ باغات مدینہ کے پھلوں کا ایک ثلث حصہ ان کو دیا جائے گا۔ اگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے ابوسفیان اور اس کے گروہ کی امداد سے ہٹ جائیں۔ سعد نے اشارۃً عرض کیا، اگر وحی اس کے خلاف نہ ہو تو اس کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ حضرتؐ نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور اس تجویز کو نہ چھوڑا۔ پس کیا یہ صلح اور یہ تجویز رسول اللہؐ کی برحق نہ تھی اور فریق دومؑ کی طرف سے کذب و بطلان؟ پس اسی طرح امام حسنؑ کی صلح حق ہے ان کی طرف سے اور باطل ہے معاویہ کی جانب سے۔ بے شک معاویہ زبردستی غلبہ کرنے والا خطاوار و گنہگار تھا۔ اس نے باوجود سینہ زوری سے خلافت لینے کے جو عہد کیا تھا اس کو توڑ دیا اور کسی ایک شرط پر وفا نہ کی۔ اس قضیۂ صلح کا یہ سب خلاصہ فتح الباری شرح صحیح بخاری اور ابوجعفر طبری کی تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ سے لکھا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ امام حسنؑ اس صلح کے لیے کس طرح مجبور ہو گئے تھے اور معاویہ نے اپنے عہدوں کو کس طرح توڑا تھا۔

اس صلح کے بعد نہروانی گروہ خوارج نے معاویہ سے جنگ کے لیے خروج کیا۔ معاویہ نے امام حسنؑ کے پاس کہلا بھیجا یا تحریر بھیجی کہ آپ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اس گروہ سے جنگ کریں۔ پس اگر امام حسنؑ معاویہ کو مسلمانوں کا جائز حاکم مانتے ہوتے تو کیا معاویہ کی فرمائش کی تکمیل ان کا فرض نہ ہوتا لیکن انھوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ سختی سے جواب دیا۔ سبحان اللہ، جب میں نے تیرے ساتھ جنگ کرنے کو جو ہر طرح مباح

اور مسلمانوں کی بہبودی کا باعث تھی ترک کر دیا تو کیونکر ممکن ہے کہ میں تیرے ساتھ شامل ہو کر جنگ کروں (نصائح کافیہ صفحہ ۱۵۷ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۸ - تاریخ طبری)

پس یہ ہے وہ صلح معاویہ کی جس پر گروہ بنی امیہ اور طرفداران یزید و معاویہ بڑے زور شور سے بیان کیا کرتے ہیں کہ امام حسنؑ نے خلافت معاویہ کو قبول کر لیا تھا اور اس کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ پس اس کے بعد یزید بھی اس کا جانشین و خلیفہ تھا۔ امام حسینؑ پر اس کی بیعت فرض تھی۔ کیا ان حالات و واقعات کو دیکھ کر امام حسنؑ کے ان جوابوں، خطبوں اور کلاموں کو پڑھ کر ایک ذی عقل انصاف پسند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام حسنؑ نے معاویہ کی بیعت کو قبول کر لیا تھا اور وہ اس کو خلیفہ واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ وہاں رضامندی کا کوئی تعلق ہی نہ تھا صرف یاروانصار کے منہ موڑ لینے اور مددگاروں کے نہ ہونے سے مجبور ہو کر امام حسنؑ نے حکومت کو چھوڑا تھا۔ معاویہ نے اس کو غنیمت سمجھا۔ اگر وہ بھی یزید کی طرح کھلم کھلا اسی وقت امام حسنؑ کا خاتمہ کر دینا مناسب سمجھتا تو یقیناً امام حسنؑ کے ساتھ اس وقت وہی سلوک ہوتا جو امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں ہوا۔ لیکن معاویہ بنی امیہ کی اس خلافت کو مستحکم بنانے اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور یزید کو اپنا جانشین قرار دینے کی اسکیم کو بخوبی سمجھ چکا تھا۔ مشہور دہاۃ عرب میں شمار ہوتا تھا۔ یزید کی طرح بدمست رنگیلا، شرابی اور بے عقل انسان نہ تھا۔ اس لیے اس نے یزید کی طرح بے عقلی سے کام نہ لیا۔ وہ کھلم کھلا قتل کے برے نتائج کو جانتا تھا۔ اسی لیے یزید کو بھی حسینؑ کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچنے کی ہی وصیت کی تھی۔ ورنہ اگر معاویہ بھی امام حسنؑ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا جو حسینؑ کے ساتھ ہوا تو آج دنیا میں جو یزید کا حشر ہو رہا ہے وہی اس کا ہوتا اور خطائے اجتہادی کا جو کچا رنگ اس کے افعال پر چڑھایا گیا ہے وہ سب ہوا ہو جاتا۔ پس اس مدعا (قتل امام حسنؑ) کو بصیغۂ راز پورا کرنا ہی مدبرانہ پہلو

سے مناسب سمجھا گیا اور رسولِ خدا کے اس سبطِ اکبر کو زہر دغا سے شہید کر کے صلحنامہ کی اس شرط کو کہ معاویہ کے بعد خلافت حسنؑ کی طرف منتقل ہوگی مٹا دینے اور یزید کو اپنا جانشین بنا دینے کا راستہ صاف کر دیا۔ اس واقعہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت زہر سے ہوئی اور ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ دیا گیا۔ تمام مورخین و محدثین برابر یہی لکھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ زہر کا پیالہ امیر معاویہ کے اشارہ یا یزید کی تجویز سے پلایا گیا تھا (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۶ استیعاب جلد ۱۔ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۱، نصائح کافیہ صفحہ ۶۔ تذکرہ خواص الامہ۔ طبقات ابن سعد، روضۃ المناظر شواہد النبوۃ صفحہ ۱۷۳۔ محرم نامہ و یزید نامہ حسن نظامی صفحہ ۴۲ و ۸۳) تعجب ہے ان لوگوں کی عقل پر جو امام حسنؑ کی شہادت کے واقعہ کو زہر سے تو بتاتے ہیں مگر اس امر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہ زہر معاویہ کے ایما سے دیا گیا تھا یا یزید کی تجویز تھی بلکہ دونوں کو اس الزام سے بری کرنے کی جرأت فرماتے ہیں۔ ع "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔" اگر معاویہ اور یزید نے زہر نہیں دلایا تو پھر تیسرا کون شخص امام حسنؑ کا رقیب اور اس وقت خلافت کا دعویدار تھا اور ان کا وجود ذیجود کس کے قلب نجس میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ پھر امام حسنؑ کی خبر شہادت پہنچنے پر دربار شام میں امیر معاویہ کے محلات میں خوشی کے نعرے کیوں بلند ہوئے۔ شکر کے سجدے کیوں کیے گئے۔ مروان کو کیوں لکھا گیا تھا کہ حسنؑ کی حالت کی پے بہ پے خبر ہم کو بھیجتے رہو۔ ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵۔ جب قاصد معاویہ کے پاس امام حسنؑ کی خبر وفات لے کر پہنچا تو معاویہ نے کہا۔ عجبًا من الحسن شرب شربۃً من عسل بماء رومیۃ فقضیٰ نحبہ یعنی تعجب ہے کہ حسنؑ نے شہد کا شربت رومی پانی ملا ہوا پیا اور انتقال کر گئے۔ (غالباً یہ ماء رومی وہی ہوگا جو روم سے منگوایا تھا یعنی زہر) پھر حیوۃ الحیوان دمیری سے لکھتے ہیں۔ لما مرض الحسن کتب مروان بن الحکم الی معاویۃ بذلک وکتب الیہ معاویۃ ان اقبل المطی الیّ بخبر الحسن فلما بلغ معاویۃ موتہ سمع تکبیرًا

من الخضرا فكبّر اهل الشام بذلك التکبیر فقالت فاختہ بنت قرظیہ لمعاویۃ اقر اللہ عینك ما الذی کبّرت لاجلہ فقال مات الحسن فقالت اعلیٰ موت ابن فاطمۃ تکبیر فقال ما کبّرت شماتۃ ولکن سر قلبی ودخل علیہ ابن عباس فقال یا ابن عباس ھل تدری ماحدث فی اھل بیتك قال لا ادری باحدث الّا انی اراك مستبشراً وقد بلغنی تکبیرك فقال مات الحسن فقال ابن عباس رحم اللہ ابا محمد ثلاثاً واللہ یامعاویہ لا تسدّ حفرتہ حفرتك ولا یزید عمرہ فی عمرك ولئن کنا اصبنا بالحسن فلقد اصبنا بامام المتقین وخاتم النبیین فجبر اللہ تلك الصورعۃ وسکن تلك العبرۃ وکان الخلف علینا بعدہ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵) یعنی جب امام حسنؑ بیمار ہوئے مروان نے اس کی اطلاع معاویہ کو لکھی۔ معاویہ نے جواب میں لکھا، حسنؑ کی حالت کی خبر ہم کو جلد جلد بھیجتے رہو۔ جب معاویہ کو امام حسنؑ کی شہادت کی خبر ملی تو قصر خضراء (معاویہ کا خاص محل) سے تکبیر کی آوازیں سنی گئیں اس تکبیر کی آواز سنکر اہل شام نے بھی تکبیریں کہیں۔ اس وقت فاختہ بنت قرظیہ نے معاویہ سے کہا۔ خدا تمھاری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔ کس خوشی پہ آپ نے یہ تکبیر کہی ہے۔ معاویہ نے کہا حسنؑ مر گئے۔ یہ سن کر اس بیچاری نے کہا کیا فاطمہؑ کے بیٹے کے مرنے پر تم یہ تکبیروں کے نعرے بلند کرتے ہو؟ معاویہ نے کہا میں نے شماتت سے تکبیر نہیں کہی بلکہ میرے دل کو راحت اور خوشی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ابن عباس آ گئے۔ معاویہ نے کہا، تم کو خبر ہے تمھارے خاندان میں کیا حادثہ گزرا۔ کہا مجھے نہیں معلوم۔ البتہ میں آپ کو خوش و خورم دیکھتا ہوں اور تمھاری تکبیروں کی آواز بھی سنی ہے۔ معاویہ نے کہا حسنؑ مر گئے۔ یہ سنکر ابن عباس نے تین مرتبہ کہا، خدا ابو محمد (حسنؑ) پر رحم کرے، لیکن اے معاویہ حسنؑ کی قبر نے تمھاری قبر کو بند نہیں کیا اور ان کی عمر تمھاری عمر میں کوئی زیادتی نہیں

کرے گی اور ہم پر جو کچھ مصیبت حسنؑ کے فوت ہونے سے واقع ہوئی بتحقیق ہم پر ایسی ہی مصیبت امام المتقین (علیؑ) اور خاتم النبیین (حضرت رسولِ خداؐ) کی وفات سے بھی آئی تھی۔ خدا نے ایک کے بعد دوسرے کے وجود سے اس شگافِ مصیبت و الم کو جوڑ دیا اور بہ غم کے آنسو تھے۔ ایک کے بعد دوسرا وجود باعثِ تسکین بنایا۔ اب ہم میں اس کے بعد بھی ان کا قائم مقام موجود ہے۔

"تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام حسنؑ کو ایک بار نہیں بار بار زہر دیا گیا تھا جس سے حضرت بیمار رہنے لگے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ سات مرتبہ زہر دیا گیا۔ تاریخ خمیس وغیرہ میں ہے کہ خود امام حسنؑ نے آخری مرتبہ جس کے بعد شہادت ہوئی۔ فرمایا۔ انی قد سقیت السّم مراراً" مجھے کئی دفعہ زہر پلایا گیا ہے۔

علامہ ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ حصہ اول ص۲۷۶ میں لکھتے ہیں۔ فلما اتاہ الخبر اظہر فرحاً وسروراً حتٰی سجد وسجد من کان معہٗ یعنی جب امام حسنؑ کی وفات کی خبر امیر معاویہ کو ملی تو خوش ہوئے اور فرحت و سرور کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ شکر کے سجدے کیے اور مصاحبوں، ساتھیوں نے بھی اس کے ساتھ ہی سجدے ادا کیے۔ پھر ابن عباس کا آنا اور امیر معاویہ سے باہمی گفتگو کو درج کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ابن عباس بار بار انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتے تھے اور معاویہ سے کہتے تھے۔ قد بلغنی الذی اظہرت من الفرح والسرور لوفاتہ اما واللّٰہ ما سدّ جسدہ حفرتک ولا زاد نقصان اجلہ فی عمرک و لقد مات ھو خیر منا ولئن اصبنا بمن کان خیراً منہ جدّنا رسول اللّٰہ فجبر اللّٰہ مصیبتہٗ وخلف علینا من بعدہ احسن الخلافۃ یعنی بتحقیق حسنؑ کی موت پر جو خوشیاں تم نے منائیں

اور جو اظہارِ فرحت و سرور تم نے کیا مجھے معلوم ہوا۔ مگر قسم ہے خدا کی اے معاویہ حسنؑ کی لاش نے تمہارے گڑھے کو بند نہیں کیا اور حسنؑ کا مرنا تمہاری عمر کو نہیں بڑھائے گا۔ بتحقیق یہ اس کی موت ہے جو تجھ سے بہتر ہے اور ہم پر حسنؑ کی موت سے جو مصیبت آئی ہے پس ایسی ہی مصیبت ہم پہ پہلے بھی یعنی حسنؑ کے نانا رسول اللہؐ کی موت سے جو حسنؑ سے بہتر تھے۔ پس اللہ نے اس مصیبت پر رسول اللہؐ کے بعد بہترین خلف ہمارے واسطے چھوڑا جس سے اس مصیبت میں کچھ تسکین اور صبر ہوا (یعنی علیؑ) پھر علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ یہ کہہ کر ابن عباس نے چیخ ماری اور رونا شروع کیا۔ سب حاضرین مجلس بھی ابن عباسؓ کے ساتھ رونے لگے اور معاویہ بھی روئے۔ راوی کہتا ہے کہ ایسا رونا میں نے کسی دن نہیں دیکھا (ذکرِ حسینؑ سن کر رونے رلانے پر اعتراض کرنے والے اور ذکرِ حسینؑ کی مخالفت کرنے والے ذرا ابن عباس کے اس ذکر اور رونے پر توجہ کریں اور انصاف فرمائیں ابن عباس نے دربارِ امیر معاویہ کو وفات امام حسنؑ کی مجلس نہیں بنایا تھا تو اور کیا تھا؟) پھر معاویہ نے ابن عباس سے پوچھا میں نے سنا ہے کہ حسنؑ نے چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے چھوڑے ہیں۔ فقال ابن عباس کلنا کان صغیراً فکبرنا یعنی ابن عباس نے فرمایا، ہم سب ہی چھوٹے تھے صغیر تھے اب بڑے ہو گئے۔ معاویہ نے پوچھا حسنؑ کی عمر کیا تھی؟ ابن عباس نے فرمایا یہ اس سے بھی زیادہ اعظم امر ہے کہ کوئی شخص حسنؑ کی ولادت سے اپنے جہل کا اظہار کرے (یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ حسنؑ کب پیدا ہوئے تھے؟ اور کیا حسنؑ کی عمر اب مرنے کی تھی) معاویہ نے ابن عباس سے کہا۔ اصبحت سید قومک من بعدہ۔ یعنی اب تو حسنؑ کے بعد آپ ہی اپنی قوم وقبیلہ میں سردار ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں۔ کیا ابا عبداللہ الحسینؑ باقی نہیں ہیں۔

(الامامۃ والسیاسۃ صد ۱۴۶، نصائح کافیہ صد ۲۰۔ عقد الفرید ابن عبد ربہ ج ۲ صد ۲۲۵ وغیرہ) پس جس طرح مکہ فتح ہونے تک ابوسفیان رسول اللہؐ سے جنگ کرتے رہے

اسی طرح حضرت امیر معاویہ مسلمان ہو کر طاقت و قوت پکڑنے پر حضرت علی مرتضیٰ امیر المومنین مسلمانوں کے برحق امام و خلیفہ سے لڑائیاں لڑتے اور جنگ آزمائیاں فرماتے رہے اور علیؑ کے بعد سبط اکبر جانِ رسولؐ حضرت امام حسنؑ سے بغض و عداوت اور دشمنی کے گل کھلاتے رہے زبردستی جبر و تشدد سے اسلام میں فتنہ و فساد برپا فرما کر مسلمانوں کے خون بہا کر سلطنتِ اسلامی اور خلافتِ محمدی مستحقین سے چھین بیٹھے اور امیر المومنین بن بیٹھے اور پھر چلتے چلتے اسی طرح زبردستی ظلم و تشدد سے چھینی ہوئی اس غاصبانہ خلافت کی رسی اور ظلم و جور و استبداد کی خونخوار تلوار اپنے فرزند دلبند رنگیلے شہزادے یزید کے ہاتھ میں دے گئے۔

یزید کی ولیعہدی اور خلافت کی تحقیق

علماء کے اقوال اور ارشادات یزید کے متعلق

یہ ہمارا قول نہیں ہے بلکہ امام حسن بصری جیسے مستند و معتبر تابعی بزرگ کا قول ہے جن کو اسلام کے تقریباً تمام فرقے امام دین اور بزرگِ اسلام مانتے چلے آتے ہیں تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۵۷، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۴۵ - تاریخ ابوالفداء جلد اول ص ۱۹۶ وغیرہ کو ملاحظہ کرو۔ قال حسن البصری اربع خصال کن فی معاویہ لو لم تکن فیہ الا واحدۃ فکانت موبقۃ

۱۔ انتزاءہ علی ھذہ الامۃ بالسیف حتی اخذ الامر من غیر مشورۃ ومنھم بقایا الصحابہ ذو الفضیلۃ

۲۔ واستخلافہ بعدہ ابنہ سکیراً خمیراً یلبس الحریر و یضرب بالطنابیر

۳۔ وادعاؤہ زیاداً وقد قال رسول اللہ الولد للفراش وللعاھر الحجر۔

۴۔ وقتلہ حجراً واصحاب حجر فیا ویلاً لہٗ من حجر ثلاث مرات۔

یعنی حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں۔ امیر معاویہ میں چار باتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں ہو تو وہی عقاب دائمی کے لیے کافی ہے۔

۱۔ یعنی امیر معاویہ نے اس امتِ مرحومہ نبوی پہ تلوار کھینچی یہاں تک کہ بغیر شوریٰ ومشورہ زبردستی خلافتِ اسلامیہ پہ قبضہ کر بیٹھے۔ حالانکہ امت میں اس وقت بقیہ اصحابِ رسول اللہؐ ان سے بہتر صاحبانِ فضیلت خلافت کے اہل موجود تھے۔

۲۔ اور پھر اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو شرابی کبابی، بھنگی چرسی خلافِ شریعتِ محمدی ریشم پہنتا اور طنبور سے بجاتا تھا۔ امت پہ خلیفہ بنا گئے۔

۳۔ اور زیاد کو خلافتِ حکمِ شریعت ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا بھائی بنا لیا حالانکہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیٹا وہی کہلاتا ہے جو جائز بیاہتا بی بی سے ہو اور زناکار کے لیے سزائے سنگساری ہے۔

۴۔ امیرِ معاویہ نے حضرت حجر ابن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ پھر تین مرتبہ فرمایا، معاویہ کے لیے افسوس ہے حجر کی طرف سے۔

(یہ حجر ابن عدی رسول اللہ کے بڑے مقدس بزرگ صحابی تھے۔ اور حضرت علیؑ کے خاص دوستوں اور مددگاروں میں سے تھے)

الغرض امام حسنؑ کی شہادت کے بعد فوراً ہی یزید کے لیے ولیعہدی کی تجویزیں اور خلافت وبیعت کی تدبیریں ہونے لگیں اور یہ آندھی شام سے اٹھی اور عراق و حجاز پہ خاک برسانے لگی۔ ہر قسم کے جال پھیلائے گئے۔ روپیہ پیسے کے لالچ علیحدہ دیے گئے۔ قتل وغارت کی دھمکیاں جدا سنائی گئیں۔ درہم ودینار کی زد پاشی سے لوگوں کے ایمان خریدے گئے۔ تاریخ طبری جلد ۶ تاریخ کامل جلد ۳ میں ان واقعات کو پڑھو۔ ابنِ قتیبہ کی السیاسۃ والامامۃ کو مطالعہ کرو۔ مروج الذہب مسعودی پہ نظر ڈالو۔ مورخین ومحدثین کی تمام تصنیفات میں یہ واقعات نظر آتے ہیں کہ

یزید کی ولیعہدی اور خلافت وبیعت کے لیے کیسی کیسی سیاسی سازشیں اور چالبازیاں کی گئی تھیں۔ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ تیس تیس درہم نقد دیتے ہیں اور لوگوں کے دین وایمان کو خریدتے ہیں اور یزید کے لیے بیعت پر لوگوں کو راضی کرتے ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۳ صہ ۲۵۲ بصرہ کے لیے زیاد کو لکھا جاتا ہے۔ شام میں جو ترکیبیں کی جاتی ہیں اور جس طرح بیعتِ یزید کے لیے لوگوں کو راضی اور آمادہ کر کے بیعت لی گئی وہ امامت والسیاست ابن قتیبہ میں مفصل موجود ہے۔ مدینہ اور مکہ کے لیے مروان بن حکم کو لکھا گیا۔ جس کے واقعات بھی تاریخوں کی کتابوں میں درج ہیں۔

اصحاب واصحاب زادگان، بزرگانِ دین، سردارانِ حجاز، شرفائے مکہ و مدینہ نے جس زور شور سے مخالفت فرمائی۔ مفصل تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر کے مکالموں اور تقریروں کو دیکھو جو خود امیر معاویہ اور مروان ابن الحکم سے ہوئی ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر اور حضرت امام حسینؑ وعبداللہ ابن عباس وغیرہ وغیرہ مقدس وبزرگ ہستیوں کے جوابات کو دیکھو جو تاریخ طبری۔ تاریخ کامل ابن قتیبہ، نصائح کافیہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

خود بنی امیہ کے ارکان دولت حضرت امیر معاویہ کے دست و بازو زیاد، مروان، سعید ابن عثمان وغیرہ بھی یزید کو خلافت کے ناقابل ونااہل بتلاتے ہیں۔ اور امیر معاویہ کی اس تجویز کی مخالفت کرتے ہیں اور روکتے ہیں کہ ایسامت کرو زیاد بصرہ سے لکھتا ہے کہ خلافت وحکومت اسلام اور اس کی ضمانت ایک بہت عظیم اور بزرگ کام ہے۔ یزید کاہل وسست، شکار کا دلدادہ کھلنڈرا لڑکا ہے۔ وہ ہرگز اس کا اہل نہیں (تاریخ طبری صہ ۱۶۹ تاریخ کامل صہ ۲۵۳) مروان بن الحکم بھی یزید کی بیعت کو ٹھنڈے دل سے قبول نہیں کرتے۔ علامہ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ مروان مدینہ کا حاکم اور گورنر تھا۔ امیر معاویہ نے ان کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولیعہد بنا لیا ہے اور اس کے لیے ولیعہدی کی بیعت

لی جا چکی ہے۔ تم خود بھی یزید سے بیعت کرو اور ہماری طرف سے وہاں یزید کے لیے مدینہ میں لوگوں سے بیعت لو۔ مروان نے جب امیر معاویہ کا یہ حکم پڑھا تو غصہ سے برافروختہ ہو کر گھر میں گئے۔ گھر والوں اور اپنے ماموں زاد قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر بھی اپنی اس ناراضی اور رنج و غضب کا اظہار کیا اور اسی غصہ میں دمشق کو امیر معاویہ سے خود بات چیت کرنے کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچکر امیر معاویہ سے ملے۔ اس انداز سے چلتے تھے جس طرح دو برابر کے ہم پلہ عزیز رشتہ دار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ سے بعد سلام علیک غصہ سے بھرے ہوئے تیز و تند طولانی تقریریں کیں اور خوب امیر معاویہ کو لتاڑا اور کہا اے ابوسفیان کے بیٹے اہم معاملات کو درست کر یہ کیا کر رہا ہے۔ چھوکروں کو امیر اور سردار بناتا ہے، اس ارادے سے باز آ۔ یاد رکھ تیری قوم میں تیرے جیسے اور بھی موجود ہیں اور جو تیرے مشوروں میں اور تیرے کاموں میں تیرے وزیر و مددگار ہیں (امیر معاویہ سیاسی چال چلتے ہیں اور مروان کو ٹھنڈا کرنے کا ڈوز دیتے ہیں) فرماتے ہیں، اے مروان خفا نہ ہو، تم بے شک امیر المومنین کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کی پشت و پناہ اور مددگار ہو۔ پس یزید کے بعد تم کو ہی یزید کا ولیعہد ہم نے قرار دیا ہے اور مروان کو یزید کا ولیعہد قرار دیا۔ اس طرح مروان کو ٹھنڈا کر کے زبانی وعدہ دے کر مدینہ کو واپس کر دیا کہ بس یزید کے بعد تم ولیعہد ہو۔ اس طرف مروان مدینہ پہنچا ہے۔ ساتھ ہی حکومت مدینہ سے معزولی و موقوفی کا پروانہ بھی پہنچ گیا اور بجائے مروان اپنے حقیقی بھتیجے ابوسفیان کے پوتے ولید کو حاکم مدینہ بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس طرح مروان کی ولیعہدی کا وعدہ پورا فرمایا گیا۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۵۲ و ۵۳۔ ابن قتیبہ نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو الامامۃ والسیاسۃ جلد اول صفحہ ۲۷۵ تا ۲۷۹۔

حضرت عثمان کے بیٹے سعید ابن عثمان بھی یزید کی بیعت و خلافت پر بہت بگڑے تھے اور امیر معاویہ سے

لڑتے جھگڑتے ہیں اور اپنے حقوق جتاتے اور یزید کو نا اہل و نا قابل بتاتے ہیں۔ ان کو بھی خراسان کی سپہ سالاری اور خلعتِ سرفرازی دے کر رضا مند کر لیا جاتا ہے۔ تاریخ کامل، تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۱۔ اور امامۃ و السیاسۃ صفحہ ۱۳۰۔ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۷۸۔ پس امیر معاویہ کی خلافت و حکومت کا یہ سچا آئینہ اور اصلی نقشہ ہے کہ جس کو جائز خلافتِ اسلامی، سلطنتِ محمدی اور مسلمانوں کی بادشاہت و امارت کہا جاتا ہے اور یہی وہ خلافتِ اسلامی اور سلطنتِ محمدی ہے کہ جو اس طرح ظلم و جور سے حاصل کر کے امیر معاویہ کی جائیداد و ملک و ترکہ و ورثہ قرار پا کر بعد امیر معاویہ ان کے لائق و فائق رنگیلے صاحبزادے یزید کو پہنچ جاتی ہے اور یزید مسلمانوں کے جائز، خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین قرار پا جاتے ہیں اور آئندہ خاندان بنی امیہ کے رنگیلے عیش پرست شہزادوں کے لیے مخصوص کر دی جاتی ہے۔ اور نیز اس اجماع و اتفاقِ امت کی بھی یہی وہ سچی تصویر ہے کہ جس کی بنیاد پر یزید کو خلافتِ اسلامی کا حقدار اور اہل پکارا جاتا ہے۔ اور اسی اتفاق و اجماع کی بنیاد پر حسینؑ فرزندِ رسولؐ کے لیے معاذ اللہ یزید فاسق و فاجر، ظالم و جابر، مخربِ دینِ اسلام کی بیعت و اطاعت کو واجب و فرض بتایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ گر ہمیں مکتب است و ایں ملّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد۔ ابکی علی الاسلام ان کان باکیؐ۔ پس کیوں نہ رویا جائے اس اسلام پر اور اس خلافت پر جس کے خلیفہ اور امیر یزید جیسے سیاہ کار، بے دین مخربِ اسلام لوگ ہوں۔

بلا شک خلافتِ رسولؐ اور اسلامِ الٰہی کے لیے یہ زمانہ ایسا سخت و شدید مصیبت کا زمانہ تھا کہ جس کی نظیر کسی آئندہ زمانہ میں نظر نہیں آتی +

امیر معاویہ اور یزید کے زمانہ میں
حقیقی اسلام کی کیا حالت تھی؟

کتب تاریخ وحدیث کی ورق گردانی سے کھلم کھلا نظر آتا ہے کہ خلافتِ رسولؐ کے پردے میں اسلام کے نورانی احکام اور دین محمدی کے روحانی خیر و برکت کے قانون کیونکر ملیا میٹ ہو رہے تھے۔ بنی امیہ کے ظلم و جور اور استبدادی حکومت کی آندھیاں کس زور شور سے چل رہی تھیں۔ اس زمانہ کے واقعات تاریخی حالات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ بلادِ اسلامی میں ام الخبائث شراب نابکار کا عام رواج ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ مکہ و مدینہ میں بھی جو اسلام کا گھر ہیں اور جہاں سے ہدایتِ محمدی کے چشمے ابلتے تھے اور جہاں حرمتِ شراب کا حکم ہونے پر سینکڑوں شراب کے بھرے بھرے مٹکے اور گھڑے ایک دم توڑ دیئے گئے تھے۔ ان مقدس مقامات میں بھی گانے بجانے اور عام شراب نوشی و لہو و لعب کا عام رواج ہو گیا تھا۔ یزید کے فسق و فجور اور بداعمالیاں اس کے مصاحبوں، عاملوں اور حاکموں میں بھی پھیل گئی تھیں۔ علامہ مسعودی مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۶۸ میں لکھتے ہیں۔ غلب علی اصحاب یزید وعمالہ ما کان یفعلہ من الفسوق وفی ایامہ ظہر الغناء بمکۃ والمدینۃ واستعملت الملاھی واظہر الناس شرب الشراب یعنی یزید کے فسق و فجور کے اعمال اس کے اصحاب و عمال پر بھی غالب آ گئے تھے اور اس زمانہ میں ظاہر بظاہر گانے بجانے، شراب نوشی اور لہو و لعب کا لوگوں میں عام رواج ہو گیا تھا (تنزیل الابرار علامہ بدخشی صفحہ ۹۵) یزید شہزادگی کے زمانہ میں باپ کی ہدایت پر اہل مکہ و مدینہ کو اپنی قابلیت اور لیاقت دکھلانے کے لیے حج کو آتے ہیں اور مدینۂ رسولؐ میں پہنچ کر مصاحبوں کے جھمگٹے میں شراب کا دور چلتا ہے۔ سچ ہے۔ چو کفر از کعبہ برخیزد

کیا ماند مسلمانی (تاریخ کامل جلد ۴ ص۶۳) خلیفہ کا بیٹا، خلیفہ کا ولیعہد آئندہ امیرالمومنین ہونے والا جب شراب پیے اور پلائے تو پھر مصاحب اور حاشیہ نشین دولت کیوں نہ میئیں اور کیوں نہ رنگ کھیلیں۔ فی الحقیقت خلافت راشدہ کے بعد اسلام کے نورانی احکام اور دین محمدی کے قانونوں میں بڑی تیزی کے ساتھ تغیر و تبدل واقع ہو رہے تھے۔ بنی امیہ کی بدکاریاں اور ان کے ظلم و جور و فسق و فجور کی استبدادی آندھیاں اسلام کے روشن چہرہ پر پردے ڈال رہی تھیں۔ ذاتی اجتہادوں کی آڑ میں نماز و حج وغیرہ کے احکام فقہی اور ارکان دینی میں تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ نماز جمعہ قبل از جمعہ بدھ کے دن بھی پڑھی جا سکتی تھی اور پڑھی گئی۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص۵۲ دستر خوان خلافت پر خلاف شریعت محمدی سونے چاندی کے برتن چنے جاتے تھے۔ حکم شریعت بتانے والوں اور اس فعل سے روکنے والوں کو کہہ دیا جاتا تھا کہ ہمارے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نصائح کافیہ ص۹۶-۹۷۔

بانی اسلام سرکار ختمی مرتبت ارواحنا لہ الفدا کی توہین بھرے دربار خلافت میں کی جاتی تھی اور کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا (ابن تیمیہ کی صارم مسلول اور نصائح کافیہ ص۸۷) امیر شام کو رسول اللہ کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا اور کچھ پروا نہ کی جاتی تھی۔ نصائح کافیہ ص۹۴، طبری جلد ۶ ص۱۸۴) احکام خدا و فرمان رسولؐ کے برخلاف ازواج مطہرات نبوی کی ہتک حرمت کی جاتی تھی۔ حضرات امہات المومنین سے حیا سوز سلوک ہوتے تھے مگر افسوس مجرم کو کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔ مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق دہلوی ص۱۲۵ وغیرہ۔ غرض کہ کتب صحاح اور کنزالعمال و دراسات اللبیب وغیرہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام محمدی اور دین الٰہی کی کیا گت بن رہی تھی۔

کوئی شک نہیں کہ گو یزید نے خلیفہ شام کی ہی گود میں تربیت پائی تھی اور امیر شام کے ہی گہوارۂ خلافت میں ظلم و جور اور خونریزی کی استبدادی لوریاں اور

عیش پرستی و نفس پروری کے میٹھے نغمے سنے تھے مگر پھر سابقہ خلافت شام کا زمانہ یزید کے زمانے سے بہتر اور کھلم کھلا فسق و فجور اور کفر و زندقہ کا زمانہ نہ تھا۔ لیکن جب امیر معاویہ کے بعد حسب وصیت خلافت کے ولیعہد یزید ابن معاویہ تخت خلافت پر بیٹھ کر امیرالمومنین بنے تو اسلام محمدی کی کھلم کھلا بربادی و تباہی اور مٹ جانے کا وقت آ گیا۔ خلاف شریعت افعال و کردار کے علانیہ رواج پانے اور مسلمانوں میں انتہائی مخرب اخلاق، مہلک دین و ایمان اعمال کے ظاہر لیے ہر بلا خوف و خطر پھیلنے کا زمانہ پہنچ گیا۔ اسلام روحانی، احکام نبوی اور شریعت الٰہی پر یزید کی عیش پرستی و نفس پروری اور کفر و زندقہ کے پردے پڑنے لگے۔ جبر و تشدد اور ظلم و جور کی گرمیٔ بازار درجۂ کمال کو پہنچ گئی۔ یعنی بزرگان دین و ملت احکام قرآنی اور حقیقی شریعت اسلامی کے سچے پیرو حضرات پر اور ان مقدس ہستیوں پر جو بلاشبہ شبیہ اسلام اور روح نبوی تھے یزید جیسے انسان صورت و شیطان سیرت کو امیرالمومنین و خلیفۃ المسلمین تسلیم و قبول کر لینے کے لیے اور بجبر اس کی بیعت و اطاعت میں داخل ہونے کے لیے جبر و تشدد اور انتہائی سختیاں ہونے لگیں۔ قتل یا بیعت کا سوال پیش ہو گیا۔ اسلام میں رخنے اور دین محمدی میں تبدیلیاں ہونے لگیں اور سچے اسلام محمدی پر وہ مصیبت کا وقت آ گیا جس کی خبریں بانیٔ اسلام مخبر صادق آنحضرت نے فرمائی تھیں۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد۔ اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ پس حسینؑ اس قربانی کے لیے کھڑے ہو گئے اور بقول مولانا شہید انصاری محض خلافت کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کے تحفظ کے لیے ان شدائد و مظالم کو انگیز کر لیا جو حسینؑ پر یزید و لشکر یزید کے ہاتھوں سے گزرے۔

تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۱۶، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۶ میں ہے کہ جب امیر معاویہ کے بعد یزید تخت خلافت پر بیٹھا تو فوراً ہی سب سے پہلے حاکم مدینہ

ولید بن عتبہ کو فرمان شاہی کے ذریعہ امیر معاویہ کی رحلت کی اطلاع دی گئی اور نہایت تاکید سے لکھا گیا کہ حسینؑ ابن علیؑ، عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عمر سے یزید کے لیے فوراً بیعت و اطاعت کا اقرار لیا جائے اور اس کے لیے سختی سے گرفت کی جائے۔ بلا بیعت لیے ہرگز نہ چھوڑا جائے کتاباً آخر صغیراً فیہ اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ ابن زبیر و ابن عمر بالبیعت اخذ الیس فیہ رخصت حتیٰ یبایعوا یعنی ایک چھوٹا فرمان بھی بھیجا گیا۔ جس میں لکھا گیا تھا کہ اما بعد حسینؑ اور عبداللہ ابن زبیر اور ابن عمر کو بیعت کے لیے پکڑو اور ایسی سختی سے پکڑو کہ جب تک بیعت نہ کر لیں نہ چھوڑے جائیں اور بروایت ابومخنف حسینؑ کے متعلق صاف الفاظ یہ حکم تھا کہ حسینؑ یا بیعت کریں یا قتل ہو جائیں اور ولید اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کی سزا میں حکومت مدینہ سے معزول کیا گیا (تاریخ کامل، تاریخ طبری وغیرہ)

پس یہ اسی حسین فرزند رسولؐ جگر گوشہ بتول اپنے زمانہ کے جانشین رسول کی ہی سب سے پہلی مبارک آواز صدائے احتجاج ہے جو بنی امیہ کے انتہائی مظالم اور یزید کی فاسقانہ و ظالمانہ حکومت و خلافت کے مقابلہ میں (جو بلاشک خلاف احکام الٰہی اور اسلام محمدی تھی) حسینؑ کے کٹے ہوئے سر خون آلود گلے اور ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جن کو حسینؑ کے نانا رسول الٰہی اسی لیے بوسے دیتے اور مثل رطب چوستے تھے بلند ہوئی اور فضائے اسلام میں گونجی، سوتوں کو جگایا، ہدایت کا راستہ بتایا، مسلمانوں میں حریت اسلامی اور اخلاقی جرأت کی روح پھونکی۔ مکہ نے کروٹ بدلی۔ مدینہ نے آنکھیں کھولیں، بنی امیہ کے ظلم و تشدد اور یزید کی بے دینی اور فسق و فجور کے پردے اٹھ گئے۔ اسلام محمدی کا نورانی چہرہ یزید و بنی امیہ کے فسق و فجور اور کفر و زندقہ کے سیاہ دھبوں سے پاک و صاف ہو کر علیحدہ نظر آنے لگا۔ کوئی شک نہیں اگر حسینؑ یزید کی بیعت و اطاعت سے انکار نہ فرماتے اس کو خلافت محمدی اور اسلام الٰہی کی حکومت

و امارت کے نا قابل ظاہر فرما کر ایسا سخت احتجاج نہ فرماتے، سر نہ کٹاتے، شہید نہ ہوتے۔ قربانگاہ اسلام پر اپنی قربانی نہ چڑھاتے تو آج اسلام وہ اسلام نہ کہلاتا جو رسولِ عربی لے کر آئے تھے۔ یقیناً بنی امیہ کے تمام فسق و فجور یزید کی جملہ بداعمالیاں، شراب نوشیاں ماں بہنوں بیٹیوں سے زنا کاریاں، عیش پرستیاں، مخربِ اخلاق اور قابلِ شرم و حیاسوز بدکاریاں اسلام میں مذہباً مباح اور جائز سمجھی جاتیں۔ امیر المومنین خلیفہ رسول امیر اسلام کا ہر فعل سنت سمجھا جاتا اور اور یہ سچا اسلام دینِ محمدی جو بلا شک و شبہ بہترین دین ہے کفر سے بدتر نظر آتا۔ پس کیا حسینؑ کا اسلام اور مسلمانوں پر یہ احسانِ عظیم نہیں ہے؟ کیا تاریخیں اور واقعات اس کے شاہد نہیں ہیں۔ کیا حسینؑ نے یزید کی ظالمانہ وجابرانہ اور عیش پرستی ونفس پروری کی حکومت وخلافت سے علیحدہ ہو کر اور اس کی اطاعت و بیعت سے انکار فرما کر دنیا کو نہیں بتا دیا اور سمجھا دیا کہ ظلم و جور کی جابرانہ حکومتیں عیش پرستی و دنیا داری کی سلطنتیں اور دنیوی بادشاہتیں اسلامی کہلاتی ہوں یا غیر اسلامی کبھی دیانتی حکومت وخلافت اور سچی محمدی و اسلامی سلطنت نہیں کہی جا سکتی اور ایسے خلیفوں بادشاہوں کے افعالِ شنیعہ اور اعمالِ بد شریعتِ اسلامی اور دینِ محمدی کے ہرگز موافق و مطابق نہیں ہیں اور مسلمانوں کے لیے ان کی تقلید و پیروی کبھی جائز و مباح نہیں ہے۔ اور کیا یہ حسینؑ کے سچے اسلام محمدی پر شہید و قربان ہو جانے اور بیعت و اطاعت یزید میں داخل ہونے سے انکار کرنے کا ہی نتیجہ نہیں ہے؟ کہ حسینؑ کی شہادت کے بعد سے ہی بس یزید کی خلافت کے متعلق یہ کہا جانے اور سمجھا جانے لگا کہ یزید اور دوسرے بادشاہ اور خلفاء اسلامی ظالم و جابر نااہل و نا قابل محض دنیوی فرمانروائی اور بادشاہوں کے معنی میں خلیفہ ہیں۔ خلافت محمدی، دیانتی سلطنت، الٰہی حکومت اور چیز ہے اور یہ دنیوی سلطنتیں، سیاسی بادشاہتیں اور چیز ہیں۔ یقیناً اگر حسین بیعت و اطاعت یزید سے انکار نہ فرماتے

شہید نہ ہو جاتے اور اس طرح سر دیکر خون میں نہا کر خلافت محمدی کی روحانی عظمت اور اس کی اصلی شان کا تحفظ نہ فرماتے۔ یزید کی بدکاریوں اور بداعمالیوں کو الم نشرح نہ فرماتے تو بلاشک بادشاہت اور خلافت میں تمیز و فرق ہرگز نہ کیا جا سکتا۔ اور واقعی اگر یہ نفس پرست دشمنانِ اسلام بنی امیہ شہنشاہِ اسلام تاجدارِ رسالت کے اصلی و حقیقی رسولِ الٰہیؐ کے قابل و اہل سچے جانشینوں سے جو اپنی ذاتی قابلیت و اہلیت اور علم و عمل اور سیرت کی وجہ سے مجسمۂ اسلام اور سیرتِ محمدی کا سچا نمونہ تھے۔ مخالفت نہ کرتے۔ لڑائیاں نہ لڑتے اور اپنی ظالمانہ و جابرانہ فساد انگیز سازشوں سے اس خلافت اسلامی اور سلطنتِ محمدی کو جسے بانی اسلام نے زمین و آسمان کے مالک خدائے لاشریک کی مرضی و منشاء کے مطابق دین و دنیا کی بہبودی و فلاح کے لیے اصول اسلامی اور قانون الٰہی پر قائم فرمایا تھا نہ چھین بیٹھتے اور سچے دل سے ان حقیقی وارثان خلافت قابل و اہل جانشینان رسولؐ کی فرماں برداری و اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دیتے، یزید بے دین فاسق و فاجر شیطان طینت فرعون سیرت خلیفۂ رسول اور امیرالمومنین نہ بنایا جاتا بلکہ حسینؑ فرزندِ رسولؐ اپنے زمانہ کا سچا جانشین نبیؐ، اسوۂ رسولؐ کا کامل مجسمہ سیرتِ محمدی کا کامل آئینہ سلطنتِ محمدیہ اور حکومتِ اسلامی کے تخت پر جلوہ نگن ہوتا تو یقیناً دنیا اس سلطنت محمدی اور حکومت رسولِ عربیؐ کا مکمل نمونہ اور اس سچی اسلامی بادشاہت کی وہ کامل تصویر دیکھ لیتی جو زمانۂ رسالت میں نظر آتی تھی۔

بے شک بانی اسلام ارواحنا لہ الفداء جس طرح سلطان دین پرور ہیں اسی طرح دنیوی امور میں بھی شہنشاہِ رحم گستر ہیں رسول الٰہیؐ صرف دینی و روحانی امور کی ہی اصلاح و درستی کے لیے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ دنیوی اور معاشرتی و تمدنی معاملات کی اصلاح و درستی بھی حکم الٰہی و منشاء خداوندی کے مطابق ویسی ہی ضروری اور لازمی تھی جس طرح دینی اور روحانی امور کی اصلاح ضروری تھی یہ محمدؐ کی سلطنت یہ اسلامی حکومت بلاشک دین و دنیا دونوں کی حقیقی اور سچی بادشاہت

ہے۔ اصولِ اسلامی کے ماتحت قانونِ محمدی کے مطابق نہ دین دنیا سے علیحدہ ہے نہ دنیا دین سے جدا ہے جو دنیا قانونِ الٰہی اور حدود شریعتِ محمدی کے ماتحت ہے وہ بلا شک عین دین ہے۔ بس یہی محمدؐ کی سلطنت ہے۔ یہی خلافتِ رسولؐ ہے۔ اسی سلطنت و بادشاہت کو شہنشاہِ اسلام نے دین و دنیا کی ترقی و بہبود و فلاح کے لیے قائم فرمایا تھا کہ جس کو ان ظالم بنی امیہ نے اپنی ہوا و ہوس، عیش پرستی و نفس پروری کے لیے تباہ و برباد کر دیا۔ ان عیش کوش، دنیا پرست، نفس پرور، ظالم و جابر نااہل و ناقابل خلیفوں فرمانرواؤں کی خلافت و حکومت کو جائز و مباح اور بر سرِ حق ظاہر کرنے کے لیے جس حدیث شریف کو بطور حجت و دلیل پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ نبوتی خلافت ۳۰ سال تک ہے اس کے بعد پھر بادشاہت ہے، بس وہ بھی اگر بنظرِ انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو ہمارے اس بیان کے ہرگز منافی و مخالف نہیں ہے اور دنیا پرست ظالم و غاصب خلیفوں کی خلافت و حکومت اور سلطنت کے مباح و جائز قابل اطاعت اسلامی سلطنت اور حکومت محمدیہ کہلانے کے لیے کسی طرح دلیل و حجت نہیں قرار پا سکتی۔ اس مخبر صادق عالم کان و مایکون نے بطور پیشنگوئی اس زمانہ کی خبر دی ہے کہ ہمارے بعد ۳۰ سال تک تو ایسا زمانہ ہوگا جو بظاہر شریعتِ محمدی اور قانونِ اسلامی پہ چلنے اور قائم رہنے کا زمانہ ہوگا اور جس کو خلافت نبوتی اور سلطنت محمدی حکومتِ اسلامی کہا جا سکتا ہے مگر اس کے بعد (یعنی حضرت علیؑ کی شہادت پانے اور امام حسنؑ کے مجبور ہو کر ظاہری خلافت کو چھوڑ دینے کے بعد) دنیا پرست خلیفوں کی بادشاہت و فرماں روائی کا زمانہ آجائے گا یعنی ظالم و جابر ہوا و ہوس کے بندے، ناقابل و نااہل لوگ، دنیوی لالچ اور دولت و حکومت کی حرص میں اہلِ حق سے بر سرِ جنگ و فساد ہوں گے۔ فتنے اٹھائیں گے اور ہماری سچی خلافت حقیقی اسلامی سلطنت اور محمدی بادشاہت کو بظاہر اہلِ حق سے چھین کر

خود خلیفہ و بادشاہ بن جائیں گے اور ہماری اس اسلامی سلطنت اسکے احکام اور ہماری سنت و طریق میں کھلم کھلا تبدیلیاں کریں گے۔ اسلام میں رخنے ڈالیں گے اور ہماری اس دین و دنیا کی نورانی سلطنت کو اور حق و عدالت کی بے مثال بادشاہت اور حریت و مساوات اسلامی کی بے نظیر سلطنت کو مٹا دیں گے اور اس طرح خلافت نبوّتی ختم ہو جائے گی اور خلفائے جور بادشاہانِ ظلم کی بادشاہت و فرماں روائی کی حکومت مسلمانوں پر ہو جائے گی۔ پس کسی طرح یہ حدیث بھی ان خلیفہ نما فرماں رواوں کی حکومت و بادشاہت کے جائز و مباح قابل اطاعت ہونے کے لیے ہرگز ہرگز دلیل اور حجت نہیں ہو سکتی۔

بلاشک تاجدارِ رسالت شہنشاہِ اسلام خیرِ مجسّم ہادیٔ کامل نے کبھی کسی فاسق و فاجر ظالم و جابر خلافِ شریعتِ محمدی کھلم کھلا خلافِ احکام و قانونِ الہیٰ عمل کرنے والے کی اطاعت و فرماں برداری کو جائز و برسرِ حق نہیں فرمایا اور نہ کبھی ایسے شخص کو مسلمانوں کی جماعت کا امیر و سردار بنایا۔ تاریخ و سیر کی کتابوں کو دیکھا جائے، سیرتِ نبیؐ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس بادشاہِ دین و دنیا نے اپنے عہدِ مبارک میں کبھی بھی ایک ایسے شخص کو جو علی الاعلان کھلم کھلا فسق و فجور، ظلم و تعدّی، زنا کاری و شراب خواری کا مرتکب و عادی اور تارک الصلوٰۃ ہو کہیں بھی کسی موقع پر بھی جماعتِ مسلمین کا سردار اور حاکم مقرر نہیں فرمایا بلکہ زمانہ مابعد میں جھوٹے ظالم امراء و خلفاء حکام جور و ظلم کے ہونے کی خبریں بطور پیشینگوئی فرماتے ہیں اُن سے بچنے کی ہدایت اور ان کے شریک و معین ہونے پر وعید فرماتے اور ان ظالموں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴۔ آنحضرت حذیفہ صحابی سے جو صاحب سِرّ تھے ارشاد فرماتے ہیں۔ میرے بعد انسان صورت شیطان سیرت لوگ اسلام پر فرماں روا ہوں گے اور میرے دین میں خرابی ڈال کر

لوگوں کو الٹی چال چلائیں گے۔ اے حذیفہ ان کی اطاعت اختیار نہ کرنا اور وہ جو ظلم کریں برداشت کرنا۔

صحیح ترمذی جلد۲ ص۳۹۔ حضرت ابوبکر خلیفۂ اول فرماتے ہیں ایھا الناس انکم تقرؤن ھذہ الایۃ۔ یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم وانی سمعت رسول اللہ یقول ان الناس اذا راوا الظالم فلم یاخذو علی ایدیہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقاب منہ (ایضاً مسند امام احمد حنبل ص۱) حضرت ابوبکر فرماتے ہیں۔ ایہا الناس کیا تم نے اس آیۂ مجیدہ کلام الٰہی کو پڑھا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ یعنی اے مومنو تم اپنے نفسوں کو بچاؤ، تمہارے اوپر واجب و لازم ہے کہ کوئی گمراہ شخص تم کو ہدایت پانے کے بعد کوئی ضرر نہ پہنچائے اور میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آنحضرتؐ ارشاد فرماتے تھے کہ جب لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اس سے کوئی مواخذہ نہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ خدا ان پر اس وجہ سے عذاب نازل فرمائے گا۔

پھر دوسری حدیث شریف صحیح ترمذی جلد۲ ص۳۹۔ حذیفہ یمانی بیان کرتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا، قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنا تم لوگوں کو لازم اور واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کروگے تو ضرور خدا تم کو عذاب میں گرفتار کرے گا اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

مشکوٰۃ شریف ص۳۱۵ حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے۔ تعوذوا من راس السبعین وامارۃ الصبیان (ای من حکومۃ الصغار الجہال کیزید بن معاویہ واولاد حکم بن مروان وامثالھم) یعنی پناہ مانگو خدا سے جب لڑکے امیر اور حاکم بن جائیں اور سن ستر سے پہلے آنے والے

فتنوں سے۔ صاحب مشکوٰۃ اس امارۃ الصبیان کی تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے یزید ابن معاویہ اور بنی مروان وغیرہ کی حکومتیں مراد ہیں۔

صحیح بخاری شرح علامہ احمد قسطلانی جلد۱۰ ص۲۹ باب قول النبی ھلک امتی علیٰ ید ے اغیلمۃ یعنی باب ذکر قول رسولؐ میری امت کی ہلاکت لونڈوں کے ہاتھ پر ہے۔ (عمر بن یحییٰ سعید بن عمرو) راوی بیان کرتا ہے کہ میرے دادا نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم مدینہ میں مسجد رسولؐ کے اندر ابوہریرہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مروان بن الحکم جو بعد میں خلیفہ ہوا وہ بھی ہمارے پاس بیٹھا تھا کہ ابوہریرہ نے کہا، میں نے سنا ہے صادق (فی نفسہٖ) المصدوق (عنداللہ) سے یعنی آنحضرتؐ جو بذاتہ سچے ہیں اور خدا نے ان کی صداقت کی تصدیق فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے ایک لونڈے کے ہاتھ سے ہوگی۔ ھلکۃ امّتی علی ید ے غلمۃ من قریش (امام احمد حنبل اور نسائی نے جو سماک اور ابی ظالم سے روایت کی ہے اس میں یہ ہے کہ ابوہریرہ نے کہا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میری امت میں فساد ایک سفیہ بیوقوف لونڈے کے ہاتھ سے ہوگا۔ یہ حدیث ان دونوں بیانوں کے مطابق ہے اور ابن شیبہ نے ایک دوسرے طریق پر ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ اعوذ باللہ من امارۃ الصبیان پناہ مانگتا ہوں میں اس وقت سے جب بچے اور لڑکے حاکم اور امیر ہوں گے اور فرمایا، اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو تم اپنے دین میں ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر ان کی نافرمانی کروگے یعنی ان کی اطاعت نہ کروگے تو وہ تم کو تمھاری دنیا کی طرف سے ہلاک کر دیں گے، تمھاری جان لیں گے یا تمھارا مال لوٹ لیں گے یا دونوں طرح یعنی جان و مال غارت کر دیں گے اور ابن ابی شیبہ (علمائے

جلیل القدر اہل سنت) نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ بازاروں میں چل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خدایا سن ساٹھ ہجری تک اور اس وقت جبکہ چھوکرے لونڈے امیر ہوں زندہ نہ رکھ۔ خدا نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا۔ اور ابو ہریرہ اس سال سن ساٹھ سے پہلے وفات پا گئے۔ فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ ابو ہریرہ نے اس میں اشارہ فرمایا ہے اس پہلے نوجوان لونڈے کی طرف جو سن ساٹھ میں امیر و حاکم ہوا۔ وہ یہ کہ یزید معاویہ کا بیٹا اسی سن ساٹھ ہجری میں خلیفہ بنا اور سن چونسٹھ تک خلافت پر باقی رہا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید خلیفہ ہوا جو کچھ مہینوں کے بعد مر گیا۔

مروان نے کہا، لعنت خدا کی ان لونڈوں پر۔ ابو ہریرہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو بیان کر دوں وہ کون کس کا بیٹا ہے (ابو ہریرہ ان امراء جور کے ناموں سے اور حالات سے واقف تھے۔ جان کے خوف سے کھلم کھلا نام نہیں لیتے تھے کنایتہً و اشارۃً ظاہر کرتے تھے) اس کے بعد علامہ قسطلانی نے یزید پر لعن کی بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ بعضہم اطلق اللعن علیہ لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین واتفقو علی جواز اللعن علی من قتلہ او امر بہ او اجازہ او رضی بہ والحق ان رضی یزید لقتل الحسین واھانۃ اھل البیت النبوی مما تواتر معناً فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ انتہی (قسطلانی شرح صحیح بخاری جلد ۱۰ صـ ۱۳۹ یعنی بعض علماء نے یزید پر لعنت کو جائز فرمایا ہے اس لیے کہ یزید قتل امام حسینؑ کا حکم دے کر کافر ہو گیا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا جس نے قتل حسینؑ کا حکم دیا یا جس نے قتل حسینؑ کی اجازت دی یا قتل حسینؑ پر راضی ہوا

وہ سب بالاتفاق مستحقِ لعنت ہیں اور یہ بالکل حق اور صحیح بر تواتر معنی ثابت ہے کہ یزید قتلِ حسینؑ اور اہلِ بیتِ نبوت و آلِ محمدؐ علیہم السلام کی اہانت پر خوش اور راضی تھا۔ پس ہم کو کچھ بھی تامل اور توقف شانِ یزید میں نہیں بلکہ اس کے ایمان کے متعلق بھی نہیں یعنی بلا شک وہ با ایمان نہ تھا اس پر لعنتِ خدا اور اس کے انصار و اعوان سب پر لعنت ہے۔

جناب علامہ شاہ عبدالحق دہلوی اپنی تصنیف جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ابوہریرہ میگفت خداوندا مرا از حوادث سن ستین ۶۰ھ و امارت صبیان نگاہدار و پیش از رسیدن آں وقت مرا از دنیا بردار اشارت بزمان دولت یزید بہ کرد کہ در سال ستین بر سریر شقاوت نشست و واقعہ حرہ ہم در زمان شقاوت نشان او وقوع پذیرفت (جذب القلوب قلمی ص۶۴) اور نیز صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۳۲ و وسیلۃ النجاۃ مولوی محمد مبین فرنگی محلی ص۲۹۱ و ص۲۹۲ مشکوٰۃ میں جو لفظ "راس السبعین" لکھا ہوا ہے وہ یقیناً" کاتب کا سہو ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری اور ان سب مستند علمائے جلیل القدر کی ان تصنیفات میں واضح طور پر مع یزید کے نام کے ستین کا لفظ وارد ہے۔ یہی وہ سن ساٹھ ہجری ہے کہ جس میں امیر معاویہ کے مر جانے پر ان کا بیٹا یزید جو نوجوان لڑکا تھا تختِ خلافت پر بیٹھا تھا جس کی خلافت اور امارت سے رسولِ الٰہی بانیٔ اسلام مسلمانوں کے لیے پناہ مانگتے ہیں اور اس کی خلافت و امارت کو دینِ اسلام کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کے قتل و غارت کا موجب فرماتے ہیں (مگر ابن تیمیہ صاحب اس کو حکمران صاحبِ سیف خود مختار فرماں روا اور خلیفہ اسلام اپنے وقت کا مفترض الطاعۃ سمجھتے اور اسکی بیعت و اطاعت کو جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری بتلاتے

ہیں۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ نیز آنحضرتؐ کے دو ارشاد حقیقت بنیاد اور بھی اس کے متعلق جامع ترمذی میں ثوبان سے اور مشکوٰۃ میں خود امیر معاویہ سے منقول ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔ ثوبان راوی بیان کرتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ انّما اخاف علی امتی ائمۃ مضلین وقال لاتزال طائفۃ من امتی علی الحق ظاھرین لا یضرھم من خذلھم حتّی یاتی امراللہ ھذا حدیث صحیح (ترمذی جلد ۲ ص۴۶) یعنی رسول اللہؐ نے کلمہ حصر انّما سے ارشاد فرمایا کہ بجز ایں نیست میں اپنی امت کے لیے گمراہ و ضال اماموں سے خائف ہوں اور نیز فرمایا کہ میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ کھلم کھلا حق پر قائم رہنے والا ہوگا۔ جو اُن کو چھوڑے گا وہ کوئی ان کو ضرر نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ امرِ الٰہی خود ظاہر ہو جائے گا یعنی کسی چھوڑ دینے والے اور ترکِ نصرت کرنے والے کے چھوڑنے اور مدد نہ کرنے سے ان کے حق پر ثباتِ قدم میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مشکوٰۃ ص۵۸۳ عن معاویہ قال سمعت النبی لا یزال من امتی امّۃ قائمۃ بامراللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امراللہ۔ معاویہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے رسول اللہؐ سے سنا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، میری امت میں ہمیشہ ایسا ایک گروہ ہوگا کہ جو امرِ الٰہی پر قائم رہے گا۔ کوئی ان سے علیحدہ ہونے والا، ان کو چھوڑ دینے والا یعنی ان کا شریک اور ساتھی نہ ہونے والا ان کو کوئی ضرر ان کے ثباتِ قدم میں نہیں پہنچا سکے گا۔ پس کیا یہ پہلا شخص حسینؑ اور اس کا ہی چھوٹا سا گروہ نہیں ہے؟ جو اظہارِ حق پر قائم و مستحکم رہا اور کسی چھوڑ دینے والے اور مخالفت کرنے والے کی غارت و قتل کی دھمکیوں سے نہ ڈرا۔ ثباتِ قدم اور استقلال کے بے مثال جوہر دکھلائے۔ بھوک پیاس

کی تکلیفیں اٹھائیں۔ سر کٹوا لئے مگر اظہارِ حق سے منہ نہ موڑا اور یزید کی بیعت و اطاعت کے لیے سر نہ جھکایا۔ نانا نے جو فرمایا تھا اسے پورا کر دکھایا حسینؑ اور حسینؑ کے اعوان و انصار کی تقریروں اور رجزوں کو میدانِ کربلا میں سنو۔ کس طرح بے خوف و ہراس اظہارِ حق فرماتے اور یزید کو فاسق و فاجر بے دین و کافر ناقابلِ خلافت و امارت فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسی صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵ پر ایک اور دوسری حدیثِ رسول قابلِ ملاحظہ ہے جو اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ کعب بن عجرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ تشریف لائے اور آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اسمعوا هل سمعتم انه سيكون بعدى امراء فمن دخل عليهم ولم يعنهم على ظلمهم ولم يصدقهم بكذبهم فهو منى وانا منه وهو وارد على الحوض هذا حديث صحيح۔ یعنی لوگو میری بات سنو کیا تم نے نہیں سنا بیشک میرے بعد کچھ ایسے امیر اور حاکم ہوں گے پس جو شخص ان کے پاس جائے گا ان کا شریک کار ہوگا۔ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا۔ ان کے ظلم میں ان کا معین و مددگار ہوگا۔ وہ شخص نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ میرے پاس قیامت کے روز حوضِ کوثر پر پہنچ سکے گا۔ یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے اور وہ شخص جو ان سے نہ ملے گا ان کا شریک و ساتھی نہ ہوگا نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا نہ ان کے ظلم میں ان کا مددگار ہوگا۔ بس بیشک وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

صحیح نسائی اور مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۴

پس وہ نفس قدسی، جانِ رسولؐ جس کی شان حسین منی و انا من الحسین ہو اور جس کی بابت خود رسولؐ نے تصدیق کی ہو کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور جس کی بابت فرمایا ہو، احب اللہ من احب حسینا "خدا دوست رکھتا ہے اس کو جو دوست رکھے حسینؑ کو" (صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۳ فصول المہمہ صباغ مالکی صفحہ ۱۷۱، مطالب السئول ابو طلحہ شافعی صفحہ ۲۴۲، صواعق محرقہ حجر مکی صفحہ ۱۱۴! امام احمد حنبل، طبقات ابن سعد، حافظ ابو نعیم علامہ ابن اثیر، اسد الغابہ، تذکرہ خواص الامہ وغیرہ)

پس وہ حسینؑ کیونکر یزید کے جھوٹے دعوائے خلافت کی تصدیق کر سکتا ہے اور کیونکر اس کے ظلم میں شریک و مددگار ہو سکتا ہے۔ پس ناظرین ذرا غور کے ساتھ انصاف سے کام لیں اور یزید کی شان پر نظر فرمائیں جو حضرت ابوہریرہ جیسے بزرگ مشہور صحابی کی زبان صحاح ستہ سے بیان ہوئے ہیں اور یزید کے صحیح حالات فسق و فجور اور کفر و زندقہ پر بھی نظر ڈالیں جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ حسینؑ کی مقدس سیرت میں اسوۂ رسولؐ کی مکمل تصویر کو دیکھ کر اس پر نظر ڈالیں کہ بزرگانِ دین و اصحابِ کبار خلفائے اعظم حسینؑ سے کیا سلوک فرماتے اور حسینؑ کی عظمت و منزلت کو کس طرح ظاہر فرماتے ہیں اور ابو ہریرہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہ بزرگ صحابی کس طرح حسینؑ کی مقدس ہستی کی عظمت و شان کا اظہار کرتے ہیں۔ تاریخ طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۹ کو دیکھو علی بن محمد۔ حماد بن سلمہ سے اور حماد ابی المہزم سے روایت کرتا ہے قال کنا مع ابی ھریرۃ فی جنازۃ فلما رجعنا اعیا الحسین علیہ السلام صعدۃ فجعل ابو ھریرہ ینفض التراب من قدمیہ ثبوبہ فقال الحسین انت یا ابا ھریرہ تفعل ھذا قال دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم

یعنی ہم حضرت ابوہریرہ کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ہم جب فارغ ہو کر واپس ہونے تو ابوہریرہ حسینؑ کے پاؤں کی مٹی اپنے کپڑے سے جھاڑنے لگے حسینؑ نے روکا اور فرمایا ہاں ہاں اے ابوہریرہ آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ ابوہریرہ نے عرض کی حسینؑ مجھے چھوڑ دیجیے اور اس سے نہ روکیے۔ اگر لوگ آپ کی اس قدر و منزلت کو جانیں جو میں جانتا ہوں تو البتہ آپ کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حسنؑ و حسینؑ کی رکاب تھامنا اپنا فخر جانتے ہیں۔ تاریخ ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۷۱۔

یزید کا سلوک ابوایوب انصاری صحابی کے ساتھ

یزید کے فسق و فجور کو چھپانے اور اسکو نیک و بھلا آدمی ثابت کرنے کے لیے ابن تیمیہ نے بہت کچھ کوشش کی ہے کسی جگہ اس کے فاسق و فاجر ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ حملۂ قسطنطنیہ والی حدیث کو بیان فرماکر اور ثبوت میں پیش کرکے یزید کو مغفرت اور جنت کا بھی سرٹیفیکیٹ دے دیا ہے اور حضرت ابوایوب انصاری جیسے بزرگ صحابیٔ رسولؐ کی لاش اور قبرِ مطہر سے جو سلوک یزید نے کیا اس کو قلم انداز فرما گئے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری کی قبر پر اس بدبخت نے گھوڑے دوڑائے اور قبر کو ملیا میٹ کیا اور یہ اصحابِ رسولؐ جو محاصرۂ قسطنطنیہ میں موجود تھے یزید کی سپہ سالاری سے سخت ناخوش اور ناراض تھے علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب استیعاب جلد ۲ ص ۶۳۸ پر لکھتے ہیں ان یزید امر بالخیل فجعلت تدبر و تصل علیٰ قبرہ حتی اخفی اثرہ۔" یزید نے سواروں کو حکم دیا قبر ابوایوب پر گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ نشانِ قبر مٹ گیا اور شاہ عبدالحق کتاب مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۶۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "چوں والی گردانید معاویہ یزید را بر جیش

قسطنطنیہ می گفت ابوایوب چہ شد مارا کہ امیر گردانیدہ شد بر ما جواناں و گفت گفتہ است خدائے عز وجل انفروخفافاً و ثقالاً، پس مریض شد دراں غزوہ" پھر شاہ صاحب ابوایوب کی وفات اور دفن کو لکھ کر تحریر کرتے ہیں کہ "امر کرد یزید کہ برانند اسپاں را بر قبر وے در آمدن و رفتن تا نماند اثرے از قبر وے ایں از جملہ خباثت و شنائع اعمال او بود کہ سابقہ عداوت داشت با وے"۔ یہ عہد شہزادگی اور ولیعہدی کے کارنامے ہیں۔ قسطنطنیہ پر فوج کشی سے جنت کا قبالہ اور مغفرت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ پس اب خود مختار خلیفہ بن کر مکہ کو ڈھانے اور مدینہ کو برباد کرنے سے کیونکر کافر ہو سکتے ہیں اور جہنم میں جا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں غرض حکیم یزید کے علانیہ فسق و فجور پر پردے ڈالنے کے لیے اگرچہ بہت کوشش کی ہے مگر اس کا فسق و فجور اور بدکاریاں ایسی نہیں کہ چھپ سکیں اور دنیا کو اس کا علم نہ ہو۔ اس نے اس کی خلافت و امامت کے جواز کے لیے نصب امام کے چند اصول بیان کر کے فاسق و فاجر شخص کے امام و خلیفہ بنانے کو مباح و جائز قرار دیا ہے اور بیعت و اطاعت یزید کو ضروری اور واجب ثابت کرنے کے لیے دفع مفاسد اور حفظ مصالح کا مقدمہ الفیہ قائم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اسی لیے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفاسد کو مٹائیں۔۔۔ (معلوم نہیں اس کے آگے کیا عبارت ہے اور کیوں ترک کر دی گئی ہے) یزید اور عبدالملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لیے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کے لیے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا۔ نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اخیار اور فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انھوں

نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ دنیوی نفع حاصل کیا۔ فقط

یزید کے متعلق شرفاء مکہ اور بزرگانِ دین کے خیالات :

ابنِ تیمیہ کے نزدیک بنی امیہ کے غدار خلیفوں کے ظلم و جور یزید کے علی الاعلان فسق و فجور، شراب و کباب محرماتِ شرعیہ سے زناکاری اور ناجائز نفسانی خواہشوں کے پورے کرنے کے افعال احکام اسلامی سے تخلف، نماز روزہ کا ترک، مفاسدِ اسلامی ہیں شمار نہیں ہو سکتے اور خلافت و امارت اسلام کے لیے مانع نہیں۔ بلاشک ابنِ تیمیہ کا یہ اجتہاد قابلِ داد ہے۔

بنی امیہ اور یزید کا یہ اسلام کیا حقیقی اسلام ہے؟ اور کیا ان کے یہ ظلم و جور فسق و فجور کے اعمال اسلام کے احکام ہیں؟ اور کیا اسی کی تائید و تکمیل میں اسلام کی خیر و صلاح اور دینِ محمدی کی حفاظت ہے اور ترقی اسلام ہے؛ کہ جس کے لیے یزید جیسے فاسق و فاجر کی خلافت کو قبول کرنا اور اس کی بیعت و اطاعت کو لازم و واجب اسلام کے لیے مفید و مصلحت آمیز بتایا گیا ہے۔

اس خیر مجسم خلقِ معظم، رسولِ الہیٰ کے احکام دینی خدا کے اصول، اسلام محمدی کی فلاح و بہبود نبی کریم کی احادیث و اقوال خدائے کریم کے کلام پاک اور قانونِ اسلام کو جیسا کچھ ابنِ تیمیہ نے سمجھا ہے نہ کسی اور عالم اسلام نے سمجھا اور نہ مکہ و مدینہ کے شرفاء اخیار و فضلا، بزرگانِ دین اور ان انصار و مہاجرین اصحاب و اصحاب زادگان نے سمجھا جو رسولِ الہیٰ کے قریب العہد تھے اور جنھوں نے یزید کے فسق و فجور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس کی بیعت و اطاعت سے انکار کیا یا اس کی بیعت سے خارج ہوئے اور علی الاعلان پکار اٹھے کہ ہم یزید کی بیعت و اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں نہیں ڈالیں گے۔ علامہ مسعودی

کی مروج الذہب اور علامہ ابن جریر طبری کی تاریخ طبری، علامہ ابن اثیر کی تاریخ کامل تاریخ الخلفاء۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہ مستند مورخین اور علمائے جلیل القدر کی تصانیف کو ملاحظہ فرمایا جائے اور یزید کے فسق و فجور اور بداعمالیوں کی تصویر پر نظر ڈالی جائے۔ "تاریخ کامل جلد ۴ ص۴۵ - فاظہروا شتم یزید۔

حضرت حنظلہ صحابی رسولؐ کے فرزند عبداللہ اور دوسرے عبداللہ ابن ابی عمرو جو ابن مغیرہ مخزومی کی اولاد سے ہیں اور منذر بن زبیر مع بہت سے اشراف مدینہ کے شام میں یزید سے ملنے جاتے ہیں۔ یزید کے انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے ہیں۔ رشوت اور روپے پیسے کی بوچھاڑ امیر معاویہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق کی جاتی ہے۔ دو لاکھ درہم نذرانہ عطا ہوتا ہے مگر جب مدینہ واپس ہوتے ہیں تو یزید کے حالات فسق و فجور کو ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ علی الاعلان یزید کے حالات فسق و فجور کو اور اس کی عطا اور بخشش کو بھی ظاہر کرتے ہیں اور بیعت یزید کا قلاوہ توڑ پھینکتے ہیں۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ فاعطی عبد اللہ بن حنظلہ وکان شریفاً فاضلاً عابداً سیداً مائۃ الف درہم وکان معہ ثمانیہ بنین فاعطی کل ولد عشرۃ الآف فلما رجعوا قدموا المدینۃ کلھم الا المنذر بن زبیر وکان یزید اجازہ بمائۃ الف فلما قدم اولئک النفر الوفد المدینہ قاموا فیھم فاظہروا شتم یزید وعیبہ وقالوا قدمنا من عند رجل لیس لہ دین یشرب الخمر ویضرب بالطنابیر ویعزف عندہ القیان ویلعب بالکلاب ویسمر عند الحراب وھم اللصوص وانا نشھدکم انا قد خلعناہ۔ یعنی عبداللہ بن حنظلہ کو جو فاضل

عابد سردار شریف مدینہ تھے یزید نے ان کو ایک لاکھ درہم عطا کیے اور ان کے ساتھ ان کے آٹھ بیٹے بھی تھے جن کو دس ہزار کا رخصتانہ دیا گیا یہ سب مدینہ کو واپس ہوئے مگر منذر ابن زبیر نہیں آئے ان کو بھی یزید نے ایک لاکھ درہم رخصتانہ میں دیے تھے۔ پس جب یہ لوگ مدینہ میں آئے تو انھوں نے کھڑے ہو کر یزید کی برائیاں اور عیوب ظاہر کیے اور کہا ہم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہیں جس کا نہ کوئی دین ہے نہ مذہب۔ شرابیں پیتا ہے۔ طنبورے بجاتا ہے۔ کتوں سے کھیلتا ہے۔ ناچ رنگ کی محفلوں کو گرم رکھتا ہے۔ راتوں کو چور اچکے بدمعاشوں کے مجمع میں جنگی افسانے اور کہانیاں ہوتی ہیں۔ تم لوگ گواہ رہو ہم نے اس کی بیعت کو توڑ دیا (کامل جلد ۴ صفحہ ۵۲ طبری جلد ۷ صفحہ ۴) پھر منذر ابن زبیر مدینہ پہنچ کر بیان کرتے ہیں۔ انہ قد اجازنی بمائۃ الف ولا یمنعنی ماصنع لی ان اخبرکم خبرہ واللہ انہ لیشرب الخمر واللہ انہ لیسکر حتی یدع الصلوٰۃ وعابہ بمثل عابہ بہ اصحابہ واشد کامل جلد ۴ صفحہ ۵۳ یعنی تحقیق اگرچہ یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم انعام دیا مگر یہ سلوک میرے ساتھ مجھے روک نہیں سکتا کہ میں حق بات نہ کہوں اور اس کی خبر تم کو نہ دوں۔ قسم ہے خدا کی وہ شراب پیتا ہے اور قسم ہے خدا کی یہاں تک پیتا ہے کہ نشہ میں سرشار ہو کر نماز چھوڑ دیتا ہے اور اسی طرح اس کے عیب بیان کیے۔ جس طرح اس کے رفیقوں نے ظاہر کیا تھا بلکہ اس سے زیادہ۔ کامل جلد ۴ صفحہ ۵۳۔

علامہ جلال الدین سیوطی بیان فرماتے ہیں کہ بزرگان مدینہ نے کہا واللہ ماخرجنا علی یزید حتی خفنا ان یرمی بالحجارۃ من السماء انہ رجل ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ یعنی قسم ہے خدا کی ہم نے اس وقت تک یزید پہ خروج نہیں کیا

اور اس کی بیعت کو نہیں توڑا۔ جب تک ہم کو یہ خوف نہیں ہوگیا کہ ہم پہ آسمان سے پتھر برسیں گے بلاشک یہ شخص یزید ایسا شخص ہے جو شراب پیتا ہے۔ ماں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح جائز جانتا ہے اور تارک نماز ہے۔" تاریخ الخلفاء صـ۲۰۸ - ۲۰۹ -

علامہ سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامہ میں لکھتے ہیں۔ وکان ابن حنظلہ یقول یا قوم واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی الحجارۃ من السماء ان رجل ینکح الامھات والبنات والاخوات و یشرب الخمر ویدع الصلوٰۃ ویقتل اولاد النبیین صـ۱۶۳ یعنی ابن حنظلہ کہا کرتے تھے۔ قسم خدا کی ہم نے یزید پہ اس وقت خروج کیا جب ہم کو یقین اور خوف اس بات کا ہوگیا کہ اب ہم پہ آسمان سے پتھر برسیں گے بتحقیق یزید ایسا شخص ہے جو ماں بہنوں بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ تارک الصلوٰۃ ہے اور اولاد انبیا کو قتل کرتا ہے۔ کذالک فی الصواعق المحرقہ۔

علامہ ابن حجر مکی بھی صواعق محرقہ صـ۱۳۲ پہ اسی طرح لکھتے ہیں۔ امام مسعودی جو علمائے متقدمین میں نہایت جلیل القدر فاضل اور محقق مورخ شمار ہوتے ہیں۔ وہ مروج الذہب جلد دوم میں یزید کے متعلق درج فرماتے ہیں۔ وکان یزید صاحب طرب و جوارح وکلاب وقرود وفہود ومنادمۃ علی الشراب وجلس ذات یوم علی شرابہ وعن یمینہ ابن زیاد وذلک بعد قتل الحسین فاقبل علی ساقیہ فقال اسقنی شربۃ تروی مشاشی ثم صل فاسق مثلھا ابن زیاد - صاحب السر والامانۃ غلامی - ولتسدید مغنمی وجہادی۔ ثم امر المغنین فغنوا وغلب علی اصحاب یزید وعمالہ ما کان یفعلہ من الفسوق وفی ایامہ ظہر الغناء بمکہ والمدینہ واستعملت الملاھی و

اظهر الناس شرب شراب۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صہ ۶۸ -
یعنی یزید بڑا عیش پسند رنگیلا شخص تھا۔ شکاری جانوروں، کتوں، بندروں
چیتوں میں مشغول رہتا تھا۔ شراب کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ حسینؑ کی شہادت کے
بعد کا واقعہ ہے کہ ایک روز مجلس شراب گرم تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا
ابن زیاد یزید کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ یزید ساقی کی طرف بڑھا اور یہ شعر پڑھے:۔
" ساقی مجھے شراب کا گھونٹ دے۔ میرے جگر کی آگ بجھا۔ پس
پیا سے جام دے اور ایسا ہی ابن زیاد کو بھی پلا جو میرا رازدار اور
امین ہے اور میری لوٹ مار اور جنگ و جدال کا درست کرنے
والا ہے۔ پھر گانے والیوں کو گانے کا حکم دیا گیا۔ انھوں نے گانا شروع
کیا۔ پس جو کچھ فسق و فجور وہ خود کیا کرتا تھا وہی اس کے اصحاب
اور عاملوں حاکموں میں بھی پھیل گئے تھے۔ اس کے زمانے میں علی الاعلان
مکہ مدینہ میں گانے بجانے کا رواج ہو گیا تھا۔ کھلم کھلا لوگ شرابیں
پیتے تھے (یزید کی اس مجلس شراب کا قصہ سبط ابن جوزی نے
بھی لکھا ہے۔ تذکرہ صہ ۱۶۴ جس کو آگے نقل کیا جائے گا)

۲- لما شمل الناس جور یزید وعمالہ وعمھم وما ظھر
من فسقہ من قتلہ ابن بنت رسول اللہ انصارہ وما
ظھر من شرب الخمر وسیرتہ سیرۃ فرعون بل کان
فرعون اعدل منہ فی رعیۃ وانصف منہ لخاصیۃ و
عامتہ اخرج اھل المدینہ عاملہ علیھم عثمان بن محمد
بن ابی سفیان ومروان بن الحکم وسائر بنی امیۃ
یعنی جب یزید اور اس کے عمال و حکام کا ظلم و جور لوگوں پر عام ہو گیا

اور فرزندِ رسولؐ نواسۂ نبیؐ اور ان کے انصار کو قتل کرنے سے اس کا فسق و فجور ظاہر ہو گیا اور شراب نوشی کا پردہ اٹھ گیا اور معلوم ہوا کہ اس کی سیرت فرعون کی سیرت ہے بلکہ فرعون سے بدتر کیونکہ فرعون عدل و انصاف میں اپنی رعیت خاص و عام کے ساتھ یزید سے کہیں بہتر تھا تو مدینہ والوں نے خروج کیا۔ اس کے عامل عثمان اور مروان اور تمام بنی امیہ کو مدینہ سے نکال دیا۔

یزید کا اہلِ مدینہ کو ڈرانا اور مدینہ کو لوٹنا:

۴۳۔ جب یزید کے حاکم نے مدینہ کی اطلاع یزید کو دی تو فسیر الیھم بالجیوش من اھل الشام علیھم مسلم بن عقبہ المری الذی اخاف المدینہ ونھبھا وقتل اھلھا وبایعہ اھلھا علیٰ انھم عبید وایزید وسماھا فتنۃ وقد سماھا رسول اللہ طیبہ وقال من اخاف المدینہ اخافہ اللہ فسمی مسلم ھذا العنہ اللہ بمجرم ومسرف مروج الذھب ص۶۸-۶۹

یعنی یزید نے مسلم بن عقبہ کو سردارِ لشکر بنا کر شامی فوجوں کو مدینہ پر چڑھایا۔ مسلم نے مدینہ والوں کو ڈرایا، مدینہ کو لوٹا، مدینہ والوں کو قتل کیا اور مدینہ والوں سے یزید کے لیے غلامی کی بیعت لی کہ سب یزید کے غلام ہیں اور وہ مدینہ جس کا نام رسول اللہؐ نے مدینہ طیبہ رکھا تھا اور فرمایا تھا کہ جو مدینہ والوں کو ڈرائے گا خدا اسکو ڈرائے گا۔ پس مسلم نے اس کا نام فتنہ رکھا۔ خدا کی لعنت ہو اس پر۔

یزید کی نجات نہیں: پھر ص۔ کو ملاحظہ کیا جائے۔ علامہ مسعودی تحریر

فرماتے ہیں۔ ولیزید وغیرہ اخبار عجیبۃ ومثالب کثیرۃ من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت ولسفک الدماء والفسق والفجور وغیر ذالک مما قد ورد فیہ الوعید بالیاس من غفرانہ کورودہ فیمن جحد توحیدہ وخالف رسلہ وقد اتینا علی الغرر من ذالک فیما سلف من کتبنا۔ فقط۔ مروج الذہب جلد ۲ صفحہ۔ یزید اور اس کے ساتھیوں کے عجیب عجیب حالات ان کے عیوب اور افعال قبیحہ بکثرت ہیں مثلاً شراب کا پینا۔ فرزند رسولؐ کا قتل کرنا۔ وصیٔ رسولؐ پر لعنت کرنا۔ خانہ کعبہ کو ڈھانا۔ مسلمانوں کا خون بہانا اور فسق و فجور وغیرہ۔ بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کے ارتکاب سے بخشش و مغفرت سے مایوسی وارد ہے۔ پس جس طرح خدا کی توحید سے انکار کرنے والا اور اس کے رسولوں نبیوں سے مخالفت کرنے والے کی نجات سے مایوسی ہے اسی طرح یزید کی بھی نجات سے مایوسی ہے۔

مناسب ہے کہ اب ابن تیمیہ علامہ مسعودی کو قسطنطنیہ والی حدیث یاد دلا دیں۔ یزید کو نام لے کر لعنت کرنے سے بچائیں اور یزید کی مغفرت کا سامان کریں اور امام حسن بصری سے بھی سفارش فرمائیں کیونکہ امام حسن بصری بھی یزید تو کیا ان کے باپ کی مغفرت سے بھی مایوس نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ اور تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۹۶۔ تاریخ کبیر طبری جلد ۶ صفحہ ۱۵۷۔ قال حسن البصری اربع خصال کن فی معاویہ لو لم تکن فیہ الا واحدۃ لکانت موبقتہ انتزاءہ علی ھذہ الامۃ بالسیف حتی اخذ الامر من غیر مشورۃ وفیہم بقایا الصحابہ ذو الفضیلۃ واستخلافہ بعدہ ابنہ سکیراً خمیراً یلبس الحریر ویضرب بالطنابیر وادعاءہ زیاداً وقد قال رسول اللہ الولد للفراش وللعاہر الحجر وقتلہ

حجراً واصحاب حجر فیا ویلاً لہٗ من حجر ثلاث قرات۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ایک بھی ہو تو عذاب دائمی کے لیے کافی ہے۔ اول انھوں نے اس امت پر تلوار کھینچی اور بغیر مشورہ خود خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ اس وقت ان سے بہتر اور افضل اصحاب رسولؐ موجود اور باقی تھے۔ دویم انھوں نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو جو سکیر وخمیر بھنگی، چرسی، شرابخوار اور نشہ باز تھا۔ خلاف حکم شرع محمدی ریشم پہنتا طنبورے بجاتا تھا مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا۔ تیسرے زیاد (ابن زیاد کے باپ) کو اپنا بھائی ابوسفیان کا بیٹا قرار دے دیا۔ حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بس بیٹا وہی ہے جو بیاہتا بی بی کے بطن سے ہو۔ زنا کار کی سزا سنگساری ہے۔ چوتھے حجر اور اصحاب حجر کا قتل کرنا ہے۔ پس تین دفعہ کہا کہ ذلیل ہو اس کے لیے حجر اور اصحاب حجر کی طرف سے۔

ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال لوگ ذرا ان مندرجہ بالا تحریرات علمائے جلیل القدر پر غور کریں۔ بنی امیہ اور یزید کے ان حالات کو ملاحظہ فرما کر پھر فرمائیں کہ کیا اصلی اور حقیقی اسلام یہی ہے جو بنی امیہ اور یزید کا اسلام تھا اور کیا ان کے بفسق و فجور، ظلم و جور کے افعال و اعمال اسلام کے احکام ہیں؛ کیا اسی کی تائید و تکمیل کے لیے رسول الٰہی کی بعثت ہوئی ہے اور اسی سے اسلام کی خیر و صلاح اور دین محمدی کی حفاظت ہے؛ اسی کے لیے یزید جیسے کھلم کھلا فاسق و فاجر اور علی الاعلان مخالف اسلام کی خلافت قبول کرنے اور اس کی بیعت غلامی میں داخل ہونے؛ اس کی اطاعت و فرماں برداری کو لازم و واجب اور امت محمدی کی بہبود و فلاح اور اسلام کے لیے مفید بتایا جاتا ہے۔

حسینؑ نے اسلام کو فنا ہونے سے بچالیا

بلاشک اسلام محمدی دین الٰہی، یزیدی اسلام سے کوسوں دور اور میلوں پرے ہے لبس یہ فرزند رسولؐ، بانی اسلام کے جگر گوشے بنت رسولؐ کے راج دلارے حسین مظلوم شہید کربلا ہی اپنے زمانہ میں وہ پہلا قدسی صفت انسان ہے کہ جس نے بقول جناب علامہ مولانا ابوالکلام آزاد سلمہ اللہ سب سے پہلے دعوت الی الحق اور حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربانی کرنے کا پہلا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا اور بتا دیا ہے کہ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و ظلم اور بدکاری پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی اور بلاشک حضرت سیدالشہدا (حسینؑ) نے اپنی قربانی کی مثال قائم فرما کر مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور بیشک بقول مولانا موصوف سلمہ اللہ مقابلہ ظلم لازمی ہے۔ حضرت سیدالشہدا کا اسوہ حسنہ ہمیں بتاتا ہے کہ تم نتائج کی ذرا بھی پروا نہ کرو۔ اگر ظلم و جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لیے حق کی قربانی ناگزیر ہے۔ اور اسے ہونا ہی چاہیے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہوسکتا اور ظلم کا صاحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لیے کوئی الٰہی سند نہیں کہ اس کی اطاعت ہی کرلی جائے ظلم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ فقط

بلاشک جس طرح حسینؑ کے نانا بانی اسلام روحی لہ الفدا نے اسلام قائم کرنے کے لیے یزید کے بزرگوں بنی امیہ ابوسفیان وغیرہ کفار مشرکین مکہ کے دل بادل ہجوم کے مقابلہ میں ان کے شرک و ظلم اور کفر و ضلالت کو مٹانے کے لیے

اپنے معدودے چند سچے پیروؤں کے ساتھ دعوت الی الحق فرمائی اور جہاد حق کی بنیاد رکھی نہ جان کا خوف فرمایا نہ مال و دولت کی پروا کی۔ یہی فرماتے رہے کہ اگر یہ ظالم کا فر چاند اور سورج کو بھی میرے دائیں اور بائیں لاکر کھڑا کر دیں دولت کے ڈھیر لگا دیں اور خواہ کتنے ہی ہلاکت و قتل کے خوف دلائیں تب بھی میں دعوت الی الحق کو ترک نہیں کروں گا۔ بس اسی طرح حسینؑ نواسۂ رسولؐ نے یزید پلید کی بیعت واطاعت سے انکار فرما کر نانا کے سچے اسلام اور حقیقی دین محمدی کی حفاظت اور دعوت الی الحق فرمائی اور جہاد حق کی بنیاد کو دوبارہ قائم کیا نہ امیر معاویہ کی زر و جاگیر اور انعام و عطیات کو دھیان میں لائے نہ یزید کے قتل و غارت، جبر و تشدد کے جابرانہ و ظالمانہ حکموں کی پروا کی نہ سر کٹنے کا خوف نہ گھر لٹنے کا ڈر۔ کھلم کھلا فرماتے ہیں کہ میرے نانا رسول اللہؐ نے جو حکم مجھے دیا ہے اس کا بجا لانا مجھے ضروری اور لازمی ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ دیکھو تاریخ کبیر طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۱ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۱ اور مقتل ابو مخنف۔ مکہ سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن جعفر کو کیا جواب دیتے ہیں اور محمد حنفیہ سے ارشاد فرماتے ہیں۔ قال انی رایت رؤیا رایت فیہا رسول اللہؐ وامرت فیہا بامر انا ماض لہ علی کان اولی فقالا ماتلک الرؤیا فقال ما حدثت بہا احداً وما انا محدث بہا احداً حتی القی ربی (تاریخ طبری و تاریخ کامل)

یعنی حسینؑ نے فرمایا میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا ہے حضرت نے مجھے ایک حکم دیا ہے جس کی تعمیل میرے لیے اولیٰ اور ضروری ہے۔ عبداللہ جعفر اور یحییٰ بن سعید جو عمر بن سعد حاکم مکہ کی طرف سے حسینؑ کو واپس کرنے کے لیے آئے تھے عرض کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خواب ہے اور

کیا حکم ہے؟ حسینؑ فرماتے ہیں، میں بیان نہیں کروں گا۔ جب تک اپنے نانا کے پاس نہ پہنچ جاؤں گا۔ ایسا ہی محمد حنفیہ کو جواب دیتے ہیں کہ نانا رسول اللہؐ نے مجھے سینہ سے لگا کر آنکھوں کو چوم کر یہ بھی فرمایا ہے۔ اے قرۃ العین اے پیارے حسینؑ بس جلدی کرو۔ ان اللہ شاء ان یراك قتیلاً مخضبا بدمائك۔ محمد حنفیہ رو کر عرض کرتے ہیں تو پھر بھائی اہل بیت کو کیوں لے جاتے ہو حسینؑ فرماتے ہیں۔ ان اللہ شاء ان یراھن سبایا دھن الفیا لا یفارقنی ما دمت حیا۔ بھائی ان کا اسیر ہونا بھی مشیت الٰہی میں گزر چکا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں کبھی مجھ سے علیحدہ نہ ہوں گے (ابو مخنف)

قربانگاہ کو جاؤنگا، حق پر فدا ہو جاؤنگا
نانا نے جو فرمایا ہے اسکو بجا میں لاؤنگا

اب سر کٹے یا گھر لٹے میں ذبح ہوں خیمے جلیں
جو کچھ بھی ہو منظور ہے، پورا ہو پیمان وفا

آیات قرآن مبیں، اقوال ختم المرسلیںؐ
یہ عزت دین متیں، رہ جائے دنیا میں کہیں

آندھی یہ استبداد کی یہ بارشیں بیداد کی
یہ بجلیاں الحاد کی ہو جائینگی یکسر فنا

ہر قطرہ میرے خون کا سینچے گا باغ اسلام کا
دیکھے گی دنیا حشر تک، دین نبیؐ کا معجزہ

میں حسب ارشاد کریم ہوں معنیٔ ذبح عظیم
یہ ہے صراط مستقیم جنت کا ہے رستہ یہی

انوار حق تابندہ ہوں، احکام دیں پھر زندہ ہوں
کفار سب شرمندہ ہوں خالق کا منشا ہے یہی

(ماسٹر محمد نذیر پٹیالوی)

یہ امام حسینؑ فرزند رسولؐ کی سب سے پہلی مبارک آواز اور صدائے احتجاج ہے جو بنی امیہ کے انتہائی مظالم اور یزید کی فاسقانہ و ظالمانہ خلاف احکام الٰہی اور اسلام محمدی حکومت کے مقابلے میں اس کے کٹے ہوئے سر خون آلود گلے اور پیاس سے سوکھے ہوئے ہونٹوں سے جن کو حسینؑ کے نانا رسول الٰہی اسی لیے بوسے دیتے تھے

مثل رطب پوستے تھے بلند ہوئی۔ فضائے اسلام میں گونجی۔ ہدایت کا راستہ بتایا سوتوں کو جگایا۔ مسلمانوں میں حریت اسلامی اور اخلاقی جرأت کی روح پھونکی۔ مکہ نے کروٹ بدلی۔ مدینہ نے آنکھیں کھولیں۔ بنی امیہ کے ظلم و تشدد، یزید کے فسق و فجور اور کفر و زندقہ کے پردے اٹھ گئے۔ اسلام محمدی کا نورانی چہرہ یزید و بنی امیہ کے فسق و فجور کے سیاہ دھبوں سے پاک و صاف نظر آنے لگا۔ بلاشک اگر حسینؑ یزید کی بیعت و اطاعت سے انکار نہ کرتے، سر نہ کٹاتے، شہید نہ ہوتے مصیبتیں نہ جھیلتے تو اسلام نہ ہوتا، جو رسول عربی ملے کر آئے تھے۔ یقیناً بنی امیہ کے تمام فسق و فجور، یزید کی شراب نوشیاں، ماں بہنوں اور بیٹیوں سے زناکاریاں عیش پرستیاں، مخرب اخلاق قابل شرم بداعمالیاں اسلام میں مذہباً جائز اور مباح سمجھی جاتیں خلیفۂ رسول امیر اسلام کا فعل سنت سمجھا جاتا اور یہ سچا اسلام محمدی بلاشک و شبہ بدترین ادیان ہے کفر سے بدتر نظر آتا۔

یزید کی شرابخواری اور اس کے زمانے میں اسلام کی حالت :

اس زمانے کے واقعات اور حالات تاریخی بتا رہے ہیں اور دکھا رہے ہیں کہ اس زمانہ میں شراب کا عام رواج ہو گیا تھا۔ مکہ اور مدینہ میں بھی شراب کھلم کھلا پی جاتی تھی۔ خود علامہ تیمیہ کے امام یزید صاحب باپ کی ہدایت پر مصاحبوں کے ساتھ حج کرنے مکہ آتے ہیں۔ مدینہ پہنچ کر کھلم کھلا شراب کا دور چلتا ہے (دیکھو تاریخ کامل جلد ۴ ص ۶۳ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی)

یزید کے فسق و فجور اس کی بداعمالیاں اس کے مصاحبوں، عاملوں، حاکموں میں بھی پھیل گئے تھے۔ مکہ مدینہ میں گانے بجانے کا عام رواج ہو گیا تھا، وغیرہ جیسا کہ علامہ مسعودی مروج الذہب میں علامہ مرزا محمد بدخشی نزل الابرار ص ۹۸

بیں صاف لکھتے ہیں۔ کتب تاریخ وحدیث کی بغور ورق گردانی سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ حقیقت میں خلافت راشدہ کے بعد سنت نبوی اور احکام اسلامی میں کس تیزی سے تغیر و تبدل واقع ہو رہا تھا۔ خلاف احکام اسلام بنی امیہ کی بدکاریاں پھیل رہی تھیں۔ امیر معاویہ کے ذاتی اجتہاد سے نماز، حج وغیرہ احکام فقہ اور ارکان دین میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ نماز جمعہ بجائے جمعہ قبل از روز مقررہ ضرورت کے لیے بدھ کے دن بھی پڑھی جا سکتی تھی۔ مروج الذہب مسعودی جلد۲ ص۵۲۔ دستر خوان خلافت پر خلاف حکم شریعت سونے چاندی کے برتن استعمال ہوتے تھے اور منع کرنے والوں سے کہا جاتا تھا ما اری بھذا باسًا وغیرہ۔ نصائح کافیہ ص۹۶-۹۷۔ بانی اسلام کی توہین دربار خلافت میں ہوتی تھی اور کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا تھا (ابن تیمیہ کی صارم مسلول اور نصائح کافیہ ص۱۰۰ وغیرہ۔ احکام خدا و رسول کے برخلاف ازواج مطہرات امہات المومنین کی ہتک حرمت کی جاتی تھی اور کوئی سزا نہ دی جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو مدارج النبوہ شاہ عبدالحق دہلوی ص۱۲۵ خاکم بدہاں۔ حضرت ام المومنین جناب عائشہ رضوان اللہ علیہا سے خود امیر معاویہ کے نور نظر ولیعہد خلافت نے کیسا حیا سوز سلوک فرمایا اور پھر اس کو کیا سزا دی۔ یہی کہ خلافت کے ولیعہد قرار دیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، وغیرہ غرض کہ کتب فقہ وحدیث صحیح بخاری صحیح مسلم، کنز العمال، ازالۃ الخفاء وغیرہ کتابوں پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ احکام رسول اللہؐ احکام محمدی کی کیا گت بن رہی تھی۔

بلاشک اس تلاطم خیز زمانہ میں اگر حسین فرزند رسول یزید فاسق و فاجر ظالم بدکار کی بیعت و اطاعت سے انکار کر کے صدائے احتجاج بلند نہ فرماتے اس کے نااہل ہونے کو ظاہر نہ کرتے۔ شدید مصیبتوں اور انتہائی تکلیفوں

کے خوفناک طوفانوں کو جھیلتے ہوئے احقاقِ حق کے لیے شہیدِ راہِ الٰہی نہ ہو جاتے اور یزید کی خلافت اور بیعت کو منظور فرما لیتے تو یقیناً یزید رسولِ آلِ کا سچا خلیفہ مسلمانوں کا امیر تسلیم ہو کر اس کے علانیہ فسق و فجور، کھلم کھلا شراب خواری، زناکاری، ظلم و جور آج مسلمانوں میں مباح و جائز دکھائی دیتے۔ کوئی شک نہیں حسینؑ ہی اپنے زمانہ کا وہ پہلا محسنِ اسلام رضائے الٰہی کا فریفتہ دینِ محمدی کا شیفتہ، عاشقِ خدا قدسی انسان ہے جس نے انتہائی استقامت اور صبر و رضا کے ساتھ جان پر کھیل کر خون میں نہا کر جہادِ حق فرمایا اور بنی امیہ کے ظلم و جور، کفر و زندقہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر نانا کے سچے اور اصلی اسلام کو الحاد و کفر اور ظلم و جبر کے پردوں سے نکال کر نانا نے جو حکم دیا تھا اس کو پورا کر کے دکھا دیا۔

یزید کا فسق و فجور مسلّم ہے: بہرحال یزید کا فسق و فجور، کاذب و ظالم سفیہ و جاہل اور ناقابلِ خلافت و امامت مسلمین ہونا کوئی شک نہیں مسلّم اور محقق امر ہے۔ اس زمانہ میں بھی بزرگانِ دین اصحاب و اصحاب زادگان یزید کو قطعاً فاسق و فاجر ناقابلِ خلافت و امارت جانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر خلیفہ اول، حضرت عبداللہ ابن زبیر حضرت عبداللہ ابن عمر وغیرہ۔ ان حضرات کے امیر معاویہ کے ساتھ تقریروں اور مکالموں کو کتب سیر و تاریخ میں دیکھ لیا جائے کہ امیر معاویہ کے انعامات اور عطیات کو کیا کہہ کر واپس کر دیتے ہیں۔ ہم دنیا کو دین کے عوض فروخت نہیں کریں گے (استیعاب عبدالبر مکی اور روضۃ الصفا وغیرہ) اور ایسا ہی بعد کے علمائے اسلام یزید کو جانتے رہے ہیں ان کی تصنیفات میں موجود ہے جن کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

پس حسینؑ جو رسولؐ سے ہے، رسولِ آلہی کے جگر کا ٹکڑا ہے اور رسولؐ ہی کی خدمت میں حوضِ کوثر پر پہنچنے والا ہے اس سے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے نانا رسولِ آلہی بانیٔ اسلام کے حکم کے خلاف یزید فاسق و فاجر، ظالم و کاذب کی بیعت و اطاعت کو قبول فرما کر اس کو مسلمانوں کا خلیفہ اور امیر مان کر اس کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور اس کے ظلم و جور اور فسق و فجور میں اس کا معین و مددگار رہو۔ لا واللّٰہ۔

رسولِ آلہی کے انھیں اقوال پاک اور احادیث شریف کی تائید و تصدیق یزید کے تمام فسق و فجور اور ظلم و جور کی صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے حسینؑ خود اپنے اس خطبہ میں جو راستے میں لشکرِ حرؑ کو پانی سے سیراب فرما کر وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا ہے۔ رسولِ آلہی بانیٔ اسلام کے انھیں اقوال پاک اور احادیث شریف کی تائید و تصدیق فرماتے ہیں اور یزید کے فسق و فجور، ظلم و جور، دشمنِ خدا و رسول ہونے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱ اور تاریخ کبیر علامہ جریر طبری جلد ۶ صفحہ ۲۲۹ کو دیکھیو۔ حسینؑ بعد حمد و ثنائے الٰہی فرماتے ہیں :-

حسینؑ کا خطبہ جس سے یزید کے فسق و فجور پر روشنی پڑتی ہے :

ایّھا الناس! ان رسول اللّٰہ قال من رأی سلطاناً جابراً مستحلاً لحرم اللّٰہ ناکثاً لعھد اللّٰہ مخالفاً لسنۃ اللّٰہ یعمل فی عباد اللّٰہ بالاثم والعدوان ولم یغیر ما علیہ بفعل ولا قول کان حقاً علی اللّٰہ ان یدخلہ مدخلہ الا وان ھؤلاء قد لزموا طاعۃ الشیطان وترکوا طاعۃ الرحمان واظھروا الفساد وعطلوا الحدود واستاثروا بالفیٔ واحلوا حرام اللّٰہ وحرموا حلالہ وانا احق من غیری الخ

یعنی" اے لوگو! بہ تحقیق رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جو شخص کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ حرمِ الہیٰ کی حرمت کو مٹانے والا ہے، عہدِ خدا کو توڑنے والا ہے سنتِ رسول کا مخالف بندگانِ الہیٰ سے ظلم و جور کا رویہ برتنے والا ہے۔ پس وہ شخص اپنے قول و فعل سے کوئی امر اس کے خلاف ظاہر نہ کرے تو خدا پر واجب ہے کہ اس کو اس کے مقام پر جہاں کا وہ مستحق ہے (یعنی جہنم) پہنچا دے۔ پس بتحقیق ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے لیے واجب و لازم کر لیا ہے اور خدائے رحیم و رحمان کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ حدودِ الہیٰ کو معطل کر دیا ہے۔ مالِ الہیٰ کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ حرامِ الہیٰ کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کر دیا ہے۔ بے شک میں اس امر کے لیے اپنے غیر سے زیادہ افضل اور احق ہوں۔" (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۰)

امام حسینؑ کا یہ خطبہ ابن تیمیہ کے ایک اور سفید جھوٹ پر بھی روشنی ڈالتا ہے ابن تیمیہ صاحب یزید کے پیروکار، بنی امیہ کے ٹھیکیدار اپنے امام و خلیفہ یزید صاحب کی خلافت و امامت کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لیے بہت سی انمل بے جوڑ باتیں ملا کر غریب مسلمانوں، حسینؑ کے نانا رسول عربی کے کلمہ گویوں کو دھوکہ میں ڈالنے کی بہت کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے بھی یزید کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا اور خود اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"جس طرح لوگوں نے یزید کے باب میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے اسی طرح بعضوں نے حضرت امام حسینؑ کے بارہ میں بھی بے اعتدالی برتی ہے ایک گروہ کہتا ہے۔ ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انھوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے۔ کیونکہ نبیؐ فرما چکے ہیں کہ

اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے کے لیے آئے اس کو قتل کر ڈالو
حسینؓ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لیے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے
اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حسینؓ امام برحق تھے۔ ان کی اطاعت
واجب تھی۔ ان کے بغیر ایمان کا کوئی معاملہ بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ جمعہ
اور جماعت اسی کے پیچھے درست ہے جسے انھوں نے مقرر کیا اور
جہاد نہیں ہوسکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت نہ ہو۔"

یہ مقدمہ قائم کر کے پھر لکھتے ہیں کہ "ان دونوں بے اعتدالیوں کے درمیان اہل سنت ہیں وہ نہ پہلے گروہ کے ہم نوا ہیں اور نہ دوسرے کے۔ ان کا خیال ہے کہ امام حسینؓ مظلوم شہید کر ڈالے گئے اور مذکورہ بالا حدیث ان پر چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ جب انھیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے ارادے دعوئ خلافت سے دست بردار ہو گئے تھے اور فرماتے تھے مجھے وطن جانے دو، یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ مگر مخالفین نے ان کی کوئی بات بھی نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں نے نامنظور کر دیا کیونکہ اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔"

ابن تیمیہ اپنی اس تقریر اور اس بیان سے اپنے امام و خلیفہ یزید ابن معاویہ کی امامت و خلافت کو جائز ثابت کرنے کے لیے یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ نے بھی یزید کو بالآخر جائز خلیفہ مان لیا تھا اور اس کی بیعت و اطاعت پر رضامند ہو گئے تھے۔ مگر تاریخوں کے دیکھنے اور واقعات پر نظر ڈالنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ابن تیمیہ کا یہ سراسر غلط بیان اور صاف سفید جھوٹ ہے۔ حسینؑ نے ایک منٹ کے لیے بھی یزید کی خلافت اور بیعت و اطاعت کا اقرار نہیں فرمایا۔ یہی خطبہ جو امام حسینؑ نے کربلا کے قریب پہنچنے پر حرؑ کے لشکر اور کوفہ والوں کو دیا ہے

ابن تیمیہ کے اس غلط بیان اور جھوٹ کی قلعی کھول رہا ہے۔ اس خطبہ میں حسینؑ علی الاعلان اپنے نانا رسول کریمؐ کے ارشاد کا حوالہ دے کر یزید کو ظالم و جابر بادشاہ عہدِ خدا کو توڑنے والا سنتِ رسولؐ کا مخالف نااہل و ناقابلِ خلافت بتلاتے ہیں۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسلمؑ کی مظلومانہ شہادت اور کوفہ کی پُر آشوب حالت کی خبر حسینؑ کو منزلِ ثعلبیہ میں پہنچ گئی تھی اور حرؓ کا لشکر ابن زیاد کی فوج جو یزید کے حکم کے مطابق کہ حسینؑ کوفہ کی طرف آ رہے ہیں فوجیں بھیجو، پہرے چوکیاں بٹھادو اور اب حسینؑ کو کسی طرح نہ چھوڑنا اور کسی طرف نہ نکلنے دینا۔ حسینؑ کو گھیرنے اور ابن زیاد کے پاس لیجانے کے لیے آتی ہے وہ اس وقت حسینؑ کو ملتی ہے کہ جب حسینؑ مسلمؑ کی شہادت کی خبر سن لینے کے بعد زبالہ اور سراب کی بھی دو منزلوں کو طے کر چکتے ہیں اور پھر حسینؑ جب وہاں سے بھی آگے اپنے ان پکڑنے والے دشمنوں یزید کی فوج کو سخت پیاس میں پانی پلا کر مرتوں کو جلا کر آگے کو روانہ ہوتے ہیں اور حرؓ کی فوج یزیدی لشکر حسینؑ کا پیچھا پکڑے ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے تو اس وقت حسینؑ بیضا کے مقام پہ کوفہ والے یزیدی لشکر کو مخاطب فرما کر یہ خطبہ بیان فرماتے ہیں کہ جس میں اپنے نانا رسولِ الٰہی کی حدیث کا حوالہ دے کر یزید کو ظالم و جابر عہدِ خدا کا توڑنے والا مخالفِ رسول خلافت کے ناقابل و نااہل ظاہر فرماتے اور اس کی بیعت و اطاعت سے اظہارِ انکار فرماتے ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی دوسری منزل ذی حسم پہ پہنچ کر جو عذیب الهجانات کی منزل سے پہلی منزل ہے پہنچکر دوسرا خطبہ فرماتے ہیں۔ بعد حمد و ثناء الٰہی بیان کرتے ہیں کہ:-

قد نزل من الامر قد ترون و ان الدنیاء قد تغیرت و تنکرت و ادبر معروفها و استمرت حذاً فلم یبق فیها الاضبابة کصبابة الاناء حسیس عیش کالمرعی

ان الحق لا یعمل بہ وان الباطل لا یتناھی عنہ لیرغب المومن فی لقاء اللہ محقاً فانی لا اری الموت الا شہادۃ ولا الحیاۃ مع الظالمین الا برما (طبری ص۲۲۹) اسی کے جواب میں زہیر قین نے عرض کی ہے۔ قد سمعنا ھداك اللہ یا ابن رسول اللہ فقال واللہ لو کانت الدنیا لنا باقیۃ وکنا فیھا مخلدین الا ان فراقھا فی نصرك ومواساتك لآثرنا الخروج معك علی الاقامۃ فیھا۔

پھر اس کے بعد جب حُر نے بڑھ کر حسینؓ کو نصیحت کی اور عرض کیا۔ یا حسینؓ انی اذکرك اللہ فی نفسك فانی اشھد لئن قاتلت لتقتلن ولئن قوتلت لتھلکن فیما اری تو حسینؓ نے حُر سے فرمایا کیا مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ وھل یعدو بکم الخطب ان تقتلونی ما ادری ما اقول لك ولکن اقول کما قال اخوالاوس لابن عمہ ولقیہ وھو یرید نصرۃ رسول اللہ فقال لہ این تذھب بانك مقتول فقال

سامضی وما بالموت عار علی الفتی	اذا ما نوی حقاً وجاھد مسلما
وآسی الرجال الصالحین بنفسہ	وفارق میثوراً یغش ویرغما

تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۲۹ - تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۵

پس کیا کوئی شخص حسینؓ کی ان تقریروں اور بیانوں کو سن کر اور خطبوں کو پڑھ کر یہ خیال کر سکتا ہے کہ حسینؓ یزید کی خلافت کو جائز سمجھنے کے لیے رضامند ہو گئے تھے اور اس کی بیعت و اطاعت کو حسینؓ نے تسلیم اور قبول کر لیا تھا - اگر بقول ابن تیمیہ حضرت مسلم کی شہادت کی خبر سنکر حسین یزید کی

بعیت وخلافت پر رضامند ہو گئے تھے تو پھر بعد شہادت حضرت مسلم یہ خطبے اور تقریریں کیوں فرماتے تھے اور کیوں نہیں حسینؑ کے ان خطبوں کو پڑھ کر اور حسینؑ کی ان تقریروں اور بیانوں کو سنکر جو حضرت مسلم کی شہادت کے بعد ہی پے در پے تقریباً ہر ایک منزل میں بیان فرماتے ہیں۔ کیا کوئی شخص یہ یقین کر سکتا ہے اور اس کو صحیح سمجھ سکتا ہے کہ مسلم کی شہادت کے بعد معاذ اللہ امام حسین نے یزیدی گروہ کے باطل اتفاق و اجماع کو جائز اور حجت اور اسلامی اتفاق سمجھا تھا جس کو وہ پہلے صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے اب خدا ورسول کی مرضی احکام الٰہی کے منشاء کے مطابق یزید فاسق وفاجر کی بعیت و اطاعت پر رضا مند ہو گئے تھے اور مخالفت یزید کے دعوے سے دست بردار ہو گئے تھے اور یزید کی بعیت واطاعت اور خلافت کو اسلام اور امت محمدی کے لیے مفید اور بہتر سمجھنے لگ گئے تھے۔ توبہ توبہ "ایں خیال است ومحال است وجنوں"۔ یہ واقعی ابن تیمیہ کے فتور عقل کا نتیجہ ہے۔ نہیں بلکہ اس بنی امیہ کے پروپیگنڈا اور محبت یزید کا اثر ہے جس میں ابن تیمیہ کی پیدائش اور ولادت ہوئی ہے۔

معاذ اللہ اگر حسینؑ نے ایسا سمجھ لیا تھا تو پھر علی الاعلان یہ خطبے اور یہ تقریریں کیوں مسلم کی شہادت کی خبر سنکر کربلا تک برابر فرماتے چلے جا رہے ہیں کہ یزید نا اہل و ناقابل فاسق و فاجر ظالم بادشاہ سنت رسولؐ کا مخالف عہد خدا کو توڑنے والا ہے۔ اس کے شریک و معین اور مخالفت نہ کرنے والے شخص کو خدا جہنم میں ڈالے گا۔ وغیرہ۔ کیوں نہیں یزیدی امت کے اتفاق و اجماع میں شامل ہو کر بعیت یزید کا اقرار فرما لیتے بلکہ کربلا پہنچ کر بھی ذبح ہونے کے وقت تک صدائے حق بلند فرماتے رہے۔ حسینؑ کی ان معرفت وعرفان سے لبریز حق وصداقت سے بھرے ہوئے خطبوں کو دیکھ کر جو کربلا میں برابر فرماتے رہے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اور ہدایت و رہبری اور تبلیغ حق اور جہاد علی الحق کے فریضہ کو ادا فرماتے رہے ہیں۔ دیکھو عشرۂ محرم کے روز میدانِ جنگ میں پہنچ کر جب اس لشکر یزید اہل کوفہ پر اتمامِ حجت فرماتے ہیں کہ دینِ الٰہی اور اسلامِ محمدی کی ہدایت کرنے کے لیے اپنے اور اپنے بزرگوں کے فضائل و مراتب یاد دلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے وہ کیا جرم ہے جس کا بدلہ تم مجھ سے چاہتے ہو۔ اگر تم مجھ سے کارہ ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں اور زمینِ الٰہی میں کسی جگہ پناہ لے لوں تو قیس ابنِ اشعث یہی جواب دیتا ہے کہ یہ نہیں، آپ کیوں نہیں اپنے ابنِ عم (یزید) کے حکم کو مان لیتے اور اس کی اطاعت کر لیتے۔ یہ لوگ آپ سے اچھا اور نیک سلوک نہیں کریں گے۔ پس قیس کے جواب میں یہی ارشاد فرماتے ہیں۔

لا واللہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر اقرار العبید عباد اللہ انی عذت بربی وربکم ان ترجمون اعوذ بربی وربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب۔ حسینؑ کے فقروں کو ذرا غور سے دیکھو اور سمجھو اس کے کیا معنی ہیں کیا حسینؑ نہیں فرما رہے ہیں کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ کبھی نہیں دوں گا۔ کبھی ذلیل نہیں ہوں گا۔ کبھی اطاعت غلامی نہیں کروں گا۔ میں یزید متکبر (جو روزِ حساب پر ایمان نہ رکھنے والا ہے) کی اطاعت کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

ابن تیمیہ کا یہ بیان کہ مخالفین نے ان کی (حسینؑ کی) کوئی بات بھی نہ مانی اور اسیری قبول کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں نے (حسینؑ نے) نامنظور کر دیا۔ کیونکہ اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔ بہت خوب۔ سبحان اللہ "بریں عقل و دانش بباید گریست"۔ ایک شخص کو فاسق و فاجر، ظالم و جابر، نااہل و ناقابل

دشمنِ خدا اور رسولؐ سمجھتے ہوئے اتفاق و اجماع کی بنیاد پر اور اسلام کے ضرر و نقصان کے اندیشہ سے اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنی اس کو اپنا امیر و حاکم مان لینا تو خدا کی رضا اور رسولِ الٰہی کی خوشی کا باعث اور شرعاً جائز اور واجب ہو کہ جس کو حسینؑ نے واجب سمجھ کر قبول کر لیا تھا اور جو معاذ اللہ حسینؑ پر واجب تھا مگر اسی بنیاد پر ابنِ زیاد نائبِ یزید اور اہلِ کوفہ لشکرِ یزید کے حکم کی تعمیل کرنا اور اسیری قبول کرنا ابنِ زیاد کے پاس جا کر یزید کی بیعت کر لینا، اس کے پاس ہوتے ہوئے یزید کی طرف جانا حسینؑ پر شرعاً کیوں واجب نہیں ہو سکتا اور پھر اس وقت جبکہ اس کو قبول کرنے میں بھی معاذ اللہ اسی طرح امتِ رسولؐ کا فائدہ ہو، اتفاق و اجماع اسلام کے لیے مفید ہو۔ کشت و خون، فتنہ و فساد کے سیلاب بند ہوں۔ رفیق و انصار کی جانیں بچیں۔ باغِ رسالت کے پھول پامال نہ ہوں۔ جوانانِ آلِ محمدؐ تلواریں نہ کھائیں معصوم بچے ذبح نہ ہوں۔ آلِ محمدؐ لوٹی نہ جائے۔ خدا اور رسولؐ کی رضا و منشائے مطابق خلیفۂ اسلام کی بیعت ہو اور جاگیریں بھی ملیں۔ راحت و آرام سے زندگی بسر ہو۔ ہم دین و ہم دنیا دونوں حاصل ہوں تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شرعاً نادرست ہے اور واجب نہیں ہے۔ یہ ذلت اور اسیری نہیں بلکہ معاذ اللہ حاکم بدہاں وہ امر ہیں جس میں دین و دنیا کا فائدہ ہو اور جس کا نتیجہ رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ رسولؐ بھی ہو جان بھی بچے اور مال بھی ملے موجبِ عزت ہے۔ ایسا عار کبھی عار نہیں کہا جا سکتا خود حسینؑ کا قول ہے کہ "العار اولیٰ من دخول النار" یعنی جہنم میں جانے سے خدا اور رسولؐ کے حکم کو قبول نہ کرنے سے عار قبول کرنا افضل و بہتر ہے"۔ استغفر اللہ ربی واتوب الیہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ سب یزیدی گروہ بنی امیہ کے حمایتی لوگوں کی فتنہ انگیزیاں اور چالبازیاں ہیں کہ جو یزید فاسق و فاجر کی پوزیشن کو صاف کرنے اور قتلِ حسینؑ کے الزام سے اس کو بری کرنے کے لیے کی

گئی ہیں۔

تاریخ طبری نے اس موضوع کے متعلق کہ حسینؑ نے تین سوال لشکر یزید سے کیے تھے جن کو انھوں نے نہیں مانا۔ مختلف تین روایتیں لکھی ہیں۔ پہلی روایت تو یہ ہے کہ ہانی بن ثبیت حضرمی بیان کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد کے پاس عمر بن قرظہ انصاری کو بھیجا کہ تم دونوں لشکروں کے بیچ میں آکر مجھ سے ملو اور بات کرو۔ عمر سعد بیس سواروں کے ساتھ آیا اور ایسے ہی حسینؑ بھی بیس ہمراہیوں کے ساتھ بڑھے، مگر جب دونوں سے تو حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو علیحدہ کر دیا اور عمر سعد نے اپنے رفیقوں کو دور کر دیا۔ ہم لوگ ان کی گفتگو اور کلام کو نہیں سن سکتے تھے۔ دیر تک حسینؑ اور عمر سعد باتیں کرتے رہے۔ رات بہت گزر گئی۔ پھر دونوں اپنے اپنے لشکروں کو واپس آ گئے

فتحدث الناس فیما بینهما ظنًّا یظنّونه۔ ان حسینا قال لعمر ابن سعد اخرج معی الی یزید وندع العسکرین قال عمر اذن تهدم داری قال انا ابنیها لک قال اذن تؤخذ ضیاعی قال اذن اعطیک خیرًا منها من مالی بالحجاز قال فتکرہ ذالک عمر قال فتحدث الناس بذالک وشاع فیهم من غیر ان یکونو اسمعوا من ذالک شیئًا ولا علموہ

نقلا۔ یعنی جو کچھ باتیں حسینؑ اور عمر سعد میں ہوئیں ان کو لوگ ظنّی طور سے بیان کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ بس یہ باتیں ہوئیں کہ حسینؑ نے عمر سے کہا کہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر یزید کے پاس چلیں۔ عمر نے کہا اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر ڈھا دیا جائیگا۔ حسینؑ نے فرمایا میں بنوا دوں گا۔ عمر نے کہا، میری جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔ حسینؑ نے فرمایا۔ میں اس سے بہتر اپنے مال حجاز سے تجھے دے دوں گا۔ مگر عمر نے یہ درخواست قبول نہیں کی۔ بس لوگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے اور یہی لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ حالانکہ کسی نے ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہیں سنا اور نہ کسی کو اس کا علم ہوا۔ یہ تو پہلی روایت ہے۔

دوسری روایت یہ ہے:۔ اما ما حدثنا به المجاهد بن سعید

والصقعب بن زهير الازدی وغيرهما من المحدثين فهو ما عليه جماعة المحدثين قالوا انه قال اختاروا مني خصالاً ثلاثا اما ان ارجع الى المكان الذی اقبلت منه واما ان اضع يدی فی يزيد بن معاويه فيری فيما بينی وبينه رايه واما ان تسيروني الى ای ثغر من ثغور المسلمين شئتم اكون رجلاً من اهله لی ما لهم وعلیّ ما عليهم۔

یعنی مجاہد بن سعید اور صقعب بن زہیر ازدی وغیرہ محدثین بیان کرتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جماعت محدثین اس پر متفق نہیں ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حسینؓ نے فرمایا کہ میرے لیے تین باتوں میں سے ایک بات منظور کرو۔ یا تو یہ کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں ہی کو واپس چلا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں تو پھر یہ کہ میں یزید ابن معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں۔ پھر جو کچھ میرے اس کے درمیان میں ہو اور یا یہ کہ سرحد مسلمین پر جس طرف تم چاہو مجھے چلے جانے دو وہاں میں پہنچ جاؤں۔

یہ دوسری روایت ہے کہ جس میں یزید کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ اس کو خلیفہ یا امیر تسلیم کرنے کا ذکر اس میں بھی کوئی نہیں ہے بلکہ یہی ہے کہ جو کچھ میرے اور اس کے درمیان ہو۔

اب تیسری روایت کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ علامہ جریر طبری اور ابو مخنف بیان کرتے ہیں۔ ثنا عبد الرحمن بن جندب حدثنی عن عقبه بن سمعان قال صحبت حسيناً فخرجت معه من المدينة الى مكه ومن مكه الى العراق ولم افارقه حتى قتل وليس من مخاطبته الناس كلمة بالمدينة ولا بمكه ولا فی الطريق ولا بالعراق ولا فی عسكر الى يوم مقتله الا وقد سمعتها الا والله ما اعطاهم ما يتذاكر الناس وما يزعمون من ان يضع يده فی يد يزيد بن معاويه ولا ان

سیروا الی ثغر من ثغور المسلمین ولکنہ قال دعونی فلاذہب فی ھذہ الارض العریضۃ حتّی تنظر ما یصیر امرالناس۔ فقط
یعنی عبدالرحمٰن بن جندب، عقبہ بن سمعان کی زبانی بیان کرتا ہے کہ عقبہ نے بیان کیا کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک حسینؓ کے ساتھ ساتھ رہا ہوں جب تک حسینؓ شہید نہیں ہو گئے۔ حسینؓ سے علیحدہ نہیں ہُوا اور کوئی مخاطبہ اور کوئی کلمہ کوئی گفتگو کوئی کلام حسینؓ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستے میں نہ عراق میں نہ لشکر میں شہادت کے دن تک ایسا نہیں فرمایا کہ جو میں نے نہیں سنا۔ قسم ہے خدا کی ہرگز حسینؓ نے یہ نہیں فرمایا جو لوگ ذکر کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ حسینؓ نے یہ کہا کہ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ اس کی بعیت کرلیں یا مسلمانوں کی سرحدات پر چلا جانے دو۔ بس فقط حسینؓ نے یہ کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو۔ میں اس عریض ارض ملک خدا میں چلا جاؤں اور ہم دیکھیں کہ لوگوں کا امر کیا قرار پاتا ہے۔ فقط

بس یہ تین ہی روایتیں ہیں جو علامہ ابن جریر طبری کی تاریخ کبیر طبری جلد ۶ ص۲۳ میں موجود ہیں۔ بس اس کے سوا کوئی اور بیان اس بعیت یزید پر حسینؓ کے رضامند ہونے کے متعلق نہیں ہے۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۸ میں بھی یہ ہی روایات اسی طرح درج ہیں۔ پہلی روایت تو ساری کی ساری ہی ظن اور گمان پر مبنی ہے راوی خود بیان کرتا ہے کہ لوگوں میں ایسا چرچا تھا اور لوگوں نے خود بخود ایسا گمان کرلیا تھا۔ اصلیت کا علم کچھ نہیں ہے۔ دوسری روایت کو خود علامہ طبری اور ابو مخنف یہ لکھ کر کہ ماعلیہ جماعت المحدثین مجروح اور ناقابل قبول بتا دیتے ہیں۔ بس تیسری روایت عقبہ بن سمعان کی بلاشک صحیح اور قابل سند ہے کہ جو بچشم دید آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی نہایت وثوق کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہرگز حسینؓ نے تا وقت شہادت کسی جگہ اور کسی مقام پر کسی وقت اور کسی دن یزید سے بعیت کرنے اور سرحدات پر چلے جانے

کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ بے شک یہی صحیح اور یہی مستند ہے۔ حسین عاشق الٰہی اور خدا کا مخلص بندہ باغی اسلام کا جان و جگر کبھی بھی یزید فاسق و فاجر، ظالم و جابر کی بیعت و اطاعت کا اقرار کر کے اس کو مسلمانوں کا امیر و خلیفہ قبول فرما کر نانا کے دین خدا کے اسلام کو ذلیل اور مسلمانوں کو گمراہی میں نہیں ڈال سکتا۔ یہ سب ابن تیمیہ جیسے یزیدی گروہ کی خرافات اند بیھفوات از سرتا پا غلط خود غلط انشا غلط املا غلط۔ اب ابن تیمیہ کی اس بیان کردہ حدیث اتفاق اجماع امت کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری اور مناسب ہے۔

ابن تیمیہ نے حدیث رسولؐ کا مطلب غلط سمجھا کہ کسی قسم کے اسلامی اجتماع کی مخالفت نہ کرنی چاہیے

بلا شک رسول کریمؐ کی اس حدیث کا مقصد اور مدعا ہرگز نہیں اور نہ خدا اور رسولؐ کا یہ حکم ہے کہ اگر دنیا کا اتفاق ظلم اور جور، فسق و فجور پر قائم ہو جائے یا زمانہ حدود الٰہی، احکام نبوی، ارکان اسلامی کے توڑنے اور مٹانے یا بدلنے پر متفق ہو تو ہدایت و رہبری خلق اور اس ظلم، جور، فسق و فجور کو دور کرنے اور حدود الٰہی اور احکام نبوی و ارکان اسلامی کی حفاظت کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صدائے احتجاج بلند نہ کرو۔ ان کے اتفاق کو نہ توڑو ضلالت و گمراہی میں انھیں پڑنے دو اور خلاف راستہ نبوی ہی انھیں چلنے دو۔ بلکہ اس ظالم و جابر فاسق و فاجر، مخالف دین و اسلام گروہ اور ان کے سردار و امیر کے بھی شریک و شامل ہو کر اس کی اطاعت کرو اور اس کے ہم نوا و ہم صدا ہو جاؤ۔ مقابلہ ظلم لازمی نہیں بلکہ معاذ اللہ معصیت ہے کیونکہ اس سے ایک جھوٹا اور غلط اتفاق اور فسق و فجور کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ لا و اللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ نہ رسولؐ کا یہ ارشاد ہے نہ خدا کا یہ حکم ہے نہ اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ جسکو ابن تیمیہ اور یزیدی ملت، حسین علیہ السلام کے متعلق چسپاں کرنے کی کوشش فرماتے

ہیں۔ خدائے جلیل نے کونوا مع الصّادقین فرمایا ہے نہ کہ کونوا مع الظالمین اور تعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کلامِ مجید کا ارشاد ہے۔ رسول اللہؐ کے ان ارشادات اور احادیث کو دیکھو جو صحیح ترمذی، مشکوٰۃ شریف اور مسند امام احمد حنبل میں منقول ہیں اور جو ابھی بیان ہو چکی ہیں۔ حضرت ابوبکر خلیفۂ اول نے بیان فرمائے۔ حضرت حذیفہ نے نقل کیے جناب ابوہریرہ نے روایت فرمائے۔ کعب ابن عجرہ نے بیان کیا اور پھر فرزند رسولؐ حسینِ مظلوم نے بھی جن کی شخصیت اور صداقت کو بظاہر ابن تیمیہ نے بھی قبول کیا ہے۔ اپنے نانا رسولِ الٰہیؐ کے ارشاد کو اپنے اسی خطبہ میں بیان فرمایا ہے جس کو تاریخ کامل اور تاریخ طبری جیسے مستند اور علامہ مورخین نے نقل کیا ہے۔

ان تمام ارشاداتِ رسولؐ احادیثِ نبوی، سیرتِ محمدی سے کھلم کھلا ثابت ہوتا ہے کہ ظلم وجور، کذب و باطل ارکانِ اسلامی کے خلاف حدودِ الٰہی اور شریعتِ محمدی کے مخالف امور پر اتفاق و اجماع کبھی قابلِ قبول لائقِ شرکت موجبِ ثواب نہیں ہے۔ خود رسولِ مقبول بانیٔ اسلام نے تمام مشرکین مکہ کل کفارِ قریش کے ظلم وجور فسق و فجور کی متفقہ جماعت اور متحدہ ملت کو اپنی ہدایت و تبلیغ کے مقابلہ میں کیا نظرانداز نہیں فرمایا تھا؟ اور کیا تن تنہا مقابلہ ظلم و شرک کو لازمی نہیں سمجھا تھا؟ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صدائے احتجاج بلند کرنے کے مقابلہ میں کفار و مشرکین مکہ کے اتفاق اور اجماع کو صحیح اور مستحسن خیال فرماکر خاموشی اور عدمِ ہدایت و تبلیغ کو ترجیح دی تھی؟ کیا رسولِ الٰہی صرف توحید کے ہی متوالے تھے اور اسی کی تبلیغ کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ ظالمانہ وجابرانہ شخصیتوں اور حکومتوں کو مٹانا، ان کی فسق و فجور کی عادتوں کو محو کرنا، حدودِ الٰہی کا قائم کرنا کیا رسولِ الٰہی کی تبلیغ کا کام نہ تھا؟ کیا خدائے جلیل اور اس کے رسولِ پاکؐ کا بس صرف یہی منشا اور مدعا ہے کہ بس توحیدِ الٰہی کا اقرار کرلو اور پھر جو چاہو ظلم وجور فسق و فجور اخلاقی جرائم اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرتے پھرو اور دنیا میں فساد پھیلاؤ۔

ظالم و جابر، فاسق فاجر انسانوں کی حکومتوں پر متفق ہو کر ان کی جابرانہ و ظالمانہ مخرب دین و دنیا ناجائز و نفسانی خواہشوں کا شکار ہو کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی کی بیعت کرتے رہو۔ بس دنیا اور اسلام کی فلاح و بہبود اسی ظلم و جور اور ضلالت و گمراہی کے اتفاق میں منحصر ہے۔ لا و اللہ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نہ یہ خدا کا منشاء ہے اور نہ رسول الٰہی کا یہ حکم ہے۔ نہ یہ دین ہے نہ یہ اسلام ہے۔

ظلم و جور، فسق و فجور، ضلالت و گمراہی کے اتفاق و اتحاد کو کبھی شریعت الٰہی اور اسلام محمدی نے جائز نہیں رکھا۔ دین اسلام کی تعریف بانی اسلام نے یہ فرمائی ہے۔ الدین تعظیم شعائر اللہ و الخیر الی خلق اللہ۔ احکام خدا اور حدود الٰہی کی حرمت و تعظیم کو بجا لانا اور بندگان الٰہی مخلوق خداوندی سے احسان اور نیکی و خیر کا سلوک کرنا بس یہی دین الٰہی ہے اور یہی اسلام محمدی ہے۔ حدود الٰہی کو توڑنا، احکام رسول کو بدلنا، ارکان دین کی بے حرمتی کرنا، تارک الصلوٰۃ ہونا، شعائر اللہ کو مٹانا، مخلوق الٰہی پر ظلم و ستم ڈھانا ہرگز دین الٰہی اور اسلام محمدی نہیں ہو سکتا۔ مدینۂ رسولؐ میں شرابیں پینے والے، سکہ و حمیر حرم رسولؐ و حرم الٰہی کی عظمت و حرمت کو لوٹانے والے مال، بہنوں سے زنا کاریاں اور فسق و فجور کرنے والے ظالم غدار کی اغراض شیطانی اور شہوت رانی کے لیے مخلوق الٰہی پر ستم ڈھانے اور خون بہانے والے تارک الصلوٰۃ لوگ کبھی بھی امام جماعت، ہادی و رہبر دین اور امیر و خلیفۃ المسلمین نہیں بن سکتے۔ بلا شک وضع الشیء فی غیر محلہ کا یہی مطلب ہے اور یہی اعظم ترین ظلم ہے جس شیطان صفت شقی انسان شرابی بدکار کا مقولہ شراب کے متعلق اور نماز کے بارے میں یہ ہو کہ:۔

یزید کا قول شراب کے جائز ہونے کے متعلق:

فان حرمت یوماً علی دین احمد فخذها علی دین المسیح ابن مریم

یعنی اگر دینِ احمدؐ میں شراب پینے کو حرام سمجھا ہے تو خیر دینِ مسیح پر ہو کر پی لے۔"
معاذ اللہ اور دوسرا شعر سہ

ما قال ربک ویل للذی شربوا   بل قال ربک ویل للمصلین

"تیرے رب نے شراب پینے پر ویل و ملامت نہیں کی بلکہ (معاذ اللہ) تیرے رب نے تو نماز پڑھنے والوں کے لیے ویل و ملامت کی ہے۔" وہ کبھی اسلام جیسے پاک دین اور رسول کریمؐ کا امیر و خلیفہ نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب اور نہ ایسا اتفاق و اجماع قابلِ شرکت اور حجت۔ یہ دونوں شعر اسی یزید خبیث کے ہیں جس کو ابن تیمیہ امام و خلیفہ بنا کر اس کی اطاعت و بیعت کو فرض قرار دیتے ہیں۔

معاویہ نے یزید کو شراب پینے کی کیا خوب ترکیب بتائی:

ذکر ابن المعازلی فی تاریخہ وابن الانباری فی تاریخہ کان یزید اللعین شغفاً لشرب الخمر ولقد منعہ ابوہ سراً ان ینزۃ من الخمر ولا تفعل نہاراً لیلاً یھون فی اعین الناس۔ ابن معازلی اور ابن انباری اپنی اپنی تاریخوں میں بیان کرتے ہیں کہ یزید لعین شراب کا سخت متوالا تھا۔ اس کے باپ امیر معاویہ نے پوشیدہ طور پر اس کو شراب سے روکا (بیٹا جان) دن میں نہ پیا کرو ورنہ لوگوں کی نظروں سے تمہاری وقعت جاتی رہے گی۔ اس وقت یہ دونوں مذکورہ بالا شعر اپنے ابا جان کو جواب میں لکھ کر بھیجے ہیں۔ (روض الجنان مولانا اشرف علی مطبوعہ ۱۲۷۷ھ)

بلاشک یہ ائمہ ضال اور یہی ائمہ یدعون الی النار ہیں جن کی امامت و خلافت کے زمانہ سے رسول اللہؐ نے پناہ مانگی ہے۔ بلاشک یہ اتفاق اجماع جو کذب باطل فسق و فجور ظلم و جور کا اتفاق ہو کبھی شریعت الٰہی اسلام محمدی میں جائز نہیں رکھا گیا بلکہ دنیا کے کسی مذہب و ملت میں بھی ایسا نہیں ہے کہ ظلم و جور اور فسق و فجور کے

اتفاق کو مستحق قابلِ تعریف اور لائق اطاعت و قبولیت سمجھا گیا ہو۔ بلا شک بقول مولانا ابوالکلام آزاد مقابلہ ظلم لازمی اور ہر ایک نااہل و ناقابل ظالم و جابر سے نفرت و علیحدگی فطرتِ انسانی ہے۔ ہمارے برادرانِ اسلام حضرات اہل سنت والجماعت پیروانِ رسول کریمؐ کا ہرگز ہرگز یہ عقیدہ اور یہ مذہب نہیں ہے۔ ابن تیمیہ اور یزیدی گروہ خواہ اپنے رنگیلے متوالے شرابی یزید کو امام سمجھیں یا خلیفہ، امیرالمومنین کہیں یا خلیفۃ المسلمین بلکہ نبی اور خدا سمجھ کر بھی اسے پوجیں اور بانیٔ اسلام، مالکِ دین و دنیا رسول کریمؐ کے جگر گوشہ حسین مظلومؑ پر اپنی کورچشمی سے زبانِ اعتراض کھولتے اور معاذ اللہ حسینؑ کو باغی اور یزید پر خروج کرنے والا ظاہر کرتے ہیں تو ان کو اختیار ہے مگر بزرگانِ دین اسلام اور علمائے جلیل القدر اہلسنت والجماعت نے کبھی بھی یزید کی خلافت پر ووٹ نہیں دیئے۔ کبھی یزید کو خلیفۃ المسلمین اور امیرالمومنین نہیں فرمایا اور نہ سمجھا بلکہ ہمیشہ پکار پکار کر اپنے خطبوں میں اپنے فتوؤں میں اپنی تصنیفوں میں یزید کے فسق و فجور اور ظلم و جور کو ہی بیان فرماتے رہے اور اس کو فرعون سیرت ہی بتاتے رہے اور فرزندِ رسول حسین شہید کی صداقت و حقانیت کو ہی ظاہر کرتے رہے ہیں اور یزید کو حسینؑ کا دشمن قاتل مخالف دین و ایمان ہی بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رسول اللہؐ کی پیشگوئی کے مطابق ۶۰ھ ہجری کے فتنۂ حکومت یعنی خلافتِ یزید سے پناہ مانگتے ہیں (صواعق محرقہ صـ۱۳۲، وسیلۃ النجاۃ صـ۲۹۲)

ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطی صـ۲۰۹۔

لما قتل الحسین وبنوابیہ بعث ابن زیاد بروسھم الی یزید فسر بقتلھم اولاً ثم ندم لما مقتہ المسلمون علیٰ ذالک وابغضہ الناس وحق لھم ان یبغضوہ۔ یعنی جب حسینؑ اور اولادِ علی شہید ہو گئے تو ابن زیاد نے ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا۔ پس یزید ان کے قتل سے اوّل اوّل خوش ہوا مگر جب مسلمانوں نے اس پر ناراضی و نفرت کا اظہار کیا اور لوگ

اس سے بگڑنے لگے اور لوگوں کا اس پر ناراض ہونا اور بگڑنا حق تھا تو یزید اس فعل سے نادم ہوا۔ پھر لکھتے ہیں کہ نوفل ابن ابی مرات حضرت عمر ابن عبدالعزیز (خلیفہ اموی) کے دربار میں موجود تھا۔ کسی شخص نے یزید کو امیرالمومنین کے نام سے یاد کیا تو عمر ابن عبدالعزیز نے ناراض ہو کر فرمایا کہ تو یزید کو امیرالمومنین کہتا ہے؟ اور بیس تازیانے یزید کو امیرالمومنین کہنے کی سزا میں اس شخص کو لگوائے۔

پھر علامہ سیوطی امام ذہبی کے قول کو نقل کرتے ہیں کہ قال الذھبی ولما فعل یزید باھل المدینۃ ما فعل مع شربہ الخمر واتیانہ المنکرات اشتد علیہ الناس وخرج علیہ غیر واحد ولم یبارک اللہ فی عمرہ۔ یعنی امام ذہبی کہتے ہیں کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے شراب پینے اور دوسرے افعال بد اور معصیت کاریوں کی وجہ سے لوگ اس پر ناراض ہوئے اور اس پر خروج کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر میں زیادتی و برکت نہ دی اور پھر مکہ کی تباہی اور محاصرہ اور منجنیق پھینکنے کے واقعہ کو لکھ کر بیان کرتے ہیں۔ د اھلک اللہ یزید بذالک فی نصف شھر ربیع الاول من ھذا العام فجاء الخبر بموتہ والقتال مستمر فنادی ابن الزبیر یا اھل الشام ان طاغیکم قد ھلک۔ یعنی اسی سال نصف ربیع الاول کو خدا نے یزید کو ہلاک کر دیا۔ پس جب اسکے مرنے کی خبر مکہ میں آئی۔ جنگ جاری تھی تو حضرت عبداللہ ابن زبیر نے پکار کر کہا۔ اے اہل شام تمہارا طاغی ہلاک ہو گیا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ اموی یزید کو امیرالمومنین کہنا معصیت جانتے ہیں اور کہنے والے کو شرعی سزا دی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر یزید کو طاغی و باغی فرماتے ہیں۔

اور حسینؓ کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کا یہی بیان کافی ہے جو تاریخ طبری

جلد۳ ص۱۹ میں درج ہے۔ قال علی بن محمد عن حماد بن سلمہ عن ابی المھزم قال کنا مع ابی ھریرۃ فی جنازۃ فلما رجعنا اعیا الحسین علیہ السلام صعد فجعل ابو ھریرۃ ینفض التراب عن قدمیہ بثوبہ فقال لہ الحسین انت یا اباھریرۃ تفعل ھذا قال دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی رقابھم۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ یزید شہادتِ حسینؑ پر خوش تھا یا غمگین اور یزید کی ندامت لوگوں کی ناراضی اور سلطنت کے جانے کے خوف سے تھی یا حسینؑ کی شہادت کے افسوس سے۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر شہادتِ حسینؑ کے بعد مکہ میں حسینؑ کی صداقت وحقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے خطبہ میں بیان کرتے ہیں۔ قسم خدا کی حسینؑ نے شرافت وکرامت سے مرنے کو ذلیل مذموم زندگی پر ترجیح دی۔ حسینؑ شرف بزرگی اور دین میں سب سے افضل تھے۔ امر خلافت کے لیے سب سے احق اور بہتر تھے۔ قسم خدا کی انھوں نے کبھی قرآن کو غلط معنی نہیں پہنائے۔ بجائے میخواری کے ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور بجائے شکاری کتوں سے کھیلنے کے یادِ الٰہی کے جلسے حسینؑ کے گھر برپا رہتے تھے وغیرہ۔ تاریخ کامل جلد۴ ص۵۱ تاریخ طبری جلد۶ ص۲۷۴۔ عبداللہ ابن زبیر نے حسینؑ کے اوصاف حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے یزید کی خبیث عادتوں پر بھی روشنی ڈال دی ہے۔

عبداللہ ابن عباس کا قول یزید کے متعلق:

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے بعد واقعۂ شہادت امام حسینؑ عبداللہ ابن زبیر سے دورانِ جنگ کے زمانہ میں یزید کے خط کا جواب جو یزید کو تحریر فرمایا ہے تاریخ کامل جلد۴ ص۶۳ اور تذکرہ علامہ سبط ابن جوزی ص۱۵۵ میں موجود ہے۔ ہم نے کتاب ناموس اسلام[1] میں اس کا مفصل ترجمہ

---

[1] ناموس اسلام حصہ اوّل شائع کردہ امامیہ مشن لاہور، قیمت چھ روپے

شائع کیا ہے - ملاحظہ ہو کہ عبداللہ ابن عباس کس زور سے ثابت کر رہے ہیں کہ یزید قاتل حسینؓ ہے - یزید نے حسینؓ کو قتل کرایا - یزید نے حسینؓ کو مکہ اور مدینہ سے نکالا - یزید نے قتل حسینؓ کے لیے مکہ میں اپنے آدمی بھیجے - یزید نے اہل بیت اطہار آلِ محمدؐ کو سر برہنہ قیدی بنا کر شام میں بلایا - یزید دشمن خدا و رسولؐ ہے اور یزید نے آلِ محمدؐ کے قتل سے اپنے کشتگانِ بدر کا بدلہ لیا - اس کی دوستی و محبت اور اس کی اطاعت و فرماں برداری سے انکار کرتے ہیں اور عذابِ آخرت کی بشارت دیتے ہیں -

تاریخ یعقوبی میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس کا خط یزید کے نام درج ہے اس کا مضمون بھی قریب قریب ایسا ہی ہے کہ تو نے حسینؓ کو حرمِ رسولؐ سے نکالا، تو نے دھوکہ سے قتل کرنے کے لیے خفیہ آدمی بھیجے - تو نے مکہ سے کوفہ کی طرف نکالا - وہ قضائے الٰہی کا انتظار کرتا ہوا خائف و ترساں نکل کر وہ تمام اہلِ مکہ میں قدیم و جدید سب میں سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھا اور اگر وہ مکہ میں قیام کرتا - حرم خدا میں جدال و قتال کو حلال جانتا تو اہلِ مکہ و مدینہ سب سے زیادہ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے لیکن اس نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ حرمت حرمِ خدا و حرمِ رسولؐ کو برباد و ضائع کرے - فقط رسالہ تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقہ ص۱۳۵ پر ابن حجر مکی نے بھی اس خط کا ذکر کیا ہے -

ان خطوں سے بہت سے واقعات اور ابن تیمیہ جیسے یزیدی ہوا خواہوں کے اعتراضات باطل کا پورا جواب حاصل ہوتا ہے جو حسینؓ کے سفر کو خروج کرنے کے اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کے اعتراض اپنی سیاہ باطنی سے قائم کرتے ہیں اور اس اتفاق و اجماع پر بھی کہ اہلِ مکہ و مدینہ حسینؓ کو کیا چاہتے تھے اور یزید کو کیا -

۴ - حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی معاویہ کے زمانہ میں بیعتِ یزید سے انکار

فرمایا ہے۔ اور یزید کے فسق و فجور کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "من پیر شدم و دینِ من بہ صد ہزار درہم ارزاں است۔" اور معاویہ کے بھیجے ہوئے رشوت کے ایک لاکھ درہم کو واپس کر دیا تھا۔ جب یزید کو نا قابل و نا اہل جانتے تھے تب ہی تو ایسا فرمایا تھا۔ (روضۃ الصفاء)

پھر حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید کو زجر و توبیخ کا خط لکھتے ہیں اور حسینؑ کی شہادتِ عظمیٰ کو اسلام کی شہادت، اور مصیبت عظیم بتاتے ہیں۔ دیکھو تاریخ علامہ بلاذری جو حسینؑ کو ذبیح اللہ کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں

لمّا قتل ذبیح اللہ الحسین ابن علی کتب عبد اللہ ابن عمر الی یزید ابن معاویہ امّا بعد فقد عظمت الرزیۃ وجلت المصیبۃ وحدث فی الاسلام حدث عظیم ولا یومٌ کیوم الحسین۔ یعنی حسینؑ کی شہادت بہت بڑی مصیبت اور بڑا غمناک حادثہ ہے۔ اور اسلام میں ایک حادثۂ عظیم واقع ہو گیا۔ بلاشک مظلومیت و مصیبت کی رو سے حسینؑ کی شہادت کے دن سے بڑھ کر کوئی دن نہیں ہے۔

(معاذ اللہ) اگر یزید سچا امام اور جائز خلیفہ مفترض الطاعۃ تھا یا احکامِ اسلامی کے مطابق اس کی مخالفت اور انکارِ بیعت امتِ محمدیہ کے لیے مضر احکام دین کے خلاف تھا اور پھر حسینؑ نے اس کی بیعت و اطاعت سے انکار کیا اور حسینؑ اسی بیعت و اطاعت یزید کے انکار کی بنیاد پر شہید یا قتل ہوئے اور جیسا کہ واقعہ ہے سوائے بیعتِ یزید کے کوئی دوسرا مطالبہ بھی حسینؑ سے نہ تھا۔ پھر کیونکہ حسینؑ ذبیح اللہ اور سید الشہداء وغیرہ کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور یہ بزرگانِ دین معاذ اللہ اگر یزید کو حق بجانب اور سچا جانتے تھے۔ اور اس کے مقابل حسینؑ کو معاذ اللہ غلطی پر سمجھتے تھے تو اور حسینؑ کے

انکار بیعت و اطاعت کو منشاء اسلام اور احکام خدا و رسول کے خلاف جانتے تھے تو ان بزرگوں کا یزید کو اس طرح سخت زجر و توبیخ کے خطوط لکھنا اور شہادت حسینؑ کے واقعہ کو ایسا مصیبتناک واقعہ اسلام کے لیے بتانا کیونکر صحیح اور جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ نہیں نہیں بلاشک یہ سب بزرگان دین یزید کو ناقابل و نااہل خلافت و امارت فاسق و فاجر ظالم اور غاصب بے دین جانتے تھے اور حسینؑ کی صداقت و حقانیت اور فضل و شرف کو یقیناً تسلیم کیے ہوئے تھے۔

جناب سکینہ بنت الحسینؑ یزید کو کافر کے لفظ سے یاد کرتی ہیں:

۵۔ جناب سکینہ بنت الحسینؑ نے بھی لفظ کافر سے یاد فرمایا ہے۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۶۶ میں علامہ جریر طبری تحریر فرماتے ہیں۔ فکانت سکینہ تقول ما رایت رجلاً کافراً خیراً من یزید بن معاویہ یعنی جناب سکینہ فرمایا کرتی تھیں کہ ہم نے یزید بن معاویہ سے بہتر کسی کافر کو نہیں دیکھا۔ نور الابصار علامہ مومن شبلنجی ص۱۹۶، فصول المہمہ ابن صباغ مالکی ص۲۰۶

اخبار الہلال میں گزشتہ محرم سے جو بصائر و حکم کے عنوان سے تاریخی حیثیت سے واقعۂ شہادت امام حسینؑ شائع کیا گیا ہے اس میں بھی جناب سکینہ کا یہ قول درج کیا گیا ہے اور چونکہ زیادہ تر ابن تیمیہ ہی کے رنگ میں یہ مضمون لکھا گیا ہے۔ اس لیے فاضل مورخ نے یزید کی بریت ثابت کرنے کے لیے اور اس کے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے کافراً باللہ کا ترجمہ ناشکر گزار انسان فرمایا ہے اور کافر لکھنے سے احتراز کیا ہے۔ ہم آئندہ اس کو بھی تاریخی حوالہ جات سے بیان کریں گے کہ اہل بیت اطہار اسیران آل محمدؐ کے ساتھ اول اول یزید نے کیا سخت سلوک اور برتاؤ کیا۔ اور پھر لوگوں کی ناراضی کے اظہار پر عام ناراضگی پھیل

جلنے کے خوف سے بہ ظاہر ندامت اور نرمی کا طریق اختیار کیا تھا۔

۶ - اہلِ مدینہ اور شرفائے مکہ نے جیسا کچھ یزید کو بتایا ہے وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ تاریخوں اور کتابوں میں موجود ہے۔ امام حسن بصری کا قول نقل ہو چکا ہے۔ علاوہ حدیث و تاریخ کی دوسری کتابوں کے مستند تاریخوں ابوالفداء، طبری و کامل میں بھی مندرج ہے کہ یزید کو سکیر و خمیر خلاف شریعتِ اسلامی کھلم کھلا فسق و فجور کرنے والا ناقابل خلافت بیان فرماتے ہیں۔ اس کی خلافت کو گنا ہان مولقہ میں شمار کرتے ہیں۔

۷ - علامہ مسعودی کے اقوال و ارشادات بیان ہو چکے ہیں۔ علامہ موصوف یزید کو فرعون سیرت بلکہ فرعون سے بھی بدتر بتا رہے ہیں۔

۸ - علامہ جلال الدین سیوطی کے ارشادات اور فیصلے بھی تاریخ الخلفاء سے بیان کیے جا چکے ہیں۔

۹ - علامہ ابوالفداء علامہ جریر طبری اور علامہ ابن اثیر نے کامل مورخانہ حیثیت سے اپنی مشہور و مستند تاریخوں، تاریخ کبیر، طبری اور تاریخ کامل، تاریخ ابوالفداء میں بذیل واقعات بیعتِ یزید و شہادت امام حسینؓ اور واقعات حرہ مدینہ و مکہ یزید کے حالات فسق و فجور، شراب خواریوں اور ظلم و جور پر پوری روشنی ڈالی ہے۔

۱۰ - علامہ سبطِ ابن جوزی نے اپنے تذکرہ خواص الامہ میں جو کچھ یزید کے متعلق اپنے قلم محقق رقم سے تحریر فرمایا ہے۔ اس کو بھی ملاحظہ فرما لیا جائے علیحدہ فصل ہی یزید کے متعلق درج فرمائی ہے۔

علامہ سبطِ جوزی کا بیان یزید کے متعلق:

امام حسن بصری کے قول مندرجہ بالا کو نقل کر کے لکھتے ہیں وذکر جدی ابوالفرج فی کتاب الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید قال سألنی سائل فقال ما تقول فی

یزید بن معاویہ فقلت لہ یکفیہ ما بہ فقال اتجوز لعنہ فقلت قد اجازہ العلماء الورعون منھم احمد بن حنبل فانہ ذکر فی حق یزید ما یزید علی اللعنہ ص۱۱۱ ۔ یعنی میرے علامہ ابوالفرج نے مذمت یزید سے منع کرنے والے متعصب عنید کی رد میں جو کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک سوال کرنے والے نے یزید ابن معاویہ کے متعلق مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس کے لیے کافی ہے جیسا کچھ وہ ہے۔ پھر اس نے پوچھا۔ آپ اس پر لعنت کو جائز جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نیکوکار علماء جائز بتلاتے ہیں۔ ان میں سے ہی امام احمد حنبل ہیں کہ انہوں نے یزید کے حق میں لعنت سے بھی زیادہ فرمایا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ قال جدی اخبرنا ابوبکر الزار قال یحییٰ سالت احمد بن حنبل عن یزید بن معاویہ فقال ھو الذی فعل ما فعل قال نھب المدینہ قلت فتذکر عنہ الحدیث قال لا ولا کرامۃ لا ینبغی لاحد ان یکتب عنہ الحدیث ۔ یعنی میرے جدّ علامہ ابوالفرج نے بیان کیا کہ یحییٰ نے امام احمد حنبل سے یزید ابن معاویہ کے متعلق دریافت کیا۔ امام احمد حنبل نے فرمایا۔ یزید وہی شخص ہے جس نے کیا جو کچھ کیا۔ یحییٰ نے کہا یزید نے کیا کیا۔ احمد حنبل نے فرمایا۔ مدینہ کو لوٹا۔ یحییٰ کہتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ آیا یزید سے حدیث کی روایت کی جا سکتی ہے ؟ امام صاحب نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ اس کے لیے کوئی بزرگی نہیں۔ کسی شخص کو جائز نہیں کہ اس سے کوئی حدیث نقل کرے۔ وحکی جدی ابوالفرج عن قاضی ابوالعلی فی کتابہ المعتمد فی الاصول باسنادہ الی صالح بن احمد بن حنبل قال قلت لابی ان قوماً ینسبونا الی تولی

یزیدیہ فقال یا بنی وھل یتوالی یزید احد مومن باللہ فقلت فلم لا تلعنہ فقال وما رایتنی لعنت شیئاً یا بنی لم لا تلعن من لعنہ اللہ فی کتابہ فقلت واین لعن اللہ یزید فی کتابہ فقال فی قولہ تعالیٰ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم فاصمھم واعمی ابصارھم فھل یکون فساد اعظم من القتل قتل الحسین وفی روایۃ لما سائلہ صالح فقال یا بنی ما اقول فی رجل لعنہ اللہ فی کتابہ ص۱۶۲۔ تذکرہ - یعنی میرے جد علامہ ابوالفرج قاضی ابویعلی کی کتاب معتمد فی الاصول کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ امام احمد حنبل کے بیٹے صالح نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ امام احمد حنبل سے ذکر کیا کہ لوگ ہم کو یزید کے دوستوں میں منسوب کرتے ہیں تو امام احمد حنبل نے فرمایا کہ فرزند کیا خدا پر ایمان لانے والا شخص یزید کو دوست رکھ سکتا ہے میں نے کہا تو پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں فرماتے۔ اس کے جواب میں کہا کہ کیا تم نے مجھے کسی چیز پر لعنت کرتے دیکھا ہے؟ اے فرزند جس پر خدا لعنت کرے اس پر کیوں لعنت نہ کی جائے۔ میں نے کہا کہ یزید پر خدائے جلیل نے اپنے کلام میں کہاں لعنت فرمائی؟ تو امام احمد حنبل نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فھل عسیتم الخ (ترجمہ) پس کیا کوئی فساد قتل حسینؑ سے بڑھ کر اعظم ہو سکتا ہے؟ امام احمد حنبل اور ان کے بیٹے صالح کے اس باہمی مکالمہ سے صاف ظاہر ہے کہ امام احمد حنبل نے یزید کو مستحق لعنت قرار دیا۔ یزید باعث فتنہ وفساد ہے۔ اور بلاشک یزید پلید کافر ہے۔ امام احمد حنبل نے بلاشک اپنے صریح اور صاف الفاظ میں یزید کو کھلم کھلا کافر بھی فرمایا اور یزید پر لعنت بھی کی۔ جیسا کہ علامہ سبط ابن جوزی

اور دیگر علمائے عالی قدر کی تصانیف میں امام احمد حنبل کے صریح اقوال درج ہیں۔

وقال جدّی صنف القاضی ابو العلی کتاباً ذکر فیہ ممن لیستحق اللعن وذکر منھم یزیداً فان قیل فقد قال النبی اول جیش یغزوا القسطنطینیہ مغفور لہ ویزید اوّل غزاھا قلنا فقد قال النبی لعن اللہ من اخاف مدینتی والآخر ینسخ الاوّل قال احمد فی المسند ان رسول اللہ قال من اخاف اھل المدینہ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ الملائکۃ والناس اجمعین ولا تقبل اللہ یوم القیامۃ صرفاً ولا عدلاً وقال البنی عن عائشۃ قالت سمعت سعداً تقول سمعت رسول اللہ تقول لا یکید احد اھل المدینہ الا انماع کما ینماع الملح فی الماء واخرجہ مسلم ایضاً ولا خاف ان یزید اخاف اھل المدینہ وسبی اھلھا ونھبھا واباحھا وتسمی وقعۃ الحرہ واما قولہ اول جیش یغزو القسطنطینیہ فانما یعنی ابو ایوب الانصاری لانہ کان فیھم

(ترجمہ) سبط ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ میرے جدّ علامہ ابو الفرج نے کہا کہ قاضی ابو العلی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مستحق لعن ہیں اور ان میں یزید کو بھی شمار کیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ اوّل وہ لشکر جو قسطنطنیہ پر چڑھائی کریگا وہ بخشا جائیگا اور یزید اوّل قسطنطنیہ میں جنگ پر جانے والا ہے تو ہم اسکے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت اس پر ہے جو میرے شہر مدینہ کے لوگوں کو ڈرائے گا پس اس آخری حدیث نے پہلی حدیث کو منسوخ کر دیا۔ امام احمد حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ پر ظلم کرکے ڈرائے خدا اسکو ڈرائے گا اور اس پر ملائکہ اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہے اور خدا قیامت کے دن نہیں قبول فرمائیگا۔ صرفاً ولا عدلاً۔ بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ سعد سے ہم نے سنا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص مدینہ والوں سے

بہ مکر پیش آئے۔ خدا اس کو اسی طرح عذاب میں پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی ایسا ہی ہے اور اس میں کوئی شک و اختلاف نہیں کہ یزید نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا ان کو اسیر کیا۔ مدینہ کو لوٹا۔ فواحشات کو مباح کیا۔ اسی کا نام واقعۂ حرہ ہے اور رسول اللہ کا قول قسطنطنیہ کے اول لشکر کے متعلق جو ہے بس اس سے ابوایوب انصاری مراد ہیں کیونکہ وہ وہاں ان میں موجود تھے۔

پھر واقدی ابنِ سعد اور مدائنی سے واقعۂ حرہ کے مصیبتناک حالات کو بیان کیا ہے۔ قریش مہاجرین انصار کے قتل اور تین روز تک مدینہ کو لوٹے جانے، قبرِ رسولؐ تک خون کی ندیاں بہنے، یزید کے لیے بیعتِ غلامی لیے جانے اور فواحشات کا بیان درج کیا ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ قال الشعبی الیس قد رضی یزید بذالك وامر به وشکر مروان بن الحکم علی فعله ثم سار اسلم بن عقبه من المدینه الی مکة فمات فی الطریق ماوصی الی حصین بن نمیر فضرب الکعبه بالمنجنیق وهدمها ومزقها وجاء نعی یزید لعنه الله فی ربیع۔

وقال جدی لیس العجب من قتال ابن زیاد الحسین ولسلیطه عمر بن سعد علی قتله والشمر وحمل الرؤس الیه وانما العجب من خذلان یزید وضربه بالقضیب ثنایاه وحمل آل رسول الله سبایا علی اقتاب الجمال وعزمه ان یدفع بنت الحسین الی الرجل الذی طلبها والشادة ابیات ابن الزبعری لیت اشیاخی ببدر شهدو ورده الرؤس المدینه وقد تغیرت ریحه ماکان مقصوده الا الفضیحة واظهار رائحه الرأس افیجوزان یفعل هذا ما بخوارج الیس باجماع المسلمین ان الخوارج والبغاة یکفنون ویصلی علیهم ویدفنون وکذا

قول یزید لی ان اسبیکہ لما طلب الرجل فاطمہ بنت الحسین قول لا یقنع لقائلہ وفاعلہ ما اللعنۃ ولو لم یکن فی قلبہ اعتقاد جاہلیۃ واضغان بدریہ لاحترم الراس لمّا وصل الیہ ولم یضربہ بالقضیب وکفنہ ودفنہ واحسن الی آل الرسول اللہ (ترجمہ)

قلت والذی یدل علی بہ وانہ استدعی ابن زیاد الیہ و اعطاہ اموالاً کثیرۃ وتحفاً عظیمۃً وقرب مجلسہ ورفع منزلتہ وادخلہ علی نسائہ وجعلہ ندیمہ وسکر لیلۃ وقال للمغنی غن ثم قال یزید ایھا السقنی شربۃً تروی فوادی + ثم مل فاسق مثلھا ابن زیاد صاحب . ستر والامانت حمدی ولتسدید مغنمی وجہادی - قاتل الخارجی اعنی حسیناً (معاذاللہ من ذالک الھفوات الملعونہ) ومبید الاعداء والحساد

وقال ابن عقیل مما یدل علی کفرہ وزندقتہ فضلاً عن سبّہ ولعنتہ اشعارہ التی افصح بھا بالحاد وابان خبث الضمار ولسوء الاعتقاد (ترجمہ)

پھر یزید کے شراب وکباب کے اشعار جو اس کے کفر و زندقہ پر دلالت کرتے ہیں درج کیے ہیں....

پھر لکھتے ہیں کہ ان جماعۃ سئلوا جدی عن یزید فقال ما تقولون للرجل ولّی ثلاثہ سنین فی سنۃ الاولی قتل الحسین فی الثانیہ اخاف المدینہ واماجہاد فی الثالثہ رمی الکعبہ بالمجانیق وھدمہا فقالوا فنلعن فقال فالعنوہ .

غرضکہ یزید کے ان حالات بد کو اس کی بے دینی اور کفر و زندقہ کے اشعار

کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ اس کے حالات کو اگر دیکھنا چاہو تو علامہ ابوالفرج کی کتاب مسمی بالرّد علی المتعصب العنید کو دیکھو تذکرہ سبط ابن جوزی صلا۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴ و ۱۶۵

۱۱- علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں تحریر کرتے ہیں ص۱۰۲- بعضھم اطلق اللعن علیہ (یزید) لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتلہ وامر بہ واجازہ ورضی بہ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانتہ اھل البیت النبی مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احاد فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ (ترجمہ)

۱۲- اسعاف الراغبین علامہ شیخ محمد صبان ص۱۹ وقد قال الامام احمد بکفرہ وماھنك بہ ورعاً وعلماً مقتضیاء انہ لم یقل ذالك الا لما ثبت عندہ من امور صریحۃ دفعت منہ توجب ذالك ووافقہ علی ذالك جماعۃ کابن الجوزی وغیرہ واما فسقہ فقد اجمعوا علیہ - امام احمد حنبل یزید کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں - ان کا تقدس اور علم اس امر کا مقتضی ہے کہ انھوں نے یہ فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جب تک ان کو صریح طور پر یزید کے وہ افعال جو موجب لعنت ہیں ثابت نہیں ہو گئے اور اسی پر ایک جماعت علماء نے مثل ابن جوزی وغیرہ کے اتفاق کیا ہے اور یزید کے فاسق ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔

۱۳- صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی ص۱۳۲ وبعد اتفاقھم علی فسقہم واختلفوا فی جواز لعنہ بخصوص اسمہ منھم ابن الجوزی ونقل عن

احمد وغیرہ صنف قاضی ابو یعلی کتابا ذکر فیہ بیان من یستحق اللعن وذکر منھم یزید وذکر حدیث من اخاف اھل المدینہ ولاخلاف ان یزید غزالمدینہ بجیش واخاف اھلھا انتھی والحدیث الذی ذکرہ رواہ مسلم ووقع من ذالک بجیش من القتل والفساد المعظم والسبی واباحۃ المدینہ ماھو مشھور حتیٰ فض نحو ثلثمایۃ بکر و قتل من الصحابہ نحو ذالک وممن قراء القران نحو سبعمایۃ نفس وابیحت المدینہ ایاما وتترک الجماعۃ من المسجد النبوی ایاما واختفت اھل المدینۃ ایاما فلم یمکن احد دخول المسجد حتی دخلت الکلاب والذئاب وبالت علی منبرہ تصدیقا لما اخبر النبی ولم یرض امیر ذلک الجیش الا بان یبایعوہ لیزید علی انھم خول ان شاء باع وان شاء اعتق فذکر لہ بعضھم البیعۃ علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ فضرب عنقہ وذالک فی وقعہ الحرہ السالقہ ثم سار جیشہ ھذا الی قتال ابن الزبیر فرموا الکعبہ بالمنجنیق واحرقوہ بالنار فای شیئ اعظم من ھذہ القبایح التی وقعت فی زمنہ ناشیۃ عنہ وھی مصداق الحدیث السابق لایزال امر امتی قائماً بالقسط حتی یثلمہ رجل من بنی امیہ (ترجمہ)

یزید کے فسق و فجور اور خباثت کا اقرار کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یزید نے قتل حسینؑ کا حکم دیا تھا۔

۱۴۱۔ نزل الابرار فی معرفۃ اہل بیت الاخیار ص۹۸ علامہ مرزا محمد بدخشی شہادت

امام حسینؓ کا واقعہ لکھ کر تحریر کرتے ہیں۔ ولھذا لوقائع لسط" لایحتملھا القلب السمع وانما ذکرنا مایقال من الکثیر وفیه کفایة" للجرم لبشقاوة هولاء الضالین ولیظهر من هذه الطامة الکبری من وقعة التی وقعت بالمدینة فی اخر امرة یزید وهی مشهورة مزید شقاته وسفذ لانه وتحقق انه لم یندم علی ما صدر منه بل کان مصراً علی ذنبه مستمرا فی طغیانه الی ان اقاد منه المنتقم الجبار واوصله الی درکات النار (ترجمہ)

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں العجب من جماعة یتفقهون فی امرہ ویتنزهون من لعنه وقد اجازه کثیر من الائمه منهم ابن الجوزی۔

یعنی تعجب ہے اس جماعت سے جو یزید کے معاملہ میں ساکت ہیں اور اس پہ لعنت کرنے سے گریز کرتے ہیں حالانکہ ائمہ دین کی کثیر جماعت نے اس پر لعنت کرنی جائز بتائی ہے۔ منجملہ ان کے ابن جوزی جو از روئے علم و جلالت عالی قدر ہیں اس کے بعد ابن جوزی کی عبارت نقل فرمائی ہے اور امام احمد حنبل اور ان کے بیٹے صالح کے اقوال لکھے ہیں جو بیان ہو چکے ہیں۔ ص۹۸، ص۹۹

۵:- فقیہ شافعی فرماتے ہیں۔ سئیل الکیا عن یزید ابن معاویه فقال انه لم یکن من الصحابه لانه ولد فی ایام عمر بن الخطاب واما قول السلف ففیه لاحمد قولان تلویح وتصریح" ولمالک فیه قولان تلویح وتصریح ولابی حنفیه قولان تلویح وتصریح ولنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لا یکون کذالک وهو اللاعب بالنرد والمتصید بالفهود ومدمن الخمر وشعره فی الخمر

معلوم ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ (ترجمہ)

۱۶۔ علامہ سید آلوسی تفسیر روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۱۲۹ میں لکھتے ہیں:۔

لا یتوقف فی لعن یزید و تکفیرہ بکثرۃ اوصاف الخبیثہ وارتکابہ الکبائر فی جمیع ایام تکلیفہ ویکفی ما فعلہ ایام استیلائہ باھل المدینہ ومکہ فقد روی الطبرانی بسند حسن اللھم من ظلم اھل المدینہ واخافھم فاخافہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکہ والناس اجمعین لاتقبل منہ صرف ولا عدل الطامۃ الکبریٰ ما فعلہ باھل البیت من الاذی وقتلہ الحسین مما ثبت بتواتر المعنی وفی الحدیث ستۃ لعنھم اللہ وفی روایۃ لعنھم اللہ وکل نبی مجاب الدعوات المحرف لکتاب اللہ والمکذب بقدر اللہ والمتسلط بالجبروت لیعز من اذل اللہ ولیذل من اعز اللہ المستحل من عترتی والمستحل بحرم اللہ والتارک لسنتی وقد جزم بکفرہ وصرح بلعنہ جماعۃ من العلماء منھم الحافظ ناصر السنۃ ابن جوزی وسبقہ قاضی ابو یعلی وقال العلامۃ التفتازانی نحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ وممن صرح بلعنہ الجلال الدین السیوطی (ترجمہ)

۱۷۔ شرح صحیح بخاری قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۲۴ و ۸۵ اور جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۹ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی اس حدیث کو نقل فرما کر رسول اللہ نے فرمایا۔ اول جیش فی امتی لیغزون مدینہ قیصر (ملک الروم یعنی قسطنطنیہ) مغفور لھم یعنی "میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر بادشاہ روم کے شہر قسطنطنیہ پر جنگ کرے گا وہ لوگ مغفور اور بخشے ہوئے ہیں" اس کی شرح لکھتے ہیں کہ اول لشکر اسلام

جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی وہ یزید بن معاویہ کا تھا جس میں سادات اصحاب مثل ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری کے شامل تھے جو اسی جنگ میں فوت ہوئے یعنی ابوایوب انصاری۔ پس اس سے مہلب نے یزید کی خلافت اور مغفرت پر استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب میں یہ دیتا ہوں:۔

اُجیب بانّ ھٰذا اجار علی طریق الجمعیۃ لبنی امیۃ ولا یلزم من دخولہ فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا خلاف ان قولہ علیہ السلام والصّلوٰۃ مغفورٌ لھم مشروط بکونہ من اھل المغفرۃ حتی لو ارتد ممّن غزاھا بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً قالہ ابن المنیر وقد اطلق بعضھم فیما نقلہ المولی سعد الدّین اللعن علیٰ یزید لما انّہ کفر معین امر لقتل الحسین واتفقوا علیٰ جواز اللعن علیٰ من قتلہ او امر بہ او اجازہ ورضی بہ والحق ان رضی یزید لقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانۃ اھل البیت النبی مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلھا احاداً فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ انصارہ واعوانہ یعنی اس کا یہ قول بنی امیہ کی حمیت اور طرفداری کی وجہ سے ہے اور اس عام لفظ میں یزید کا شامل ہونا لازم نہیں اور دلیل خاص کے بغیر وہ نکل سکتا۔ اس میں کوئی اختلاف اور کلام نہیں ہے کہ حضرت کے اس قول مغفور لہم کے لیے شرط ہے کہ اہلِ مغفرت سے ہو اور اس پر اتفاق ہے کہ جو جنگ قسطنطنیہ والوں میں سے مرتد ہوگیا وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ابن منیر نے ایسا کہا ہے اور بہ تحقیق مولانا سعید الدین نے نقل کیا ہے

کہ بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے اس لیے کہ جب یزید نے قتل حسینؓ کا حکم دیا تو اسی وقت وہ کافر ہوگیا اور متفق علیہ امر ہے کہ حسینؓ کو قتل کرنے والا اور قتلِ حسینؓ کا حکم دینے والا یا اس کی اجازت دینے والا اور قتلِ حسینؓ پر راضی و خوش ہونے والا ضرور مستحقِ لعنت ہے اور یہ بات بالکل حق اور صحیح ہے اور بتواتر معنی ثابت ہے۔ گو تفصیلِ حالات میں جدا جدا بیان ہے کہ یزید قتلِ حسینؓ سے راضی تھا اور وہ اس سے خوش ہوا اور اہلبیتِ نبیؐ کی اس نے اہانت کی۔ پس ہم اس کی شانِ خلافت کو تو کیا اس کے ایمان کے بھی قائل نہیں۔ اس پر اس کے اعوان و انصار، مددگاروں اور حمایتیوں سب پر لعنتِ خدا ہے۔

۱۸۔ اتحاف لحب الاشراف ص۲۱ ۔ ولا شك عاقل ان يزيد ابن معاويه هو قاتل الحسين لانه الذى ندب عبيد الله ابن زياد لقتل الحسين عليه السلام۔

"کسی عقل والے کو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یزید ابنِ معاویہ حسینؓ کا قاتل ہے کیونکہ اسی نے ابنِ زیاد کو قتلِ حسینؓ کا حکم دیا اور آمادہ کیا۔

۱۹۔ مولانا شاہ عبدالحق دہلوی کی مدارج النبوۃ اور جذب القلوب کو ملاحظہ فرما لیا جاوے۔ یزید کو لفظِ شقی سے یاد فرماتے ہیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی فتاویٰ کو دیکھا جائے۔ جلد سوم ص۳۔ لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید چونکہ باتفاق مسلمانوں کا امیر تھا اس کی اطاعت (معاذ اللہ) امام حسینؓ پر واجب تھی (جیسا کہ ابنِ تیمیہ کا عقیدہ اور مذہب ہے) وہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے کہ حسینؓ کی موجودگی میں وہ امیر کہاں ہے۔ ندانستند کہ وے باوجود امام حسینؓ امیر شود اتفاق مسلمانان کے شد جماعتے از صحابہ و اولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند۔ پھر لکھتے ہیں

کہ اس کی شراب خوری، زنا کاری، ترکِ نماز اور محرمات شرعیہ کو جائز کر دینے کے حالات کو دیکھ کر اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؓ نہ کردہ نہ برآں راضی بود و نہ بعد از قتل وے و اہلِ بیت وے مستبشر شد۔ کہتے ہیں یہ بھی باطل ہے۔ ایں سخن نیز باطل است اور اس کے بعد علامہ تفتازانی کا وہ ہی قول نقل فرمایا ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ صحیح اور حق بات یہی ہے کہ یزید قتلِ حسینؓ پر راضی تھا۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ قتلِ امام حسینؓ گناہِ کبیرا است نہ کفر و لعنت مخصوص بکفار است نازم بر فطانت ایشاں کہ ندانستند کہ کفر یکطرف خود ایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد قال اللہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ وبعضے دیگر میگویند کہ حال خاتمہ وے معلوم نیست شاید کہ وے بعد از ارتکاب ایں کفر و معصیت توبہ کردہ شد مثل غزالی در احیاء العلوم ایں طرف است (وہ ہی امر جو ابن تیمیہ لکھتا ہے) مخفی مباد کہ احتمال توبہ و رجوع از معاصی احتمالے است والاّ آں بے سعادت آنچہ در دین اُمت کردہ ہیچ کس نہ کردہ باشد پسرش معاویہ بر سر منبر زشتی حال پدر خود بیان کردہ و بعضے بیباکانہ بلعن آں شقی تجویز می سازند مثل امام احمد حنبل و علامہ ابنِ جوزی و تفتازانی بکمال جوش و خروش بر وے و بر انصار و اعوان وے لعنت کردہ اند و بعض توقف کردہ اند مسلک آنہم آں است کہ آں شقی را بمغفرت و ترحم ہرگز یاد نہ باید کرد۔

عنـ۲ـ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی مرحوم جن کی تحقیق اور علم و فضل محقق و مسلّم حضرات اہلسنت والجماعت ہے۔ اپنی کتاب لغتہ الرائد فی شرح العقائد صـ۹۶ـ میں یزید کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"بعضے در لعنت بر یزید شقی توقف کنند ...... و بعضے

براہِ غلو وافراط درشان وے روندو گویند امارت او باتفاق مسلمانان شد اطاعت وے بر امام حسینؓ واجب بود و بخدا پناہ ازیں قول و اعتقاد کہ وے باوجود امام حسینؓ امام وامیر شود و اتفاق مسلمانان کجا است جمع از صحابہ واولاد ایشاں کہ در زماں آں پلید بودند انکارش کردند و از اطاعت او بیرون رفتند و بعضے از اہلِ مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند ووے تارک الصلوٰۃ و شارب خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود و بعضے بروے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد وامثال ایشاں و ابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتلِ حسینؓ کافر شد و کسے کہ قتل وے کرد امر بدان نمود بر جواز لعن وے اتفاق کردہ اند۔"

علامہ تفتازانی کے مندرجہ بالا قول کو نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں۔

"بالجملہ وے مبغوض ترین مردم است نزد اکثر مردم و کارہائے کہ آں بے سعادت دریں امت کردہ از دست ہیچ کس ہرگز نیاید بعد قتل امام حسین لشکر بہ تخریب مدینہ منورہ فرستاد و بقیہ صحابہ و تابعین را امر بقتل کرد و بالحاد در حرم مکہ و قتل عبداللہ ابن زبیر اشارت نمود و ہم دریں حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ دیگر احتمال توبہ و رجوع او کجا است فقط۔"

۲۱ مفتی اکرام الدین مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے اپنی کتاب سعادت الکونین فی فضائل حسینؓ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"در آثار التنزیل آمدہ۔ یزید نام شخصے است کہ متغلب شد و قتل امام حسینؓ کردہ و نیز ہرگاہ کہ امام حسینؓ مقتول شد

ابن عباس لبسوئے یزید نوشت کہ من امید دارم کہ خدائے تعالیٰ ترا ملک ندارد و بعد کشتن تو حسینؓ را ترا باں عقوبت گرفتار کند و از دنیا بر گناہ ببرد' پس ابن عباس کہ فقیہ امت بود نسبت قتل بہ یزید کردہ کہ او امر و راضی بود و در اخبار متواتر است کہ بارہا مصطفیٰؐ می فرمود کہ از نسل معاویہ فرزندے آید یزید نام کہ فرزندم را ایذا از وے رسد پس یزید بے شک قاتل امام حسین است و انچہ کہ لشکر وے کار کرد بامر و رضائے وے کرد و در قصص بخاری میگوید در آں ساعت کہ سر مبارک حسینؓ را پیش یزید آوردند یزید شاد و خمر خورد از سر مبارک انواع اہانت میکرد چوں خبر بہ بعضے صحابہ رسول خدا رسید گریاں بیامدند و گفتند کہ اے ملعون چہ می کنی ایشاں را گردن بزد پس بعضے گویند ہفت تن از صحابہ بودند از امام شافعی روایت است کہ بعد قتل حسینؓ فرزندان و منکوحہ وے را یزید لعین در دمشق بگردانید یزید لعین سر مبارک حسینؓ را نواع اہانت کرد۔"

پھر لکھتے ہیں کہ :۔

"حاصل آنکہ چوں یزید قتل حسین و تخریب مدینہ منورہ و اہانت اہلبیت و حرم رسول خدا و گستاخی از کعبۃ اللہ و شہادت صحابہ سید انبیاء نمود زنا و لواطت و شرب خمر و دیگر معاصی مباح گردانید بالقطع وے کافر باشد پس لعن بروئے جائز است ہکذا مذہب اہلسنت"

ص۹۷ و ص۹۸۔

یزید کے سیاہ چہرہ پر توبہ و استغفار کا غازہ لگانے کی بھی ابن تیمیہ نے بہت کوشش فرمائی ہے لکھتے ہیں کہ کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے

بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا سیئات کو دُور کرنے والے حسنات انجام نہیں دیے یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا، مگر شک وشبہ کی کھائیاں اور بنی امیہ کی محبت و حمیت کے ہاتھوں سے کھودی ہوئی احتمالی خندقیں روایت و درایت کے زبردست لشکروں اور یقین کے پُر زور حملوں کو نہیں روک سکتیں۔

یزید کے بے وجود توبہ واستغفار اور ندامت و رجوع کرنے کی یہ جھوٹی ٹٹیاں بھی جو ابن تیمیہ نے احتمالی گرہیں لگا کر شبہ وشک کی رسیاں باندھ کر تیار کی ہیں ان کو بھی علمائے جلیل القدر علامہ محمد جان بدخشی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھوپالی کی ان سچی آتش فشانیوں نے جلا کر خاک سیاہ کر دی ہیں۔ غالباً ابن تیمیہ قتل امام حسینؑ اور ذریۂ آلِ رسولؐ کی اہانت کے سنگین جرائم نیز زناکاری و شراب خواری وغیرہ محارم شرعیہ کے حلال کرنے کے گناہان موبقہ کا کفارہ مدینہ و مکہ کے قتل و غارت کو قرار دیتے ہیں

۲۲ علامہ جریر طبری نے اپنی مشہور و مستند اور مسلّمہ تاریخ کبیر میں جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے اس کی گیارھویں جلد میں اسی شاہی فرمان اور کتاب کو نقل کیا ہے جو معتضد باللہ عباسی خلیفہ کے زمانہ میں دربارِ خلافت کے حکم سے لکھی گئی اور شائع کی گئی تھی اس میں بنی امیہ ابو سفیان اور امیر معاویہ کے معائب و مثالب اور بالخصوص ان کے اسی فرزندِ ارجمند ابن تیمیہ کے خلیفہ و امیر یزید ابن معاویہ کے فسق و فجور کو ظاہر کیا۔ نیز یزید کے کفر و زندقہ دشمنِ اسلام مخالفِ رسول، بے دین و بے ایمان ہونے پر بخوبی سچی روشنی ڈالی گئی ہے اس فرمان و کتاب کی پوری نقل تاریخ طبری میں موجود ہے۔ ہم نے اس کے مکمل ترجمہ کو ملاحظۂ ناظرین کے لیے علیحدہ لکھ کر شامل رسالہ ہذا کر دیا ہے۔ یزید خبیث کے وہ اشعار جن میں اس نے قیامت اور رسالت سے کھلم کھلا انکار کیا ہے اپنے

نجس و ناپاک کا فرکشتگان بدر کا بدلہ ذرّیتہ رسول جوانانِ آل محمدؐ سے لے لینے کا فخریہ ذکر کیا ہے۔ تاریخ طبری میں اسی مقام پر موجود ہیں۔ لکھتے ہیں فقال مجاہراً لکفرہ و مظہراً لشرکہ۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا — جزع الخزرج من وقع الاسل
قد قتلنا القوم من ساداتکم — وعدلنا میل بدر فاعتدل
فاھلوا واستھلوا فرحاً — ثم قالوا یا یزید لا تشل
لست من خندف ان لم انتقم — من بنی احمد ما کان فعل
لعبت ھاشم بالملک فلا — خبر جاء ولا وحی نزل

ھذا ھو المروق من الدین و قول من لا یرجع الی اللہ ولا الی دینہ ولا الی کتابہ ولا الی رسولہ ولا یومن باللہ ولا بما جاء من عند اللہ الخ ص۳۵۸

یعنی یزید نے اپنے کفر و شرک کو ظاہر کرنے کے لیے یہ شعر پڑھے ہیں۔
"کاش میرے (یزید کے) بزرگ جو بدر میں مارے گئے آج دیکھتے قبیلۂ خزرج کے تیر کھا کر جزع فزع اور اضطراب کرنے کو، بلاشک یقیناً ہم نے تمھارے سرداروں کے بھی سردار کو قتل کر دیا ہے اور ہم نے بدر کی کمی اور کجی کو نکال کر برابر ہو گئے اور بدلہ لے لیا پس وہ خوشی سے چلاتے پکارتے اور کہتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو (شاباش آفرین) بس میں (یزید) اولاد خندف سے نہ ہوں۔ اگر اولاد احمد (نبی مرسلؐ) سے جو کچھ انھوں نے (ہمارے ساتھ سلوک کیا ہے) اس کا بدلہ ان سے نہ لے لوں پس (معاذاللہ) بنی ہاشم نے ملک گیری کے لیے ایک کھیل کھیلا تھا نہ کوئی وحی اُتری نہ کوئی خبر آئی۔ یہ سب ڈھکوسلا تھا (معاذاللہ)

حضرت عبداللہ ابنِ عباس نے بھی اپنے اِس خط میں جو یزید کو بعد شہادتِ حسینؑ اور واقعہ کربلا لکھا ہے اور جو تاریخ کامل اور سبطِ ابن جوزی میں درج ہے یزید کے انھیں اشعار کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تو نے حسینؑ اور آلِ رسولؐ کو قتل کرکے اپنے خیال و گمان میں اپنے مشرک و کافر نجس و ناپاک بزرگوں مقتولینِ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ یزید کے یہ اشعار مستند اور معتبر مورخین اور متعدد علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں درج فرمائے ہیں۔ تذکرہ سبط ابن جوزی ص۱۴۸ صواعق محرقہ ینابیع المودۃ ص۳۲۵ نزول الابرار۔ علامہ بدخشی ص۹۷، اتحاف لحب الاشراف ص۱۸ وسیلہ النجات ص۲۹۹ سعادت الکونین ص۶۳ وغیرہ میں یزید کے بیان کیے ہوئے یہ شعر موجود ہیں۔

ص۲۳ علامہ سید آلوسی نے تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص۱۲۶ اور تذکرہ خواص الامہ سبطِ ابن جوزی ص۱۴۸ میں یزید کے دو شعر اور بھی اسی مضمون کے ہیں کہ حسینؑ کو قتل کرکے میں نے اپنا قرضہ رسول اللہ سے چکا لیا ہے۔ علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ قال مجاهد وقال الزهري لما جاءت الرؤس كان يزيد في منظرة على جيرون فانشد لنفسه لما راءت تلك الحمول واشرقت تلك الشموس على ربا جيرون، لغب الغراب فقلت صح او لا تصح فلقد قضيت من الرسول الغريم ديوني قال مجاهد فوالله لم تبق في الناس احد الا من سبه وعابه وتركه - تذکرہ ابن جوزی ص۱۴۹

مجاہد اور امام زہری بیان کرتے ہیں جب شہیدوں کے سر شام کو آتے ہوئے جیرون کے ٹیلے سے بلند نظر آئے تو یزید نے یہ شعر پڑھے۔

ترجمہ:۔ بچوں نے چلانا اور نوحہ کرنا شروع کیا میں نے کہا کہ نوحہ کرو

یا نہ کرد میں نے تو رسول اللہ سے اپنا قرضہ چکا لیا یعنی بدلہ لے لیا۔

مجاہد کہتے ہیں قسم خدا کی عام لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جس نے یزید کو بُرا بھلا نہ کہا ہو اور اس کو چھوڑ نہ دیا ہو۔

۲۴ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کی بھی دیکھ لی جاوے کہ وہ یزید کے متعلق کیا تحریر فرماتے ہیں اور یزید کے انھیں اشعار کی طرف ان کا بھی اشارہ ہے۔

شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص۸۸۔ اختلف فی اکفار یزید قیل نعم یعنی لما روی عنہ ما یدل علی کفرہ من تحلیل الخمر ومن تفوھہ بعد قتل الحسین واصحابہ انی جازیتھم بما فعلوا باشیاخ قریش وصنادیدھم فی بدر وامثال ذالک و لعلہ وجہ ما قال الامام احمد بتکفیرہ لما ثبت عندہ یعنی یزید کو کافر بتانے میں اختلاف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ کافر تھا کیونکہ اس کے ایسے اقوال وافعال بیان کیے گئے ہیں جو اُس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا شراب کو حلال جاننا اور اصحاب حسینؓ وامام حسینؓ کے قتل کے بعد اس کا یہ بکواس بکنا کہ حسینؓ کے ساتھیوں نے اس سلوک سے ان کے فعل کا جو انھوں نے سرداران و شیوخ قریش سے بدر میں کیا تھا بدلہ لیا ہے اور اسی قسم کی بکواس اور غالباً یہی اسباب ہیں اور یہی باتیں ہیں کہ امام احمد حنبل نے یزید کے کفر کا فتویٰ دیا جبکہ یزید کے یہ افعال (قبیح) ان پر ثابت ہو گئے۔

۲۵ وسیلۃ النجاۃ مولانا محمد مبین حنفی فرنگی محلی ص۲۹ فرج یزید کی شقاوت کو بیان کرتے ہوئے شہادت امام حسینؓ کا واقعہ تحریر فرما کر لکھتے ہیں:۔

"رئیس ایں مفسداں و سرداراین بدبختاں یزید لعین بود بدیدن سر مبارک آں سرور دین شاد و شادماں گردید واستخفاف و استحقار اہلِ بیت نبوت بکلی کرد۔

پھر لکھتے ہیں: یزید وبنوالحکم فہم ملعونون علی لسان النبی یزیداور حکم کی اولاد مروان وغیرہ پر رسول کریم نے لعن فرمائی ہے پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"ابوہریرہ ہمیشہ استعاذہ از امارت شصت سال می نمود اللّٰھم انی اعوذبک من راس الستین وامارۃ الصبیان وآں امارت یزید بدبخت بود کہ رسولِ خدا فتنہ وفساد با ابی ہریرہ بیان فرمود واز نام آں بدبخت ہم بہ ابی ہریرہ خبرداده بود وابوہریرہ می گفت کہ اگر بخواہم نام او برزبان بیارم لیکن مرا زندہ نخواہد گزاشت وعن ابی ہریرہ سمعت رسول اللہ یقول اول من عدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید چنانچہ یزید پلید بدبخت ستون دین وبنیاد خانہ حضرت سیدالمرسلین را برانداخت وعمارت ایمان وقصر امن وامان را منہدم ساخت بزرگے نوشتہ کہ کاریکہ یزید کرد کہ کافر فرنگ ہم نہ کردہ باشد بعد شہادت آنحضرت خانہ کعبہ را نیز خراب کرد ودرآنجا بدعتہا پدید آورد ومدینہ منورہ را حکم دارالحرب داد ودر مسجد نبوی اسپہا لبستہ وصحابہ سید الوریٰ کہ آنجا بودند ہمہ را بے عزت وبے حرمت کرد وزناں آنجا را مباح گردانیدہ امر بہ زنا کرد وخود بہ شراب مخمور ومست میماند۔

پھر یزید کی موت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"روزے بشرب شراب اقدام نمود درو قتیکہ مست وبے شعور بود برخاست وآغاز رقص کرد ودرآں اثنا بعذاب عاجل واجل گرفتار گشتہ بیفتاد وفرق سرش برزمین خوردہ شد تادرک اسفل دریچ محل قرار بگرفت ص۲۹۲ وص۲۹۴۔

۲۶ سعادت الکونین فی فضائل الحسنین مفتی محمد اکرام الدین نبیرہ شاہ عبدالحق

دہلوی صـ۳۷ پر جناب سرورِ عالم کی ان احادیث شریف کو نقل فرماکر جو شہادتِ امام حسینؑ کے متعلق ہیں تحریر کرتے ہیں :۔

"طبرانی از معاویہ آورد کہ آنحضرتؐ فرمود خدا برکت ندہد بہ یزید خبر دادہ شد بقتلِ حسینؑ و آوردہ شد بمن خاک مقتل آں و آگاہی دادند بقاتل آں و ابن عساکر نیز حدیثے آوردہ کہ در آں نام یزید است و در وے طعن ولعن صریحاً آمدہ و لفظِ یزید در حدیث دیگر نیز آمدہ است کہ آنرا ابویعلیٰ و حافظ ابو عبداللہ نعیم بہماں الفاظ و ابنِ عقبہ و ابویعلیٰ والرویانی و حافظ ابوبکر محمد بن اسحٰق خزیمۃ السلمیٰ نیشاپوری و بیہقی و ابنِ عساکر و ضیاء و ابوذر آوردہ کہ آنحضرتؐ فرمود اوّل کسیکہ طریقہ مرا تغیر خواہد داد شخصے خواہد شد از بنی امیہ کہ اورا یزید گویند۔"

بعد ازاں خاتمہ صـ۹۷، ۹۸ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"یزید کافر باشد ولعنت بر و درست است زیرا کہ وے امام حسینؓ را قتل کردہ و من قتل مومناً متعمداً فجزاہ جہنم الخ پس وے قتل وے کردہ بہ تحقیق کافر و دوزخی باشد۔"

یزید کے متعلق سراقبال کی رائے

اِس صدی کے نامور محقق فخرِ قوم علامہ سراقبال بھی یزید شقی کو علامہ مسعودی کی طرح فرعون سیرت کافر بتاتے ہیں اور اس کے مقابل حسینؑ کو مثیل موسیٰؑ جانتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے شعر دیکھو ؎

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید   این دو قوّت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوّت شبیری است   باطل آخر داغِ حسرت میری است

بلاشک اگر یزید بے دین کے کفر و زندقہ اور فسق و فجور کے حالات اور اس کے

متعلق حضرات علمائے عالی قدر بزرگانِ اسلام کے بیانات وارشادات کو جمع کیا جائے تو یقیناً ضخیم کتابیں تیار ہوسکتی ہیں ہم نے جسقدر بیان کیا ہے۔ یہ بھی ایک صاحب بصیرت کے لیے بہت کافی بلکہ کافی سے زیادہ ہے۔

ہواخواہانِ بنی امیہ اور امتِ یزیدی کے ارکان ان حضرات علمائے عظام اور مورخینِ اسلام بزرگان دین اہلسنت والجماعۃ کے سچے ارشادات اور صحیح اقوال کو ابنِ تیمیہ کے اتفاق اجماع سے قائم کیے ہوئے امام وخلیفہ یزید ابنِ معاویہ کے متعلق غور سے پڑھیں اور خود انصاف سے فیصلہ کرلیں کہ ہمارے محترم برادران اہلسنت والجماعت مسلمان حضرات پیروانِ رسولِ کریم کا یزید کے بارے میں کیا مذہب وعقیدہ ہے وہ یزید کو مسلمانوں کا امیر وامام اور اسلامی خلیفہ سمجھتے ہیں یا فاسق وفاجر کافر بے دین، دشمن رسول واسلام سمجھتے ہیں اور کیا حضرات اہلسنت والجماعۃ کا یزید کے متعلق یہی مذہب وعقیدہ ہے جو ان علمائے اسلام بزرگانِ دین نے فرمایا ہے یا وہ جو ابنِ تیمیہ کا مذہب وعقیدہ ہے۔

بس اب ابنِ تیمیہ ان علمائے عالی قدر اور فضلائے اسلام کی عدالت میں قسطنطنیہ والی حدیث یاد دلائیں۔ اتفاق واجماع کی حدیثیں پڑھ کر سنائیں یزید کی چھوٹی توبہ واستغفار اور ندامت ورجوع کے ثبوت پیش کریں اور اپنے یزید کو فسق وفجور کفر وزندقہ اور بے دینی کی فردِ جرم سے بچائیں۔

گلیم کفرِ کسے را کہ بافتند سیاہ　　　بر آبِ چشمۂ حیواں سفید نتواں کرد

جمہور علمائے اسلام حضرات برادرانِ ملّت اہلسنت والجماعۃ کا عموماً یہی مذہب وعقیدہ ہے یزید کو فاسق وفاجر ملعون بے دین، جہنمی قاتلِ امام حسینؑ دشمن خدا ورسول جانتے ہیں۔

بلاشک شریعتِ محمدی نے رسولِ الٰہی نے کبھی الحاد وکفر اور فسق وفجور کے

اتفاق اور ظلم کے اجماع کو قابلِ صحت اجماع اور لائق اطاعت اتفاق نہیں فرمایا نہ اس حدیث کا یہ مطلب اور نہ معنی جو ابن تیمیہ صاحب نے امام یزید کی خلافت و امامت و بیعت و اطاعت کے جواز کے لیے یہاں چسپاں فرمائے اور حاشا و کلاّ حسینؑ فرزندِ رسول جگر گوشۂ نبی نے اپنے نانا کے حکم کے مطابق نہ اس یزیدی اجماع کو اور نہ اس ظالمانہ جابرانہ اتفاق کو کفر والحاد کے غلبہ کو صحتِ اسلامی خیال کیا اور نہ کبھی یزید کو خلیفہ و امیر تسلیم فرمایا اور نہ کبھی اس کی بیعت و اطاعت کا اقرار کیا۔ یہ سراسر ابنِ تیمیہ کی حسینؑ کے دوستوں نبیؐ کے کلمہ گویوں غریب مسلمانوں کو دھوکا دہی کی چالیں ہیں۔ واللہ ہذا بہتان عظیم۔ حسینؑ امیر معاویہ یزید صاحب کے باپ کے لالچوں اور قتل کی دھمکیوں کو کبھی بھی دھیان میں نہ لائے۔ اور علی الاعلان یزید کے فسق و فجور پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کو خلافت و امارت اسلامی کے ناقابل و نااہل ثابت فرماتے رہے۔ ہر ایک موقعہ پر اور ہر ایک گفتگو میں امیر معاویہ کے نرم و گرم مکالموں میں کبھی اظہارِ حق سے خاموش نہیں رہے۔ حسینؑ اور معاویہ کے یہ مکالمے تمام تاریخ کی کتابوں طبری و کامل وغیرہ میں موجود ہیں۔ ابن قتیبہ دینوری نے امامت والسیاستہ صـ۲۹۳ اور نصائح کافیہ میں جو تقریر حسینؑ کی ایک موقعہ پر جبکہ معاویہ یزید کی بیعت کے لیے آکر عبداللہ ابنِ عباس اور امام حسین علیہ السلام کو بُلا کر ان سے درخواست قبولیتِ بیعت کرتا ہے درج کی ہے۔

یزید کی ولی عہدی اور بیعتِ خلافت کیلئے کیا کیا تدبیریں کی گئیں

اس جابرانہ اجماع اور ظالمانہ اتفاق کی حقیقت کو بھی اگر حضرات علمائے دین محقق مورخین اسلام کی سیرۃ و تاریخ کی کتابوں سے تلاش کیا جاوے اور بنی امیہ کے طرفدار اصحاب کی تقریروں کو بزرگانِ قریش کے مکالموں کو پڑھا جائے تو صاف نظر

آجائے گا کہ یزید کی ولی عہدی اور بیعتِ خلافت کے لیے کیا کیا جال پھیلائے گئے تھے کیسی کیسی سازشیں اور چالبازیاں کی گئیں کس کس کو زہر پلائے گئے۔ امام حسنؑ کے واقعات شہادت پر نظر ڈالو۔ عبدالرحمان ابن خالدؒ[1] کے انجام کو دیکھو، روپیہ پیسہ کے لالچ علیحدہ دیے گئے۔ قتل و غارت کی دھمکیاں سنائی گئیں۔ حضرت عبدالرحمان ابن حضرت ابوبکر سے معاویہ کے مکالموں کو پڑھو۔ عبداللہ ابن عمر کے جوابوں کو ملاحظہ فرماؤ۔ عبداللہ ابن زبیر عبداللہ ابن عباس اور دیگر اصحاب و مقدس شرفاء مکّہ و مدینہ کی گفتگوؤں کو دیکھو خود یزید کے چچا جان زیاد ابن ابیہ حضرت امیر معاویہ کے الحاقی قوت بازو یزید کو ناقابل و نااہل جانتے ہیں لکھتے ہیں کہ یزید صاحب رسلۃ وتہاون مع ما قداولع بہ من الصید"۔ اور امیر معاویہ کو یزید کے ولی عہد بنانے سے روکتے ہیں۔ معاویہ جب یزید کی ولی عہدی اور بیعت کے لیے مشورہ کرتے ہیں تو زیاد کہتا ہے کہ علاقتہ امر الاسلام وضمانہ عظیم و یزید صاحب الخ یعنی اسلام کی حکومت کا تعلق اور اس کی ضمانت ایک عظیم کام ہے اور یزید کاہل سُست شکار کا دلدادہ کھلنڈرا ہے چنانچہ زیاد کے مرنے کے بعد امیر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا سلسلہ چھیڑا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۶۹ تاریخ کامل جلد ۳ میں بتفصیل یہ حالات درج ہیں۔

حضرت ابوبکر خلیفہ اوّل کے فرزند اوّل حضرت عبدالرحمٰن کی گفتگو کو امیر معاویہ کے ساتھ ملاحظہ کرو۔ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۱ امیر معاویہ یزید کی بیعت ولیعہدیٔ خلافت کے لیے مکّہ و مدینہ تشریف لاتے ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن ابن حضرت ابی بکر سے گفتگو فرماتے ہیں۔ یزید کی بیعت کے لیے مجبور کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

امیر معاویہ: اے عبدالرحمٰن کیسے ہاتھ پاؤں کے ساتھ تم میری نافرمانی اور حکم نہ ماننے کی جرأت کرتے ہو؟

---

[1] خالد ابن ولید کا بیٹا۔

عبدالرحمن۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں مَیں اپنے لیے خیر و بہتری سمجھتا ہوں۔
امیر معاویہ۔ میں تم کو قتل کر دینے کا قصد کرتا ہوں۔
عبدالرحمن۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تم پر دُنیا میں لعنت فرمائے گا اور آخرت میں جہنم میں ڈالے گا۔

پھر ملاحظہ ہو تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۳ امیر معاویہ جب شام و کوفہ میں یزید کے لیے بیعت سازشوں اور چالبازیوں سے روپیہ پیسہ کے لالچ دیکر اور ڈرا دھمکا کر لے چکتے ہیں تو اپنے عامل مدینہ مروان کو لکھتے ہیں کہ ان بزرگانِ مدینہ سے بیعت لو۔ مروان مجمع عام میں امیر معاویہ کا حکم سناتا ہے اور یزید کے لیے بیعت طلب کرتا ہے۔ حضرت عبدالرحمان ابن حضرت ابی بکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے مروان قسم ہے خدا کی تو بھی جھوٹا اور تیرا امیر معاویہ بھی جھوٹا۔ امتِ محمدی کے لیے تم نے ہرگز نیکی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اسلامی حکومت اور حکومتِ محمدی کو ہرقل کی سی سلطنت بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل بادشاہ ہو اس پر مروان نے حضرت عبدالرحمن سے سخت کلامی کی۔ حضرت عائشہ ام المومنین رضؓ نے مروان کو بُرا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تو وہی ہے کہ رسولِ خدا نے تجھ پر لعنت فرمائی ہے اس کے بعد اسی طرح حسینؑ، ابنِ عمر اور ابن زبیر نے یکے بعد دیگرے کھڑے ہو کر مروان کے جواب میں انکار فرمایا۔

حضرت عثمان کے بیٹے سعید ابن عثمان بھی امیر معاویہ پر یزید کی خلافت ولی عہدی کا اعتراض کرتے ہیں اور اپنے حقوق جتاتے اور یزید کو نااہل و ناقابل بتاتے ہیں مگر پھر خراسان کی سپہ سالاری کا عہدہ اور خلعت لیکر رضامند ہو جاتے ہیں۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۷۱ سیاستہ والامامتہ ابن قیتبہ دینوری ص ۳۰۱

ابن قیتبہ دینوری کی کتاب الامتہ والسیاستہ ص ۲۶۳ میں امیر معاویہ نے جو حیلے

اور ترکیبیں بیعت کے لیے فرمائی ہیں ملاحظہ ہوں۔ دمشق میں اسلامی شہروں سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ یزید کی بیعت و موافقت کے لیے ایسی تقریریں کرو۔ تمام تقریر ان کو سکھا پڑھا دی جاتی ہے۔ ضحاک بن قیس کو سکھایا جاتا ہے کہ جب ہم منبر پر بیٹھ کر وعظ کریں خطبہ پڑھیں تو تم اجازت لے کر یزید کی تعریف اور خوبیاں بیان کرو اس کو خلیفہ بنانے کی تحریک پیش کرو اور پھر عبدالرحمن بن عثمان ثقفی اور عبداللہ فرازی اور ثور بن معن سلمی اور عبداللہ بن عصام اشعری کو بلا کر حکم دیا جاتا ہے کہ ضحاک کے بعد تم اس کی تصدیق کرنا اور یزید کی خلافت کے لیے درخواست کرنا۔ چنانچہ ان لوگوں نے جیسا کہ سکھایا پڑھایا تھا اپنے ایکٹ کو خوب پورا کیا۔ یزید کی تعریف کے خوب گیت گائے اس کے بعد امیر معاویہ نے فرمایا کہ احنف بن قیس کہاں ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا ان سے درخواست کی گئی کہ تم بھی کچھ بولو۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس کی تائید نہیں کی اور مخالفت کی بلکہ فرمایا کہ اہل عراق و اہل حجاز کبھی اس امر پر رضامند نہ ہوں گے اور جب تک حسین علیہ السلام حیات ہیں یزید کی بیعت پر رضامند نہ ہوں گے اور قیس کے بیٹے احنف نے اپنی تقریر میں معاویہ سے یہ بھی کہا کہ تم نے حسنؑ بن علیؑ سے عہد کیا ہے کہ یہ امر تمھارے بعد حسنؑ کی طرف لوٹ جائے گا اگر تم اس امر کو پورا کرو تو تم اہلِ وفا ہو گے (ورنہ عہد شکن)

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ضحاک کو کوفہ کی حکومت دی گئی اور عبدالرحمن کو جزیرہ کا گورنر بنایا گیا۔ پھر لکھتے ہیں کہ ثم قام احنف بن قیس فقال یا امیر المومنین انت اعلمنا بلیلہ ونہارہ وبسرہ وعلانیتہ فان کنت تعلم انہ خیر لک فولہ واستخلفہ وان کنت تعلم انہ شر لک فلا تزودہ الدنیا وانت صائر الی الآخرۃ فانہ لیس لک من الآخرۃ الا ما طاب واعلم انہ لاحجۃ لک عند اللہ ان قدمت یزید علی الحسن والحسین

وانت تعلم من هما والی ماهما وانما علینا ان نقول سمعنا واطعنا غفرانک ربّنا والیک المصیر ویرون انّ معاویہ قال الاحنف ما تقول یا ابا الحسن فقال نخافکم ان صدقنا ونخاف اللہ ان کذبنا وانت یا امیر المومنین اعلمنا بلیلہ ونہارہ - الخ

مروان بن الحکم بھی یزید کی ولی عہدی پر غضب ناک ہوتے ہیں دیکھو مروج الذہب ابن مسعودی جلد ۲ صفحہ ۵، ۱۴۸ھ کتب معاویہ الی مروان بن الحکم وکان علی المدینہ لیعلمہ باختیارہ یزید ومبایعتہ ایاہ بولایتہ العہد وامرہ بمبایعتہ واخذ البیعۃ لہ علی من قبلہ فلما قراء مروان ذالک خرج مغضبًا فی اہل بیتہ واخوالہ من بنی کنانہ حتی اتی دمشق فنزلہا ودخل علی معاویہ یمشی بین السماطین حتی اذا کان منہ بقدر ما یسمعہ صوتہ سلّم وتکلّم بکلام کثیر ثم بہ معاویہ منہ اقم الامور یا ابن ابی سفیان واعدل عن تامیرک الصبیان واعلم انّ لک من قومک نظراء وان لک علی مناداتھم وزراء فقال لہ معاویہ انت نظیر امیر المومنین وعدۃ فی کلہ شدیدۃ مفسدہ والثانی ولیٔ عہدہ بعدہ وجعلہ ولی عہد یزید وردہ الی المدینہ ثم انّہ عزلہ منہا وولاہا الولید بن عتبہ ابن ابی سفیان ولم یف لمروان بما جعل لہ من ولایۃ عہد یزید بن معاویہ یعنی مروان بن الحکم جو مدینہ کا حاکم اور والی تھا معاویہ نے اس کو لکھا کہ ہم نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کی ولی عہدی کے لیے بیعت لی گئی ہے پس تم بھی اس کی بیعت کرو اور ہماری طرف سے اس کی بیعت لوگوں سے لو۔ مروان نے جب یہ حکم پڑھا تو بہت برافروختہ ہو کر گھر میں گئے اور اپنے رنج وغضب کا اظہار گھر والوں اور اپنے ماموں زاد قبیلہ بنی کنانہ کے لوگوں پر کیا یہاں تک کہ خود دمشق پہنچے اور معاویہ سے جا کر ملے اور اس

انداز سے چلتا تھا کہ جیسے دو برابر کے ہم پلہ عزیز ہوں جب اس کے پاس پہنچے سلام کے بعد معاویہ سے غصہ سے بھری ہوئی طولانی تقریریں کیں۔ معاویہ کو زجر و توبیخ کی اور کہا کہ اے ابو سفیان کے بیٹے اقم الامور۔ معاملات کو درست کر، یہ کیا کرتا ہے، چھوکروں کو امیر اور سردار بناتا ہے۔ اس سے باز آ یاد رکھ تیری قوم میں تجھ جیسے موجود ہیں اور تیرے مشوروں میں تیرے وزیر ہیں اور ان لک علی مناداتھم وزراء امیر معاویہ مروان کو ٹھنڈا ہونے کا ڈوز دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خفا نہ ہو تم امیرالمومنین کے نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے پشت پناہ اور مددگار ہو بس یزید کے بعد تم ہی ولی عہد ہو بس اس طرح مروان کو ٹھنڈا کرکے یزید کی ولی عہدی کا زبانی وعدہ دے کر مروان کو مدینہ لوٹا دیا کہ یزید کے بعد تم ولی عہد ہو گے۔ وزیر سے چنیں شہریار سے چناں۔ پس مروان کی ناراضی یزید سے معلوم ہو جانے پر اس کا قائم رکھنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس کے مدینہ پہنچتے ہی اس کی معزولی کا حکم بھیج دیا گیا۔ مدینہ کی حکومت سے موقوف کر دیا گیا اور اس کی جگہ اپنے حقیقی بھتیجے ولید ابو سفیان کے پوتے کو حاکم مدینہ بنا دیا گیا اور مروان کے ساتھ جو وعدہ یزید کے بعد ولیعہد خلافت کا کیا گیا تھا وہ بھی پورا نہ کیا۔ ایفائے عہد نہ کرنے کے لیے تو یہ پیدا ہی ہوئے تھے۔ کلام مجید میں خدائے جلیل کے احکام ایفائے عہد کے لیے عام مسلمانوں کے لیے ہیں ان کے لیے نہیں۔ ضرورت پورا کرنے وقت کو ٹالنے کے لیے ایسے وعدے کر لینے سیاسی پالیسیوں میں داخل ہیں۔ امیر معاویہ کے لیے عہد شکنی ثواب ہے کوئی عیب و گناہ نہیں۔ امام حسنؑ سے بھی اسی طرح عہد شکنی کی گئی اور پھر امام حسنؑ کو زہر سے شہید کرنے کے بعد وعدہ سے بھی وفائے عہد نہ کیا گیا۔

بس یہ ہے اتفاق و اجماع کی حقیقت جس کو ابن تیمیہ یزید کی خلافت اور بیعت کے لیے دلیل شرعی اور حجت اسلامی قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر شرعاً یزید کی بیعت و اطاعت کو واجب بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یزید صاحب سیف خود مختار فرمانروا اور

اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ دیتا لیتا تھا عزل ونصب کرتا تھا اپنے احکام کے اجرا کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا۔ کفار پر جہاد کرتا تھا۔ سبحان اللہ خلافت الٰہیہ اور امیر المومنین مسلمانوں کے لیڈر اور امام کے لیے انھیں اوصاف کا ہونا ضروری ہے بس جس میں یہ اوصاف ہوں وہ ہی خلیفہ رسول اور امیر المومنین ہو سکتا ہے۔ دیتا لیتا ہو خواہ خلاف شرع محمدی اور مخالف حکم رسول ہی کیوں نہ ہو۔ عزل ونصب کرتا ہو خواہ قانون الٰہی اور احکام محمدی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے شرابی کبابی یاروں کو ظلم وجور اور مخلوق الٰہی پر تشدد اور قتل وغارت کرنے کے لیے ہی ہو اپنے ظالمانہ اور جابرانہ شہوت پرستی اور فسق وفجور کے احکام کے اجرا کی قوت رکھتا ہو۔ حدود شرعی کا قائم کرنا اور کفار پر جہاد کرنا بس اس کا ثبوت تو غالباً یہی ہوگا کہ جو مسعودی نے تحریر فرمایا ہے کہ مکہ مدینہ تک میں علی الاعلان شراب پینے اور گانے کا رواج ہوگیا تھا۔ یزید کے افسر اور عمال حکام سب علی الاعلان شراب پیتے تھے۔ فسق وفجور کرتے تھے۔ خود یزید صاحب خلیفہ اسلام حدود شرعی کے قائم کرنے والے کیا کچھ نہ کرتے تھے۔ حدود شرعیہ کو توڑتے تھے یا قائم کرتے تھے اگر اسی کا نام حدود شرعی کا قائم کرنا ہے تو سبحان اللہ۔ مسلمان در گور مسلمانی در کتاب۔ ایسا ہی جہاد علی الکفار کا دعویٰ بھی یزید کے متعلق خوب ثابت ہوتا ہے۔ کیا خوب صاحب سیف تھے اور کیا خوب مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ شہزادگی اور ولیعہدی کے زمانہ میں قسطنطنیہ پر جو دو بار چڑھائی ہوئی باپ کی طرف سے سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے مگر کہیں تلوار چلاتے مورچہ بندی کرتے کسی پہلوان کے مقابلہ میں نکلتے کسی کافر کا سر کاٹتے نظر نہیں آتے۔ البتہ ہمارے رسول کے بڈھے اور مقدس صحابی ابو ایوب انصاری کی قبر مبارک پر گھوڑے دوڑاتے ضرور دکھلائی دیتے ہیں تین ساڑھے تین برس باپ کے جانشین ہو کر تخت پر بیٹھے تو خوب دین محمدی میں پھول لگائے پہلے سال فرزند رسول بانی اسلام کے جگر گوشہ حسین مظلوم کا سر کاٹا۔ تو نہالان باغ رسالت خون میں ڈوبے سر قلم ہوئے نیزوں پر چڑھے۔ بنت

رسول کا گھر لٹا خیمے تاراج ہوئے۔ ذریتہ رسول اسیر ہوئی۔ دوسرے سال مدینۂ رسول پر چڑھائی کی گئی۔ مدینہ تاخت وتاراج ہوا۔ اصحابِ رسول ذبح ہوئے۔ مخلوق الہیٰ قتل ہوئی۔ عورتوں کی پردہ دری کی گئی۔ زنا کے حمل قرار پائے۔ روضۂ رسول میں گھوڑے بندھے ممبرِ رسول پر کتوں نے پیشاب کیے۔ یزید کے لیے بیعتِ غلامی لی گئی۔ اس کے بعد تیسرا سال آیا۔ کعبہ کو ڈھایا۔ منجنیق برسائے اور کعبہ کے پردے جلائے۔ بس یہ کارنامے دکھلا کر مالک کے پاس پہنچ گئے۔ تاریخیں شاہد ہیں۔ مورخ گواہ ہیں۔ کیا یہی جہاد علی الکفار ہے؟ اور کیا یہی اسلامی حکومت اور سلطنتِ ھُدیٰ ہے؟ اور اسی کے لیے یزید کی بیعت و اطاعت واجب ہے؟ ؎

گر ہمیں مکتب وہمیں مُلّا کارِ طفلاں تمام خواہد شد

لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ۔ ان کارناموں کو حدودِ شرعی قائم کرنا اور جہاد علی الکفار بتانا ابنِ تیمیہ صاحب کا ہی کام ہے چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے۔ چہ دلاوراست دُزدِے کہ بکف چراغ دارد۔

ابنِ تیمیہ عشق یزید کے متوالے جوشِ محبت میں اس قدر بہکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق جیسے اولی العزم صاحب شوکت وعظمت خلفاء اسلام کو بھی یزید کے ساتھ قیصر وکسریٰ جیسے حکمران بتاتے ہیں۔ سبحان اللہ کجا حضرت ابوبکر وحضرت عمر کی اسلامی حکومت اور کہاں قیصر وکسریٰ کی خلاف اسلام حکمرانی ابنِ تیمیہ نے یہ خوب مشابہت قائم کی ہے۔ ہاں حضرت عمر نے البتہ امیر معاویہ کو کسریٰ کا مشابہ ضرور فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن نے امیر معاویہ اور یزید کو ہرقل اور کسریٰ سے تشبیہ دی ہے جو واقعی سچی اور ٹھیک مشابہت ہے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۶ صـ۶۰ تاریخ کامل جلد ۳ صـ۲۵۳ اور سعادت الکونین صـ۳۹ وغیرہ) غالباً ابنِ تیمیہ نے حضرت عمر اور عبدالرحمٰن کے قول کا جواب دیا ہے۔

تختِ خلافت پہ ناجائز قبضہ : باپ کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھنا ہی صاف ظاہر ہے کہ ظالمانہ وغاصبانہ ہی تھا خود امیر معاویہ نے ہی کیسی راز داری سے مسندِ رسول اور تختِ خلافت پر سچے اہل اور حقدارِ خلافت کو ہٹا کر پاؤں رکھے ہیں۔ علی کی صداقت اہلبیتؑ اور حق کو جمہور اسلام تسلیم کیے ہوئے ہیں۔ امام حسن بصری کے اس قول کو پڑھو جو لکھا جا چکا ہے ۔ علماء کے ارشادات کو دیکھو، تاریخوں پر نظر ڈالو ۔ حدیث و روایت کی کتابوں کو پڑھو صاف معلوم ہو جائے گا کہ کیونکر تختِ خلافت پر قبضہ کیا کیسی کیسی چالیں کھیلیں روپیہ پیسہ کے لالچ دیے گئے۔ ظلم و جور کی تلواریں چلائیں ۔ حضرت عثمان کی خونریزی کے جال پھیلائے ۔ مسلمانوں کے خون بہائے۔ اہلِ حق سے مقابلہ آرائیاں کیں۔ خلیفۂ حق سے بغاوت کے جھنڈے گاڑے ۔ اتفاق کو توڑا فساد کے دروازے کھولے فتنوں کے سیلاب بہائے بلاشک اِن تمام فتنوں اور فسادوں کی بنیاد اور اسلام میں خونریزی کا سرچشمہ یہی آلِ سفیان ہیں جنھوں نے خلافتِ رسول پر غاصبانہ قبضہ کیا اور اصلی و حقیقی اسلام کو مٹایا انھیں کی بدولت اسلام کی سچی اور حقیقی خلافت کا بہ ظاہر خاتمہ ہوا سلطنتِ محمدی کے نورانی سمندروں میں فسق و فجور کے طوفان انھیں نے اٹھائے۔ فتنہ و فساد کی آندھیاں انھیں نے ہی چلائیں ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا قول : فاضلِ محقق جناب مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب حریت والاسلام میں صفحہ ۴۶ پر تحریر فرماتے ہیں خلافتِ راشدہ کے بعد بنی امیہ کا دورِ فتن و بدعات کا دَور شروع ہوتا ہے۔ جنھوں نے نظامِ حکومت اسلامی کی بنیادیں متزلزل کر دیں اور اسلام محمدی کی نعمتِ عظمیٰ اور دینِ الٰہی کی رحمت و برکت کو کس نے فتنہ و فساد اور کفر و الحاد سے تبدیل کیا ؟ یہ بنی امیہ آلِ سفیان ہی نہ تھے یا کوئی اور تھا حدیث و سیر کی کتابیں اسلام کی مستند

معتبر تاریخیں واقعاتِ زمانہ اور بنی امیہ کے حالات بتا رہے اور دکھا رہے ہیں۔

بلاشک خدائے جلیل کے ارشاد الم تر الی الذین بدلوا نعمت اللہ کفرا کے حقیقی اور سچے مصداق یہی لوگ بنی امیہ ہیں۔ اسلام کے اولوالعزم خلیفہ حضرت عمر ابن خطاب کے ارشاد حقیقت کو دیکھو۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور تفسیر دُرِّ منثور پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم جلد ۴ بذیل تفسیر آیۂ مذکور نقل فرماتے ہیں کہ جناب خلافت مآب حضرت عمر نے ارشاد کیا کہ جن لوگوں نے نعمتِ الٰہی کو کفر سے تبدیل کر دیا وہ قریش کے فاجر دو قبیلے ہیں بنی مغیرہ اور بنی امیہ هما الافجران من قریش بنو المغیرۃ و بنو امیہ اما بنو المغیرۃ فلقیتموھم یوم بدر واما بنو امیہ فمتعوا الی حین - یعنی بنی مغیرہ تو جنگِ بدر میں تمام ہو گئے مگر بنی امیہ ابھی باقی ہیں۔

بنی اُمیہ کے دَور کا آغاز کیونکر ہوا اور حقیقی خلافت کیونکر ختم ہوئی

بنی امیہ کا یہ دَورِ فتنہ و فساد آلِ سفیان کا یہ اسلام کُش عہد کب سے اور کہاں سے اور کیونکر شروع ہوا اور رسولِ پاک پادشاہِ دین و دنیا شہنشاہِ اسلام تاجدارِ خلافتِ الٰہیہ کی نیابت عالیہ اور خلافتِ راشدہ بظاہر کس سچے خلیفہ حقیقی حقدارِ امامت و خلافت سچے ہادی و رہبر امام المسلمین امیر المومنین پر ختم ہوئی اور کیونکر ختم ہوئی۔

حدیث و سِیَر کی کتابیں سنا رہی ہیں اسلام کی مستند تاریخیں بتا رہی ہیں کہ تاجدارِ اسلام حضور سرورِ عالم سرکارِ رسالت ؐ نے جس طرح اپنے ارشاد و اقوال اور احادیث شریف میں بعد کے آنے والے پر فتنہ و فساد زمانوں کی خبر دی ہے اور دینِ محمدی اور سچی سلطنت اسلامی میں رخنے ڈالنے والے گمراہ و ضال دشمنانِ رسول آئمہ مخرب دین فاسق و فاجر خلفاء کی اطاعت پر سخت تہدید وعید فرمائی ہے جیسا کہ اُن احادیث

سے جو پیچھے بیان کی جا چکی ہیں ظاہر ہو رہا ہے پس اسی طرح اس سچے ہادی و رہبر امام خلق کا پتہ اور نشان بھی بتا دیا ہے۔

رسول کریمؐ نے سچے امام خلق کا پتا بتایا ہے: جس کی پیروی و اطاعت میں ذرا

بھی شائبہ نقصان و گمراہی کا نہیں ہے اول تو وہ ہی مسلمہ اور متفق علیہ حدیث شریف ہے کہ جو حدیث ثقلین کے نام سے مشہور ہے جس کو ایک دفعہ نہیں متعدد بار ارشاد فرمایا ہے اور بہ کثرت مختلف اصحاب رسول نے متعدد راویوں سے بیان کیا ہے تمام علمائے عالی منزلت کی تفسیر و حدیث اور سیر کی کتابوں میں مندرج ہے۔ صحیح مسلم ۲۷۹-۸۶-۸۵ صحیح ترمذی ص ۲۲، ص ۲۱۹ مشکوٰۃ ص ۵۱۱ و ص ۵۶۰ صواعق محرقہ حجر مکی ۱۱۳۶/۸۹۔ ارجح المطالب ص ۳۳۵ تا ص ۳۴ ینابیع المودۃ علامہ قندوزی ص ۳ تا ص ۳۹ اسعاف الراغبین ص ۱۰۹ نزل الابرار علامہ بدخشی ص ۲۱۰۶ کنز العمال جلد ۳ ص ۶۱۔ ہدایت السائل نواب صدیق خاں ص ۸ مدارج النبوۃ ص ۸۴ وسیلۃ النجاۃ ملا محمد مبین ص ۱۰۱ و ص ۱۰۲ سر العالمین امام غزالی ص ۹ خصائص نسائی ص ۴۲ شرف المؤبد ص ۱۷، اتحاف ص ۹ احیاء المیت جلال الدین سیوطی بر حاشیہ اتحاف ص ۱۱۱ شفاء قاضی عیاض ص ۲۱۳ صغیر طبرانی ص ۷۳، ص ۷۵، و ص ۱۵ ، نسائی ص ۱۵ صحیح ترمذی ص ۲۱۱ حاکم جلد ۳ ص ۱۴۸ یہاں تک کہ ابن تیمیہ بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم فرماتے ہیں رسول نے یہ ہی ارشاد فرمایا کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اہلبیتی میں اپنے بعد تمہارے لیے دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن شریف کتاب الٰہی اور دوسری میری عترت اہلبیت اطہار ہیں ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی جب تک ان سے متمسک رہو گے ان کی ہدایت و پیروی سے چلو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں چیزیں یعنی قرآن شریف اور اہلبیت ایک دوسرے سے

علیحدہ نہ ہوں گے۔ قرآن اہلبیتِ محمدی کے ساتھ ہے اور اہلبیتِ محمد قرآن کے ساتھ ہیں یہاں تک کہ میرے پاس قیامت کے دن حوضِ کوثر پر پہنچ جاویں پھر فرمایا اذکرکم فی اھل بیتی) اذکرکم فی اہلبیتی - میں تمھیں پھر اپنے اس اہلبیت کے بارے میں یاد دلاتا ہوں انھیں نہ بھولنا یاد رکھنا میرے حکم کی مخالفت نہ کرنا یہ حدیث اس اجماع اور تواتر کے ساتھ وارد ہے کہ اس کا انکار کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ تقریباً ستر سے زیادہ طریق پر بالفاظ مختلف یہ حدیث شریف بیان کی گئی ہے مگر ماحصل تمام کا یہی ہے کہ بس رسول اللہ نے اپنے بعد مسلمانوں کو ہدایت پانے اور اطاعت و فرمانبرداری اور پیروی کے لیے قرآنِ مجید اور اہلبیتِ اطہار محمدی علیہم السلام کا ہی دامن پکڑنے کی ہدایت فرمائی، بتا دیا اور دکھا دیا کہ دین و دنیا کا نفع خدا و رسول کی خوشی کے مطابق عمل سچے اسلام محمدی کے لیے صراطِ مستقیم یہ ہی ہیں ورنہ در ہر طریق گمراہی۔

مولانا شاہ عبدالحق دہلوی مدارج النبوۃ میں خم غدیر کا واقعہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

"گویا مرا باز آں عالم خوانند و من اجابت نمودم بدانید کہ من در میان شما دو امر عظیم میگزارم و یکے از دیگرے بزرگتر است قرآن و اہلبیت من پس ببینید و احتیاط کنید کہ بعد از من بہ ایں دو امر چگونہ رفتہ خواہید کرد و رعایت حقوق آنہا بچہ کیفیت خواہید نمود و آں دو امر بعد از من از یک دیگر ہرگز جدا نخواہند شد تا وقتیکہ بر حوض کوثر بر من رسند آنگاہ فرمود خدا مولائے من و من مولائے جمیع مومنانم بعد ازاں دست علی بگرفت و فرمود اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ خداوندا کسے کہ من مولائے کریم اویم پس علی مولائے اوست۔ اللھم وال من والاہ و عاد

من عاداہ خداوندا دوست دار کسے را کہ دوست دارد علی را و دشمن دار کسے را کہ دشمن دارد علی را و در روایتے ایں زیادہ آمدہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ یاری دہ کسے را کہ یاری دہد علی را فروگذار ویاری مدہ کسے را کہ فروگذارد و یاری ندہد علی را و دار الحق حیث دار بگردان حق را با علی بہر سو کہ بگردد و آمدہ است کہ ملاقات کرد علی را عمر بعد ازیں حکایات و گفت گوارندہ باش و شادباش اے پسر ابی طالب کہ صبح کردی و شام کردی و گشتی مولائے ہر مومن مرد و زن۔

بدانکہ ازیں غایت فضل و تکریم است مر علی مرتضیٰ را کرم اللہ وجہہ و تحریص و ترغیب است مر مومناں را بہ محبت و مودت او و اجتناب و احتراز از بغض و عداوت او چنانکہ در حدیث دیگر آمدہ است کہ دوست ندارد علی را مگر مومن و دشمن ندارد او را مگر منافق فقط ص۴۸"

بلاشک امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی وہ بے مثال و بے نظیر بزرگیاں اور شرف و فضیلتیں اس حدیث شریف میں بیان ہوئی ہیں کہ جو کسی دوسرے کے لیے نہیں ہیں علیؑ کی رفتار و گفتار علیؑ کے اقوال و افعال سب حق مرضی خدا اور مرضی رسول کے مطابق ہیں علیؑ کا دوست رسول کا دوست اور خدا کا دوست ہے اور علی کا دشمن رسول کا دشمن اور خدا کا دشمن ہے۔ علیؑ کا یار و مددگار خدا کا یار ہے اور رسول کا مددگار ہے علیؑ کی محبت اصل ایمان ہے اور علیؑ کی دشمنی کفر و نفاق کی نشانی ہے۔

اسی حدیث ثقلین اور حدیث غدیر خم کو مولانا محمد مبین فرنگی محلی نے بھی اسی طرح بسط کے ساتھ بڑے بڑے مستند علمائے جلیل القدر امام احمد حنبل اور حاکم وغیرہ وغیرہ کے اسناد سے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں نقل کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ ۳۰ اصحاب

رسولؐ نے اس کو بطریقِ صحیح وحسن بیان کیا ہے۔ دربارِ رسالت کے ملک الشعراء حسان بن ثابت اسی موقعہ غدیر خم میں جب کہ علیؑ کو خلعتِ ولی عہدی سے سرفراز فرمایا جاتا ہے اور دستارِ شرف وفضیلت نفسِ رسول کے سرِ اقدس پر رکھی جاتی ہے تہنیت کا قصیدہ پیش کرتے ہیں اور اپنے اشعار میں لفظ مولا کے معنی امام اور ہادی خلق مثل رسولِ الہیٰ جانشینِ رسول بیان کرتے ہیں۔ علامہ سبطِ ابن جوزی نے ان اشعار کو اپنے تذکرہ خواص الامہ ص۲ میں درج کیا ہے۔

تائید وتوثیق کے لیے سرورِ عالم کی دوسری احادیث شریف اور ارشاداتِ پاک بھی درج کیے جانے ضروری ہیں۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے ابنِ عباس بیان کرتے ہیں ان رسول اللہ نظر الی علی ابن ابی طالب وقال عدوك عدوی عدو اللہ ویل لمن البغضك من بعدی ھذا حدیث صحیح ومعناہ صحیح بالاتفاق وسیلۃ النجاۃ ص۵

"رسول اللہ علیؑ کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ تیرا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے ویل اور برائی ہے اس شخص کے لیے جو میرے بعد تجھے ناراض اور غضب ناک کرے یہ حدیث ہے اور بلحاظ معنیٰ بالاتفاق صحیح ہے۔

لفظِ مولا کی بحث: یہاں لفظ مولیٰ کے معنوں میں حضرات علمائے کرام نے بہت کچھ جدوجہد اور قلم فرسائیاں فرمائی ہیں اور بضرورت مصلحتوں کی بنیاد پر مولیٰ کے معنی دوست اور یار قرار دینے کی کوششیں کی ہیں لیکن موقعہ کی صورتِ حال اور کیفیتِ واقعہ پر نظر ڈالنے سے اور سلطانِ دین پناہ حضور سرورِ عالم آنحضرتؐ کے کلام ہدایت نظام خطبہ رسالت حاضرینِ دربار مخاطبین کے جوابات باہمی مکالمے کسی کی مبارک بادیں دینا کسی دشمن

کا رنج وغصہ سے اظہارِ غضب کرنا دربارِ رسالت کے ملک الشعراء حسان بن ثابت کا اسی وقت دربارِ رسالت میں اشعارِ تہنیت کا پیش کرنا ان سب امور اور روایات واحادیث پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معنیٰ دوست اور یار کے جو بنائے گئے ہیں بالکل غلط مفہوم ہے۔ نہ رسالت مآب نے یہ معنی مراد لیے اور نہ حاضرین نے یہ معنی سمجھے بلکہ سب نے یہ ہی سمجھا اور خدا اور رسول نے یہ ہی فرمایا کہ رسول سلطانِ دین و دنیا تاجدار اسلام کے بعد علی مثل رسول جانشین رسول اور ہادی و رہبر امام خلق ہیں۔ من کنت و مولاہ فہذا علیٌ مولاہ کے یہ ہی معنی اور یہ ہی مطلب ہے۔ حسان ابن ثابت نے جو تہنیت و مبارک باد کے اشعار اس موقع پر حضور سرکارِ رسالت میں پیش کیے ہیں ان میں صریح اور صاف الفاظ میں امام و ہادی کہا ہے۔ حسان ابن ثابت کے یہ اشعار علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنے تذکرہ خواص الامہ میں درج کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو صنٓ۲ حسان رسول اللہ کی زبانی کہتے ہیں:۔

فقال لہ قم یا علی فاننی رضیتک من بعدی اماما وھادیا یعنی رسول اللہ نے فرمایا علیؑ کھڑے ہو جاؤ میں نے اپنے بعد تم کو امام اور ہادی قرار دیا ہے بس یہی تمام اصحاب اور حاضرین نے سمجھا اور یہی رسول اللہ نے فرمایا اور یہی خدا کا حکم ہے۔

خود رسول اللہ نے اپنے ایک اور قول شریف میں اس کی صاف تصریح فرما دی ہے۔ علامہ عبدالبر استیعاب جلد ۲ صنٓ۴۵ میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ ان رسول اللہ قال لعلی ابن ابی طالب انت ولی کل مومن من بعدی۔ ازالۃ الخفا صنٓ۴۱ مقصد دوم۔ رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو۔ نیز بریدہ سے ارشاد ہوتا ہے یا بریدہ ان علیاً ولیکم من بعدی

تاریخ کنوز الحقائق حرف یا صلنا شرف صفہ پس اگر ولی کے معنی ولی آمر حاکم اور آقا کے نہیں اور دوست و یار کے ہیں تو کیا علیؑ رسول اللہ کے زمانۂ حیات میں مومنوں اور مسلمانوں کے دوست اور مددگار نہ تھے اور خدا نخواستہ معاذاللہ دشمن اور مخالف تھے اور رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے بعد تم مسلمانوں کے اور مومنوں کے دوست و یار ہوگے گویا اس وقت نہیں۔ صریحاً یہ معنی سراسر غلط ہیں اور واقعی رسول اللہ نے یہی ارشاد فرمایا ہے کہ علیؑ ہمارے بعد مومنوں کے امیر اور آقا ولی آمر ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ تاجدارِ رسالت ختمی مرتبت نے ایک دفعہ نہیں متعدد بار مختلف الفاظ سے متفرق طریقوں سے بتا دیا اور دکھلا دیا کہ علیؑ صداقت و حقانیت پر ہے' علیؑ سچا ہادی و رہبر ہے علیؑ ہی کا راستہ صراطِ مستقیم ہے' علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے' علیؑ کی نافرمانی میری نافرمانی ہے علیؑ کی محبت میری محبت ہے' علیؑ کی دشمنی میری دشمنی ہے' علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے' علیؑ کی اذیت میری اذیت ہے' جس نے علیؑ کو سب کیا اس نے مجھے سب کیا' علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں'

ان تمام احادیث شریف اور اقوال پاک رسول کریم کو تواتر کے ساتھ علمائے کرام نے اپنی حدیث و سیر کی کتابوں میں درج فرمایا ہے امام احمد حنبل جو امام بخاری امام مسلم اور جملہ صحاح ستہ کے شیخ الشیوخ ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا وان تؤمروا علیاً ولا اراکم فاعلین تجدوہ ہادیاً مہدیاً یاخذ بکم الطریق المستقیم مسند احمد حنبل صفا مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶ ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص۲۷۰ شرف المؤبد ص۵۸

وسیلۃ النجاۃ ص۹۴ ازالۃ الخفا ص۲۶۲، ص۲۷۹ در حق وے (یعنی علیؑ) فرمود (رسولؐ) علی منی و انا من علی لا یؤدی منی الا انا و علی۔ یعنی علیؑ مجھ

سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں جو کام میرے کرنے کا ہے پس اس کو یا میں کروں یا علیؑ دوسرا نہیں کر سکتا ص۹۲ اخرج الطبرانی عن جابر بن سمرة قال رسول اللہ لعلی انك مؤمر مستخلف وانك مقتول وھذہ مخضوبۃ فی ھذہ الیعنی لحیتہ من راسہ یعنی طبرانی نے جابر سے روایت کی رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا یا علیؑ تم امیر اور میرے بعد خلیفہ ہو گے اور تم شہید ہو گے۔ یہ تمھاری داڑھی سر کے خون سے رنگین ہو گی اور حاکم نے حضرت ابوذر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ یا علی من فارقنی فقد فارق اللہ ومن فارقك یا علی فقد فارقنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیاً فقد اطاعنی ومن عصی علیاً فقد عصانی وقال علیؑ مع القرآن والقرآن مع علی لن یفترقا حتیٰ یرد علی الحوض وقال رحم اللہ علیاً اللھم ادر الحق حیث دار ص۹۲ نیز ص۵۰ اخرج الحاکم عن ابن عباس ان رسول اللہ نظر الی علی ابن ابی طالب وقال عدوك عدوی وعدوی عدو اللہ ویل لمن اخضبك من بعدی نیز نزل الابرار علامہ بدخشی ص۹ اور ص۲۳ وص۲۴۔ قال لعلی من فارقك یا علی فقد فارقنی ومن فارقنی فقد فارق اللہ۔ ایضاً مشکوٰۃ۔ وقال من سب علیاً فقد سبنی وایضاً قال الحق مع ذالحق یعنی علیاً اللھم۔ اور تاریخ الخلفاء سیوطی ص۱۷۱، ص۱۷۲ وسیلۃ النجاۃ ص۹۲، اللھم دار الحق معہ حیث دار مشکوٰۃ ص۵۵۹ اسعاف الراغبین علامہ شیخ محمد صبان ص۱۵۶، ص۱۵۷، ص۱۵۸ و ص۱۵۹ وغیرہ۔ استیعاب جلد ۲ ص۴۶۱ نور الابصار علامہ مومن شبلنجی ص۱۱۶، ص۱۱۷ ص۱۱۸ و ص۱۱۹ وص۱۲۰ جامع صغیر سیوطی ص۹ خصائص نسائی ص۳۹ و ص۵۰ صواعق محرقہ ص۴۷ مدارج النبوۃ ص۶۲ شرف المؤید ص۱۱۲ دراسات اللبیب ص۲۱۳ ارجح المطالب ص۵۹۹ حضرت ام المومنین عائشہ جنگِ جمل کے بعد بصرہ میں فرماتی

ہیں (جبکہ ان کے بھائی محمد بن ابی بکر نے یاد دلایا) کہ ہاں رسول اللہ نے فرمایا :-
الحق لن یزال مع علی وعلی مع الحق لن یتفرقا (اخرجہ ابوبکر بن مردویہ) ابو موسیٰ اشعری جو یوم صفین حکم بنائے گئے تھے خود فرماتے ہیں - اشھد ان الحق مع علی ولکن یا اللہ الدنیا الی اھلھا ولقد سمعت النبی یقول لہ یا علی انت مع الحق والحق بعدی معک اخرجہ ابوبکر - علامہ عبد البر کی نے استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۶۵ میں حضرت حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ قال رسول اللہ ان ولوا علیاً فھادیا مھدیا - اور حاکم نے حذیفہ سے اسی طرح روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کی استخلف علینا ابابکر قال ان استخلف علیکم تجدوہ قویا فی امر اللہ ضعیفا فی جسمہ قالوا استخلف علینا علیاً قال انکم لا تفعلوا وان تفعلوا تجدوہ ھادیا مھدیا یسلک بکم الطریق المستقیم - جب لوگوں نے عرض کی آپ ہم پر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیجئے حضرت ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر ابوبکر کو خلیفہ بنایا جاوے تو تم ان کو امر الٰہی میں تو قوی پاؤ گے مگر جسم اور طاقت میں ابوبکر کمزور ہیں پھر لوگوں نے عرض کی کہ علی کو ہم پر خلیفہ بنا دیجئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم علیؑ کو خلیفہ نہیں بناؤ گے اور پھر بے شک اگر علیؑ کو خلیفہ بناؤ تو علیؑ کو بے شک ہادی و مہدی ہدایت کرنے والا پاؤ گے - علیؑ چلائیں گے تم کو راہ مستقیم پر اور ایسا ہی امام طبرانی اور علامہ ابن عساکر اور حافظ ابو نعیم نے روایت کیا ہے ملاحظہ ہو علامہ بدخشی کی نزل الابرار صفحہ ۱۲ و صفحہ ۱۳ اور مشکوٰۃ شریف ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۵ صواعق محرقہ صفحہ ۳۹ علامہ محمد مبین فرنگی محلی نے بھی ان احادیث شریفہ کو ازالۃ الخفا اور امام احمد حنبل اور مشکوٰۃ سے اسی طرح نقل فرمایا ہے - ملاحظہ ہو وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۱۶۹ زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ قال رسول اللہ من یرید ان یحیی حیوتی ویموت مماتی

ولیسکن الجنۃ الخلد التی وعدنی ربی فلیتولی علی ابن ابی طالب فانہ لن یخرجکم من ھدیٰ ولن یدخلکم فی ضلال ھکذا اخرج الطبرانی فی الکبیر والحاکم وابو نعیم فی فضائل الصحابہ۔ وسیلۃ النجات ص۱۰۹ ازالۃ الخفا ص۲۶۲۔ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص چاہے کہ اس کی زندگی میری زندگی ہو اور اس کی موت میری موت ہو اور وہ جنت خلد میں جس کا وعدہ میرے ساتھ میرے رب نے فرمایا ہے ساکن ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ علیؑ سے محبت رکھے یقیناً علیؑ تم کو ہرگز ہرگز ہدایت سے باہر نکلنے نہ دیں گے اور کبھی گمراہی میں پڑنے نہیں دیں گے۔ علامہ طبرانی امام حاکم حافظ ابونعیم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے تفسیر دُرِّ منثور علامہ سیوطی اور تفسیر زمخشری وغیرہ بذیل تفسیر آیۃ مجیدہ انما انت منذر ولکل قوم ھاد قال رسول اللہ انا المنذر وعلی الھادی وبک یا علی تہتدی المھتدون اور نور الابصار ص۱۱۶، ازالۃ الخفا ص۲۶۲۔

نیز ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ ص۱۵۷ آنحضرت علیؑ کو سید العرب کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور انصار سے ارشاد کرتے ہیں۔ یا معشر الانصار الا ادلکم علی ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدہ ابدا ھذا علی فاحبوہ بحبی واکرموہ بکرامتی فان جبرئیل امرنی بالذی قلت لکم عن اللہ عز وجل۔ اے گروہ انصار میں تمھیں بتا دوں وہ چیز کہ اگر تم اس سے متمسک ہو گے تو پھر کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ یہ علیؑ ہے پس علیؑ سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے اور علی کا اکرام کرو میرے اکرام کی وجہ سے یعنی علیؑ سے محبت میری محبت ہے اور علیؑ کا اکرام میرا اکرام ہے۔ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے یہی حکم خدا ہے جو جبرئیل نے مجھے دیا ہے۔

پس ان متواتر اور صحیح و معتبر احادیث شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت

بانیٔ اسلام ہادیٔ مطلق نے صاف صاف اور کھلے الفاظ میں علیؑ کی پیروی اور فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی ہے اور بتا دیا ہے کہ علیؑ ہی سچا امام ہادی و رہبر ہمارا جانشین اور برحق خلیفہ ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت پر حضرت عمر کی تصدیق : حضرت عمر خلیفہ دوم جیسا بزرگ

سیاست دان اور اولوالعزم شخص بھی رسول اللہ کے ان اقوال شریف اور احادیث پاک کو سنتے ہوئے اور خود علیؑ کی قابلیت و منزلت کو جانتے ہوئے ذاتی تجربے کی بنیاد پر علیؑ کو خلافت و امامت مسلین و امارت مومنین کے لیے بہترین ہادی اور سب سے افضل و اعلیٰ حقدار اور بہمہ اوصاف مستحق خلافت و جانشینی جانتے ہیں اور علیؑ کی صداقت وحق کی شہادت دیتے ہیں۔ استیعاب عبدالبر میں جو مکالمہ حضرت عمر اور عبداللہ ابن عباس کا متعلقہ مسئلہ انتخاب و تقرر خلیفہ و جانشین درج ہے قابلِ ملاحظہ ہے۔ حضرت عمر تمام اصحاب امیدواران خلافت میں کوئی نہ کوئی نقص بیان فرما کر اس کو ناقابلِ خلافت بتاتے ہیں مگر علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں کہ بے شک علیؑ ایسے ہی ہیں۔ قابل ہیں صاحبِ فضیلت ہیں البتہ علیؑ کے مزاج میں خوش طبعی اور مزاح ہے۔ یہ حضرت عمر کا ذاتی اجتہاد ہے کہ امیرالمومنین خلیفۂ رسول کے لیے حسن خلق، خوش مزاجی اور انبساط طبیعت ناموزوں اور عیب ہے ورنہ آنحضرتؐ جو علیؑ کو ولادت کے روز سے جانتے ہیں گودوں میں کھلایا ہے۔ دن رات ساتھ رکھا ہے علیؑ کی خو بُو سے جیسے رسول واقف ہیں ویسا کوئی نہیں ہے۔ پس رسولؐ نے نہ علیؑ کی خوش مزاجی اور خندہ پیشانی کو عیب بتایا اور نہ اس صفت کو ہادی و رہبر ہونے میں مانع فرمایا۔

عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز زمانۂ خلافت حضرت عمر

میں میں حضرت خلیفہ دوم کے ساتھ جا رہا تھا کہ حضرت عمر نے ایک بڑا لمبا سانس کھینچا۔ میں نے عرض کی حضرت خیر ہے۔ کیا امر عظیم درپیش ہے کہ آپ ایسے ٹھنڈے سانس لے رہے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا ویحک یا ابن عباس ما اوری ما اصنع بامۃ محمد قلت ولما وانت بحمد اللہ قادر ان تصنع ذالک فکان الثقۃ قال انی اراک تقول ان صاحبک اولی الناس بہا یعنی علیاً قلت اجل واللہ انی لاقول ذالک فی سابقتہ وعلمہ وقرابتہ و صھرہ قال انہ کما ذکرت ولکنہ کثیر الدعابۃ فقلت عثمان قال فواللہ لو فعلت لجعل بنی معیط علی رقاب الناس تعملون فیہم بمعصیۃ اللہ واللہ لو فعلت لفعل ولو فعل لیفعلوہ فوثب الناس علیہ فقتلوہ ایسا ہی پھر حضرات طلحہ و زبیر ابن عبداللہ اور سعد ابن وقاص کے متعلق فرمایا ہے۔ استیعاب جلد ۲ ص۴۶۷ و ص۴۶۸ نیز وسیلۃ النجاۃ ص۱۰۶ ازالۃ الخفاء ص۱۹۵

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عمر کچھ خاموش رہے اور پھر فرمایا خدا اس کا ولی ہے اگر وہ چاہے تو کتاب خدا اور سنتِ رسول پر اس امر کو تمہارے صاحب (خلیفہ) کے ذریعہ سے چلائے ہاں یہ جان رکھو کہ اگر علیؑ خلیفہ ہوں تو وہ ضرور تم کو حجتِ بیضا اور صراطِ مستقیم پر چلائیں گے۔

پھر علامہ عبدالبر استیعاب جلد ۲ ص۴۷۲ میں دوسری روایت حضرت عمر کے فرزند عبداللہ کی زبانی درج کرتے ہیں۔ عن عبد اللہ ابن عمر قال قال عمر لاھل الشوری للہ درھم ان ولوھا الاصلع کیف یحملھم علی الحق ولو کان السیف علی منقہ، فقلت العلم ذالک منہ ولا تولیہ قال ان لم استخلف فاترکھم فقد ترکھم من ھو خیر منی۔

نیز جلد ۲ ص۴۱۹ میں بحالات حضرت عمر پھر لکھتے ہیں کہ قولہ فی علی

ان ولوھا الاصلع سلك هم الطريق الاصلح المستقيم لیعنی علیاً فقال ابن عمر بالمیعلك الی تعدم علیاً قال اکرہ ان احملھا حیاً ومیتاً۔ کالبد صفحہ ۴۹

غرضکہ فرمانروائے اسلام تاجدارِ رسالتؐ نے علیؑ کے متعلق امت کو ہدایت و رہبری فرمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ باربار سنایا، عمل کرکے دکھایا کہ علیؑ ہادیٔ برحق اور رہبرِ کامل ہے علیؑ جانِ نبی ہے نفسِ رسول ہے۔ علیؑ کی ہدایت میری ہدایت ہے۔ علیؑ کا حکم میرا حکم ہے۔ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور علیؑ سے علیحدگی مجھ سے جدائی ہے۔ علیؑ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ علیؑ سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے۔ علیؑ ہی صراطِ مستقیم پر چلائے گا اور علیؑ ہی راہِ ہدایت پر لے جائے گا۔ علیؑ کی پیروی میں گمراہی اور ضلالت کا ہرگز ہرگز اندیشہ نہیں ہے

ظاہر ہے، بدیہی امر ہے کہ ہر ایک سلطنت و حکومت اور ہر ایک قوم و ملت کے لیے ایک قانون اور ضابطہ لازمی اور ضروری ہے پس بلاشک و شبہ کسی کو انکار نہیں کہ سلطنتِ محمدیؐ حکومتِ اسلامی کا ضابطہ جامع و کامل قیامت تک نہ بدلنے والا قانون خدا کا کلامِ پاک قرآن مجید فرقانِ حمید ہے اور حکومت والے سلطنت کے بادشاہ و تاجدار نے بتا دیا اور بار بار سنا دیا کہ بس میری سلطنت و حکومت اور خدائے جلیل کی لازوال بادشاہت کا یہ قانون میرے بھائی اور میرے وصی علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ اس کے ساتھ ہے۔ جو علیؑ کا حکم ہے وہ قرآن کا حکم ہے اور جو قرآن کا حکم ہے وہ ہی علیؑ کا حکم ہے۔ نہ علیؑ قول و فعل قرآن سے باہر ہیں اور نہ قرآن کے احکام علیؑ کے اقوال سے علیحدہ ہیں۔ ازالۃ الخفا مقصد دوم صفحہ ۲۷۹ علی مع قرآن الخ

اس کے ساتھ ہی مخبرِ صادق تاجدارِ ماینطق عن الھویٰ نے آنے والے زمانے کی خبر بھی دے دی کہ تم لوگ نفسانی خواہشوں جاہ طلبی و دُنیا پرستی کے جالوں میں پھنسو گے۔ علیؑ سے جنگ کرو گے۔ ہدایت اور صراطِ مستقیم کے راستے کو چھوڑ دو گے

علیؑ سے علیحدہ ہو جاؤ گے اور ضلالت و گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔ علیؑ کا جنگ بس میرا جنگ ہے جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا اسی طرح علیؑ تاویلِ قرآن پر جنگ کریں گے۔

اخرج احمد والبو یعلی وابن حبان والحاکم وقال علی شرط الشیخین والبونعیم فی الحلیہ ومحی السنۃ (البغوی) فی شرح السنۃ کلہم من ابی سعید الخدری قال سمعت رسول اللہ یقول ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ قال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ قال لا قال عمر انا یا رسول اللہ قال لا ولکن خاصف النعل وکان علیؑ قد اخذ نعل رسول اللہ وھو یخصفیھا و فی روایۃ اخری لاحمد والحاکم عنہ ان النبی قال لعلی انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔ نزل الابرار ص۲۴ و ص۲۹ خصائص نسائی ص۴۲ صواعق ص۷۴ تاریخ الخلفا سیوطی ص۱۷۲ کبھی خود علیؑ کو مخاطب فرما کر ارشاد کرتے ہیں کنوز الحقائق یا علی انت تقاتل علی سنتی رسولؐ نے فرمایا یا علیؑ تم میری سنت پر میرے طریق پر جنگ کرو گے۔

نیز ازالۃ الخفا مقصد دوم ص۲۵۶ وسیلۃ النجاۃ ص۹۸۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلاً منکم قد امتحن اللہ قلبہ الایمان ولیضربنکم علی الدین او یضرب بعضکم قال ابوبکر انا یا رسول اللہ قال لا قال عمر انا ھو یا رسول اللہ قال لا ولکن ذالک الذی خصف النعل وقد کان اعطی علیاً یخیفھا خصائص نسائی قلمی ص۱۲ مطالب السئول ابو طلحہ شافعی ص۸۳ نیز آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ میرے بعد ناکثین و قاسطین و مارقین سے جنگ فرمائیں گے۔ دراسات اللبیب ص۲۱۲ استیعاب جلد ۲ ارجح المطالب مطالب السئول

صٓ۸۳ ، صٓ۸۲ تفسیر درِ منثور جلال الدین سیوطی جلد ۶ سورہ زخرف عن جابر عن عبد اللہ عن النبی فی قولہ تعالیٰ فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون نزلت فی علی انّہ ینتقم من الناکثین والقاسطین والمارقین بعدی۔ کنزالعمال وغیرہ

نیز علامہ دارقطنی حاکم اور خطیب کل کے کل ناقل ہیں کہ رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا۔ انّ الامّۃ ستغدر بک من بعدی وانت تعیش علی ملتی وتقتل علی سنتی من احبّک احبنی ومن ابغضک ابغضنی وان ھذا ستخضب من ھذا یعنی لحیتہ من راسہ نزل الابرار صٓ۲۹ آئندہ آنے والے واقعات علیؑ کی آنے والی مصیبت و تکلیف کی پیشین گوئی فرماتے ہیں۔ علیؑ کے دشمنوں گمراہ و حریص دنیا پرست لوگوں کی علیؑ سے دشمنی اور عداوت کرنے اور علیؑ سے بغض و حسد رکھنے کی خبر بیان فرماتے ہیں محزون و ملول ہوتے ہیں گریہ فرماتے ہیں اور علیؑ کی صداقت و حقانیت سلامتی دین وایمان کی تصدیق فرماتے ہیں

ازالۃ الخفا صٓ۲۷۵ اور علامہ مومن شبلنجی نورالابصار صٓ۱۱۱ میں خود علی سے روایت کرتے ہیں۔ علیؑ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ کے ساتھ جارہا تھا راستے میں ایک باغ نظر پڑا تو میں نے عرض کیا۔ رسول اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا باغ ہے۔ علی تمہارے لیے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے۔ فلمّا خلالہ الطریق اعتنقنی ثم اجھشنی باکیاً فقلت یا رسول اللہ مایبکیک قال ضغاین لک فی صدور اقوام لایبدونہا لک الا من بعد موتی قال ملت یارسول اللہ فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ دینک۔ ایضاً۔ ازالۃ الخفا صٓ۲۷۵ اخرج الحاکم من علی قال ان مما عھد الی النبی ان الامۃ ستغدر بی بعدہ رسول اللہ کا یہ رنج و ملال اور حزن و بکا نہ صرف علیؑ کی ہی مصیبت اور تکالیف کے خیال سے ہے بلکہ بلاشک یہ امت کا رحیم باپ مسلمانوں کا ہمدرد و مربی

اسلام کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی گمراہی اور ضلالت پر بھی روتا اور حزن و غم فرماتا ہے کیونکہ بانیٔ اسلام کو دینِ اسلام علیؑ سے بھی زیادہ پیارا اور محبوب ہے۔

الغرض سلطنت اسلامی کا تاجدار سلطانِ دین پرور بادشاہِ کون و مکان بانیٔ اسلام نے اِس تواتر کے ساتھ متعدد موقعوں پر ابتدائے اسلام سے رحلت فرمائی کے وقت تک بار بار مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ سے امت کو بتلا دیا اور جتلا دیا ہے کہ علیؑ حقیقی امیر المومنین مسلمانوں کا ہادی و رہبر ہمارا سچا جانشین صراطِ مستقیم پر چلانے والا ہے۔ علیؑ کی اطاعت و پیروی اور علیؑ کی حکومت و فرمانبرداری میں کبھی گمراہی اور ضلالت نہیں ہے۔ علیؑ سے مخالفت سراسر ظلم اور علیؑ سے مقابلہ و جنگ قطعاً گمراہی و ضلالت ہے۔ جنگ جمل اور صفین کی پیشین گوئیاں فرماتے ہیں کبھی طلحہ و زبیر وغیرہ سے ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اما واللہ لتقاتلہ وانت ظالم۔ یعنی قسم ہے خدا کی تم علیؑ سے جنگ کروگے اور تم علیؑ سے جنگ کرنے میں ظالم رہو گے۔ مدارج النبوۃ ص۶۱۳ نورالابصار شبلنجی ص۱۳۳ اسعاف الراغبین ص۶۵، مستدرک حاکم۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ وغیرہ۔

کبھی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر علیؑ کی صداقت و حقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں علیؑ کو مثل اپنے قرار دیتے ہیں اور علیؑ کے مخالف و مقابل گروہ کو کفار و مشرکین مکہ کے مشابہ فرماتے ہیں۔ صلحنامہ حدیبیہ کے واقعہ کو تاریخ و سیَر اور حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ فرماؤ۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش اور مشرکین مکہ امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان وغیرہ کے ساتھ جو صلحنامہ لکھا جاتا ہے۔ علیؑ کو تحریر صلحنامہ کا حکم ہوتا ہے علی صلحنامہ میں محمد رسول اللہ کا لفظ لکھتے ہیں مگر گروہ کفار لفظ رسول اللہ لکھنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس لفظ کو مٹا دو۔ علیؑ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے۔ آخر آنحضرتؐ خود لفظ رسول اللہ کو مٹا دیتے ہیں اور علیؑ سے ارشاد فرماتے ہیں

کہ اے علیؑ ہمارے بعد تم کو ایسا ہی موقع پیش آئے گا کہ تمھارے مخالفت و مقابل گروہ بھی اسی طرح تمھارے نام کے ساتھ لفظِ امیرالمومنین لکھے جانے کی مخالفت کریں گے تاریخ خمیس جلد ۲ صہ۲۳ تاریخ کامل جلد ۲ صہ۹۷، معارج النبوۃ رکن چہارم صہ۱۸۰ خصائص نسائی قلمی صہ۱۰۹، مدارج النبوۃ صہ۲۶۳، نورالابصار صہ۱۴۵ روضۃ الاحباب اور روضۃ الصفار وغیرہ پس معرکہ صفین اور تحریر حکم نامہ کے واقعات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح آج ہم کفار و مشرکین مکہ ابوسفیان سرداران بنی امیہ کے ساتھ یہ معاہدہ لکھتے ہیں اور ہماری رسالت و نبوت حقہ سے ان کا فروں کو انکار ہے پس اسی طرح ابوسفیان کے فرزند امیر معاویہ اور ان کے گروہ بنی امیہ وغیرہ کو تمھاری امامت و خلافتِ حقہ سے انکار و انحراف ہو گا اور تم کو بھی ہماری طرح لفظ امیرالمومنین اپنے نام کے ساتھ سے مٹانا پڑے گا بے شک تم اسی طرح سچے امام و خلیفہ ہو جس طرح ہم خدا کے سچے نبی اور رسولؐ ہیں اور تمھارے مخالف اسی طرح بر سر کفر و نفاق ہیں جس طرح آج یہ لوگ بر سر کفر و شرک ہیں۔

اسی طرح حضرت عمار کی مظلومانہ شہادت کی خبر دے کر علیؑ کی خلافتِ الٰہیہ اور امامتِ حقہ کی تصدیق فرماتے ہیں۔ اسلام کی تمام تاریخیں حدیث کی مستند صحاح وغیرہ کی کتابیں۔ رسول الٰہی کی اس مستند حدیث شریف سے مزین ہیں۔ سلطنتِ الٰہی کا تاجدار شہنشاہِ اسلام مدینہ رسول میں مسجد نبوی کی تعمیر فرماتا ہے خود بنفسِ نفیس مع اصحاب کام کر رہے ہیں۔ اینٹیں اٹھاتے ہیں مٹی لاتے ہیں عمار بجائے ایک کے دو دو اینٹیں اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک اپنی جانب سے اور ایک رسول اللہ کے بدلے میں ہے۔ آنحضرتؐ شفقت و محبت سے عمار کی پیٹھ پر دستِ کرم رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں اے عمار تم کو فرقہ باغی گروہ طاغی قتل

کرے گا تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو دوزخ کی طرف کھینچیں گے۔
علامہ زرقانی نے جلد اول ص۴۵ و ص۱۴۴ میں اس واقعہ کو صحیح بخاری و صحیح مسلم و
ترمذی کے حوالہ جات سے مفصل درج کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ قال لہ علیہ السلام بعد
مسح ظھرہ ونفض التراب عنہ للناس اجراً ولک اجران وآخر زادک من الدنیا
شربۃ لبن ولتقتلک الفیئۃ الباغیہ وروی البخاری فی بعض نسخہ ومسلم والترمذی
وغیرھم مرفوعاً ویح عمار تقتلہ الفیئۃ الباغیہ یدعوھم الی الجنۃ ویدعونک
الی النار زرقانی جلد اول ص۱۴۴ - ۱۴۴۔
(ترجمہ) آنحضرتؐ نے عمار کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر اور گرد و غبار جھاڑ کر فرمایا کہ اے عمار
اور لوگوں کے لیے اس خدمت کا ایک ثواب اور اجر ہے مگر تمھارے لیے دوہرا
اجر ہے اور تمھاری دنیاوی آخری غذا دودھ ہوگا۔ تمھیں ایک گروہ باغی قتل کریگا
تم انھیں بہشت کی دعوت دو گے اور وہ تمھیں جہنم کی طرف کھینچتے ہوں گے یعنی
تمھارا راستہ اور عمل جنت کا ہے اور ان کا راستہ اور فعل جہنم میں لے جائے گا۔
صحیح مسلم جلد ۲ ص۳۹۵ و ص۳۹۶ صحیح ترمذی جلد ۲ ص۲۲۱ سیرت ہشام جلد ۱
ص۱۷۶ نور الابصار شبلنجی ص۱۴۶ اسعاف الراغبین علامہ محمد صبان ص۶۶، مدارج النبوۃ
ص۸۷ معارج النبوۃ رکن چہارم ص۱۹ روضۃ الاحباب جلد اول ص۲۰۱ استیعاب جلد ۲
ص۴۲۳ و ص۴۲۴، ینابیع المودۃ ص۱۲۸ مطالب السئول ص۸۳ و ص۸۴ مسند احمد بن
حنبل ص۲۸۹ ارجح المطالب نے اسی حدیث شریف کو متواتر اسناد کے ساتھ ۵-۶
طریق سے درج فرمایا ہے ملاحظہ ہو ص۶۲۰/۶۲۲ سر العالمین غزالی قلمی ص۸ لغتہ الرائد نواب
صدیق حسن خاں ص۹۷ اسی حدیث شریف کی بنیاد پر علیؑ کو برسرحق و صداقت
اور علیؑ سے جنگ اور مخالفت کرنے والوں کو گروہ باغی بتاتے ہیں۔
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین علی مرتضیٰ کے ساتھ جو جنگ اور لڑائیاں

امیر معاویہ نے کیں ان میں جنگِ صفین معرکتہ الآرا جنگ ہے۔ اِس لڑائی میں حضرت عمار امیرالمومنین کی رکاب میں علیؑ کی طرفداری میں لشکر معاویہ سے جنگ کرتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ تمام تاریخ و سیر کی کتابیں متفق علیہ اس کی شاہد ہیں کسی کو اِس سے انکار نہیں کہ حضرت عمار کو معاویہ کے لشکر نے یوم صفین شہید کیا اور عمار علیؑ کی طرفداری میں معاویہ کے مخالف ہو کر لڑ رہے تھے۔

علامہ سبطِ ابنِ جوزی لکھتے ہیں کہ قال ابن سعد نظر عمار الی عمرو بن العاص وبیدہ رایۃ فناداہ ویحك یا ابن العاص ھذہ رایۃ قد قاتلت بھا مع رسول اللہ ثلاثہ مرات وھذہ الرابعۃ وفی روایۃ فحمل عمار وھو شیخ وبیدہ ترتعش علی الحربۃ وھو یقول نحن ضربناکم علی تنزیلہ فالیوم نضربکم علی تاویلہ ضربًا یزیل الھام عن مقیلہ ویذھل الخلیل عن خلیلہ او یرجع الحق الی سبیلہ یا ربّ الی مومن بقبیلہ وحکے ابن سعد فی الطبقات عن عبد اللہ ابن عمرو بن العاص انہ قال لابیہ قتلتم عماراً وقد سمعت رسول اللہ یقول لہ یقتلك الفئۃ الباغیہ۔
تذکرہ خواص الامہ صـ۵۳ـ۔

علامہ عبدالبر نے بھی استیعاب جلد ۲ میں حضرت عمار یاسر کے اِس رجز کو درج فرمایا ہے لکھتے ہیں۔ عن عبد الرحمن سلمی قال شھدنا مع علی صفین مراتب عمار بن یاسر لا یاخذ فی ماحیۃ ولا وادمن اودیہ صفین الا رایت اصحاب محمد یتبعونہ کانہ علم لھم وسمعت عماراً یقول یومئذٍ لھاشم بن عتبہ ھاشم تقدم الجنۃ تحت الابارقہ الیوم القی الاحبۃ محمداً وحزبہ واللہ لو ھزمونا حتیٰ یبلغو بنا سعفات ہجر لعلمنا انا علی الحق وانھم علی الباطل ثم قال نحن ضربناکم علی تنزیلہ فالیوم نضربکم علی تاویلہ
استیعاب جلد ۲ صـ۴۲۳ـ۔

شیخ الاسلام قسطنطنیہ علامہ قندوزی ینابیع المودۃ میں علامہ حموینی سے بسند اعمش نقل کرتے ہیں۔ عن علقمہ والاسود قالا اتینا ابا ایوب الانصاری فقلنا یا ابا ایوب ان اللہ اکرم نبیہ۔ وصغی لک من فضلہ اجزنا بمخرنک معہ علی فقاتل اھل لا الٰہ الا اللہ فقال ابوایوب اقسم لکما باللہ لقد کان رسول اللہ معی فی ھذا البیت الذی انتما فیہ معی وعلیّ جالس عن یمینہ وانا عن لیسارہ وانس بین یدیہ وما فی البیت غیرنا اذحرک الباب فقال انس افتح فتح الباب ودخل عمار خسم علی النبیؐ فرد علیہ السلام درحب بہ ثم قال یا عمّار سیکون بعدی فی امتی ھنات یختلف السیف فیما بینھما بینہم وحتی یقتل بعضھم بعضاً وحتی یتبرّء بعضھم من بعض فا ذا رایت ذالک نعلیک بہ ھذا الاصلع عن یمینی یعنی علیاً فان سلک الناس کلّہم وادیا وسلک علی وادیا فاسلک داوی علی دخل عن الناس یا عمار ان علیاً لا یردک عن ھدی ولا یدخلک علی ردی یا عمار طاعتہ علی طاعتی وطاعتی طاعۃ اللہ جلّ شانہ ینابیع المودۃ ص۱۲۵

زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا من یرید ان یحیٰی حیوتی ویموت مماتی ولیسکن جنۃ الخلد التی وعدنی ربّی فلیتول علی ابن ابی طالب فانہ لن یخرجکم من ھدی ولن یدخلکم فی ضلال۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص۲۶۲۔

یہی وجہ ہے کہ چونکہ اصحابِ رسول بزرگانِ دین یہ سب جلیل القدر صحابی رسول الٰہی کے کامل پیرو ایمان کے مجسمے علیؑ کی امامت وخلافت کی صداقت وحقانیت کو بادشاہِ اسلام تاجدارِ رسالت سے بار بار تواتر کے ساتھ سُن چکے تھے اور حکم خدا و رسول سے جانتے تھے کہ علیؑ کی اطاعت بس رسول کی اطاعت اور خدائے جلیل کی اطاعت ہے علیؑ برسرِ حق ہیں اور علی کا دشمن اور مخالف برسرِ ضلالت وگمراہی ہے

اسی لیے علیؑ کی ظاہری خلافت کے زمانے میں جب مجبوراً علیؑ کو اپنے مخالفین ناکثین فاسطین اور مارقین سے صفین و نہروان وغیرہ میں جنگ کرنا پڑا تو یہ سب حضرات علیؑ کے ہمرکاب علم مرتضوی کے سایہ میں دشمنان و مخالفین خلافت حقہ سے برسرپیکار اور نبرد آزما ہوئے اور گروہ باغی سے جہاد فرمایا اور جو شریک نہ ہو سکے ان کو مرتے دم تک علیؑ کے ساتھ ہوکر گروہ باغی سے جنگ نہ کرنے کا افسوس اور حسرت رہی ملاحظہ ہو حضرت عبداللہ ابن عمر خلیفہ دوم کے فرزند اپنی بے سعادتی کا افسوس کرتے ہیں اور اس گروہ باغی سے جنگ نہ کرنے پر اظہار حسرت فرماتے ہیں۔

استیعاب عبدالبر جلد ۲ ص۴۶۶ عن حبیب ابن ثابت عن ابن عمر انہ قال ما اسی علی شیئٍ الا انی لم اقاتل مع علی الفئۃ الباغیہ۔ وقال الشعبی ما مات مسروق حتی تاب الی اللہ عن تخلفہ عن القتال مع علی ولھذہ الاخبار طرق صحاح علامہ ابن اثیر جزری بھی اسد الغابہ میں اسی طرح نقل فرماتے ہیں۔ ارجح المطالب ص۶۱۱-۶۱۲ نیز دراسات اللبیب ص۲۱۳

نیز عبدالرحمان بن غنم الاشعری کے حال کو استیعاب عبدالبر جلد ۲ ص۴۰۲ پر دیکھو وھو ھذا جاھلی کان مسلماً علی عہد رسول اللہ ولم یرہ ولم یفد علیہ ولازم معاذ بن الجبل منذ لعثہ رسول اللہ الی الیمن الی ان مات فی خلافۃ عمر ولعرف بصاحب معاذ لملازمتہ لہ وسمع من عمر بن الخطاب وکان من افقہ اھل الشام وھو الذی فقہ عامۃ التابعین بالشام وکانت لہ جلالۃ وقدر وھو الذی عاتب اباھریرۃ وابا الدرداء بحمص اذ انصرفا من عند علی رسولین لمعاویۃ وکان مما قال لھما عجباً منکما کیف جاز علیکما ما جئتمابہ تدعوان علیاً ان یجعلھا شوری وقد علمتما انہ قد بایعہ المھاجرون والانصار واھل الحجاز والعراق وان من رضیہ خیر ممن کرھہ ومن

بایعہ خیر ممن لم یبایعہ وری بدخل لمعاویہ فی الشوری وھو من الطلقاء الذین لا تجوز لہم الخلافۃ وھو وابوہ من رؤس الاحزاب فتندما علی مسیرھما وقتالہما بین یدیہ۔ پس بلاشک و شبہ رسولِ الہیٰ سلطنتِ اسلامی کے مالک و بانی کے ارشادات و اقوال سے اور اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گفتار و کردار سے جمہور اسلام کے اتفاق و اجماع سے قطعاً مثل روز روشن ثابت اور ہویدا ہے کسی کو انکار نہیں کہ علی کی اطاعت رسول الہیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور علی سے بغاوت رسول اللہ سے بغاوت اور خدا سے بغاوت ہے۔ اور علی کا مخالف علی کا دشمن یقیناً رسولِ الہیٰ کا مخالف اور دینِ الہیٰ کا مخالف و دشمن ہے اور اسی طرح خدا و رسول کے حکم سے علی کا طریقہ نفسِ رسول کا دین بانیٔ اسلام رسولِ عربی کا دین ہے اور رسول اللہ کا دین خدا کا دین ہے اور جو خدا کا دین ہے وہی دینِ اسلام ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام بیشک علی سے ہی خدا نے اپنے دین کی نصرت فرمائی اور علی سے ہی اپنے اسلام کی تائید و امداد فرمائی خدا شاہد ہے اور اس کا رسول بانیٔ اسلام گواہ ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درِ منثور جلد ۳ صفحہ ۱۹۹ سورۂ انفال کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں عن ابوھریرۃ قال مکتوب علی العرش لا الہ الا اللہ انا وحدی لا شریک لی ومحمد عبدی و رسولی وایدتہ بعلی و ذالک قولہ تعالیٰ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمومنین اور نیز قاضی عیاض اپنی کتاب الشفاء فی حقوق المصطفےٰ جلد اول صفحہ ۷۹ میں لکھتے ہیں روی ابن قانع القاضی (عبد الباقی صاحب المعجم) عن ابی الحمراء (ھلال بن الحارث مولیٰ رسول اللہ) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لما اسری

بی الی السماء اذا علی العرش مکتوب" لا الٰہ الا اللہ محمد" رسول اللہ ایدتہ بعلی
اور علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں جابر سے روایت کرتے ہیں ۔ مکتوب علیٰ باب
الجنۃ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی قبل خلق السموٰت بالفی سنۃ
جلد اوّل ص۱۲۵ پس رسول الہیٰ کے ارشادات اور احادیث شریف بتا رہی ہیں اصحاب
کے اقوال و افعال سنا رہے ہیں ۔ تاریخ اسلامی کی کتابیں اور علمائے اسلام کی تصنیفیں
دکھلا رہی ہیں تاریخی روایات اور زمانہ کے حالات کھلم کھلا بتا رہے ہیں کہ جب
حضرت عثمان کے بعد مہاجرین و انصار بزرگان اسلام مقدس اصحاب رسول نے متفقہ
درخواست اور مجتمعہ اتفاق سے رسول الہیٰ کے سچے جانشین خلافت اسلامی کے
حقیقی مالک تخت و تاج محمدی کے اصلی وارث علی بن ابی طالب سے عملاً اور ظاہراً
سلطنت محمدی اور خلافت اسلامی کے قبول کرنے کی التجا کی اور خلافت اسلامی کا چارج
لیا تو جس طرح امیر معاویہ نے مسلمہ اور متفقہ امام و خلیفہ برحق نفس رسول علی ابن
ابی طالب کی اطاعت و فرمانروائی سے انکار کیا ۔ علیؑ کی مخالفت میں علم بغاوت
بلند فرمایا ۔ خلافت رسول کے دعویدار بنے اور بزعم خود حضرت عمر سے بھی زیادہ
اپنے آپ کو خلافت کا اہل اور حقدار بتایا ۔ ملاحظہ ہو تیسیر القاری شرح صحیح بخاری
جلد ۴ پارہ ۵ ص۱۴۷ ۔ امام بخاری نقل کرتے ہیں خطب معاویہ قال من
کان یرید ان یتکلم فی ھذا الامر فلیطلع لنا قرنہ خطبہ خواند معاویہ
گفت کسے کہ میخواہد اینکہ سخن کند دریں کار یعنی در امارت من پس گو بنماید سراسر
خود یعنی حاضر شود فلنحن احق بہ منہ ومن ابیہ ، ہر آئینہ ما سزاوار تریم بہ امر خلافت
از وے و از پدر وے گفتہ اند کنایت از ابن عمر و عمر ابن خطاب کردہ و ایں معنی
از فضولی و غرور نفس اوست حاشا کہ وے از ابن عمر چہ جائے عمر بہتر باشد
قال حبیب بن مسلمۃ فھلا اجبتہ گفت حبیب بن مسلمہ پس چرا جواب ندادی

تو ادر اقال عبد اللہ فحللت حبوتی وھممت ان اقول گفت عبداللہ ابن عمر کشادم حبوۃ خود را و مقید کردم کہ بگویم (حبوۃ جامہ کہ از کمر گذارند و بر دو زانو بندند وگاہے بدو دست نیز کنند بہر تقدیر کشادن حبوۃ کنایت از آمادگی کار است) احق بھذا الامر منک من قاتلک و اباک علی الاسلام سزاوار تر بہ ایں امر خلافت از تو کسے است کہ قتال کردہ ترا و پدر ترا در حق اسلام یعنی شما کافر بودید و محاربہ کردید پیغمبر خدا را بر اسلام قسطلانی گفتہ کہ کنایت از امیر المومنین علی است کہ بوئے محاربہ کردی و قبول خلافت او نکردی فخشیت ان اقول کلمۃً تفرق بین الجمع وتسفک الدم پس ترسیدم من ایں را کہ گویم کلمہ را کہ تفریق کند اجتماع را و بریزد خون مرا و خون مردم را و یحمل عنی غیر ذالک وذکرت ما اعد اللہ فی الجنان و حمل کردہ شود از من غیر آنرا از فتنہ و فساد و یاد کردم ثوابے را کہ آمادہ است خدا بر صبر از مکروہات در بہشت۔

پس اسی طرح علیؑ کے دین سے بھی (جو حقیقی دین رسول الہٰی کا ہے اور خدا کا دین ہے) علیحدہ ہو جانے کا اعلان اور اقرار فرمایا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد ۶ صـ۱۵۵ اور تاریخ کامل جلد ۳ صـ۲۴۵، صـ۲۴۶ جب امیر معاویہ کے حکم سے کوفہ میں حضرت علیؑ کے دوستوں کو گرفتار اور قتل کیا جاتا تھا اور حجر بن عدی بزرگوار رسول الہٰی کے صحابی مع بارہ شخصوں کے طوق و زنجیر میں گرفتار کرکے امیر معاویہ کے پاس شام میں لائے گئے تھے اور شہید کیے گئے تھے تو اس وقت کریم ابن عفیف خثعمی سے امیر معاویہ نے فرمایا تھا قال معاویہ ما تقول فی علی قال اقول فیہ قولک والی انا برآء من دین علی الذی کان یدین اللہ بہ فسکت وکرہ معاویہ ان یجیبہ طبری جلد ۶ صـ۱۵۵ علی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو خثعمی نے کہا میں وہی کہتا ہوں جو آپ کہتے ہیں۔ یہ سن کر امیر معاویہ نے کہا کہ میں تو علیؑ کے دین سے جس پر اللہ

نے اس کو چلایا ہے بیزار اور علیحدہ ہوں۔ خثعمی یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔

دراسات اللبیب میں ملّا محمد معین لاہوری تحریر فرماتے ہیں کہ معاویہ لوگوں کو جبراً مذہب طریق علیؑ پر عمل کرنے سے رد کا کرتے تھے ص۔

بہرحال اس طرح امّت کے خود ساختہ اصول کے مطابق بھی حضرت علی اتفاق و اجماع اصحاب سے خلیفہ تسلیم ہو گئے جیسا کہ علامہ عبدالبر استیعاب جلد ۲ ص۴۶۸ میں لکھتے ہیں کہ بویع لعلی بالخلافۃ یوم قتل عثمان واجتمع علی بیعتہ المہاجرون والانصار وتخلف عن بیعتہ منہم نفر لم یلیک قوم نفعدوا عن الحق اولیک قوم خذلوا الحق ولم ینصروا الباطل لیعنی تخلف ایضاً عن بیعت معاویۃ ومن معہ فی جماعۃ اہل الشام یعنی جس روز حضرت عثمان قتل ہوئے۔ اسی روز حضرت علیؑ سے خلافت کے لیے بیعت ہو گئی اور بیعتِ علیؑ پر تمام مہاجر و انصار متفق ہو گئے صرف چند لوگوں نے علیؑ کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سے ہٹ کر بیٹھ گئے یا انھوں نے حق کو چھوڑ دیا مگر ان لوگوں نے باطل کی بھی مدد نہیں کی یعنی معاویہ کی بیعت بھی نہیں کی لعد اس سے اور اس کی جماعت اہلِ شام سے بھی علیحدہ رہے۔

جابر بن عبداللہ انصاری۔ ثابت بن قیس و ثابت بن عبید انصاری۔ عمار یاسر ابوایوب انصاری۔ حجر بن عدی۔ رافع حذیفہ۔ بشیر بن ابی مسعود انصاری وغیرہ وغیرہ رسول اللہ کے اصحابِ کبار نے خدا و رسول کے حکم کے موافق علیؑ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا صدق دل سے اقرار کیا اور علیؑ کی رکاب میں شریک ہوئے۔

حضرت حذیفہ رسول اللہ کے مقدس و بزرگ صحابی صاحب سّر رسول اس زمانہ میں بیمار ہیں۔ حضرت علیؑ کے خلیفہ ہو جانے کی خبر سن کر گھر والوں سے کہتے ہیں ہم کو مسجد میں لے چلو۔ مسجد میں جاتے ہیں۔ لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور علیؑ کی خلافتِ حقہ اور ان کی صداقت وحقانیت کو ظاہر فرماتے ہیں اور حضرت

علیؑ سے بیعت کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں اظہارِ شکر کرتے ہیں کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ میں اس زمانہ علیؑ تک زندہ رہا بس علیؑ سے بیعت کا اقرار کرنے کے بعد انتقال فرماتے ہیں اور اپنے دونوں بیٹوں صفوان و سعید کو بھی علیؑ کی بیعت کرنے اور نصرت و امداد کرنے علیؑ کے شریک ہونے کی وصیت فرماتے ہیں۔ اسی لیے ان کے دونوں سعادت مند بیٹے باپ کی وصیت کے مطابق علیؑ کی رکاب میں حاضر رہے اور معرکہ صفین میں شریک ہوئے۔ استیعاب جلد اوّل صفحہ ۱۴۱ مدارج النبوۃ صفحہ ۶۴۳ ۔

غرض جب اِس طرف حضرت علیؑ نے تختِ خلافت الٰہیہ اور سریرِ سلطنت محمدیہ کو زینت بخشی (علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء اور ابنِ حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت ایک عرب نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، قسم ہے خدا کی یا امیر المومنین خلافت نے تم کو زینت نہیں دی بلکہ آپ نے خلافت کو مزین فرمایا اور خلافت نے آپ کی کچھ شان کو بلند نہیں کیا بلکہ آپ نے خلافت کو رفعت و شان بخشی ہے۔ آپ خلافت کے حاجت مند نہ تھے بلکہ خلافت آپ کی محتاج تھی۔ صواعق محرقہ۔ تاریخ خلفاء)

امیر معاویہ کی خواہش اور خلافت کی آرزو:

بس فوراً ہی اِس طرف بنی امیہ میں کھلبلی پڑ گئی امیر معاویہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ حضرت امیر معاویہ حضرت عثمان کی حیات سے ہی خلافت کا خواب دیکھ رہے تھے اور ابو سفیان کی اِس وصیت کی بنیاد پر جو حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے پر ابو سفیان نے حضرت عثمان سے کہا تھا کہ اب یہ خلافت کی گیند ہمارے خاندان بنی امیہ میں آگئی ہے لیس اب اس کو اِس خاندان سے نہ نکلنے دینا۔ بہشت دوزخ کوئی چیز نہیں بس آخرت کا خیال خام

ہے۔ خلافت اب خاندانِ بنی امیہ میں گردش کرتی رہے جس پر حضرت عثمان نے
اس کو لعنت ملامت کرکے ٹال دیا تھا (نصائح کافیہ صفحہ مدارج النبوۃ وغیرہ)
غالباً یقین کیے بیٹھے تھے کہ بس اب حضرت عثمان کے بعد ہم ہی خلیفہ اور جانشین
ہوں گے۔ عبدالرحمان ابھی فوت ہو چکے ہیں۔ مروان گورنر خلافت ہے مگر ہم
سے زیادہ لائق وقابل نہیں ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ حضرت عثمان ان کی تجویز
اور خواہش کے مطابق شام کو چلے جاتے تو یہ وہاں ضرور حضرت عثمان کی کمزوری
طبع سے پورا فائدہ اُٹھا کر استخلاف وصیت کی تدبیر کرکے اس اسکیم کو پورا فرما لیتے مگر
یہ تدبیر ہی نہ چلی اور حضرت عثمان نے مدینہ چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ آخر امیر معاویہ صاحب
تو خلافت کے خواب دیکھتے ہوئے حضرت عثمان کو اسی طرح بلا امداد چھوڑ کر چل دیے
اور حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ انھیں بنی امیہ کی بدولت واقع ہوگیا اور
اصحابِ رسول بزرگانِ دین نے نفسِ رسول خلافتِ محمدیہ کے اصلی وحقیقی وارث علی ابن
ابی طالب سے بڑھ کر رسولِ الٰہی کے ارشادات کے مواقف کسی کو تیچا ہادی و رہبر
خلافتِ رسولؐ کا اہل ومستحق نہ سمجھ کر حضرت علیؑ کو بہ التجا واطاعت تختِ خلافت
پر بٹھا دیا اور الحق یرجع الی اصلہ حق بحقدار رسید (جیسا کہ خود علیؑ نے فرمایا ہے
دیکھو خطبہ) بس یہ خبر سنتے ہی حضرت امیر معاویہ کے سینہ سے قدیمی بغض و عناد
اور خاندانی رشک وحسد کا دھواں اُٹھا بغاوت ومخالفت کی چنگاریاں سلگیں عداوت و
دشمنی کے شعلے بھڑکے۔ حضرت عثمان کے قتل کا بہانہ تراشا۔ نام نہاد انتقام اور بظاہر
خون خواہی حضرت عثمان کے جال پھیلائے۔ عمرو عاص جیسے سیاسی اور پولیٹیکل مدبر
کو حکومت مصر کا وعدہ دیا گیا اور امام امت خلیفہ برحق جانشینِ رسول سے جنگ کا
ڈھونگ رچایا اور بغاوت کا پھریرا اڑایا۔ اسلام میں فتنہ وفساد کے دروازے کھول دیے
رسول اللہ کا سچا ارشاد ہے کہ عمرو عاص اور معاویہ کبھی خیر پر جمع نہیں ہوں گے

دیکھو عقد الفرید علامہ عبدالبر جلد ۲ ص۲۲۸ عبادہ بن صامت صحابی رسول نے امیر معاویہ اور عمرو عاص کو دیکھ کر کہا۔ بینما نحن نسیر مع رسول اللہ فی غزاۃ تبوک اذ انظر الیکما لتسیران و انما تحدثان فالتفت الینا فقال اذا رأیتموھما اجتمعا ففرقوا فانھما لا یجتمعان علی خیر ابدا (یعنی ہم لوگ جب رسول اللہؐ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جا رہے تھے کہ رسول اللہ نے تم دونوں کو اکٹھا ہی چلتے اور باہم کچھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو ہماری طرف التفات فرما کر ارشاد کیا کہ جب تم لوگ ان دونوں (معاویہ اور عمرو عاص) کو جمع دیکھو تو ان کو علیحدہ کر دینا۔ تحقیق یہ کبھی خیر پر جمع نہ ہوں گے۔

نیز نصائح کافیہ ص۹۴ اخرج الطبرانی فی الکبیر و ابن عساکر عن شداد بن اوس عن رسول اللہؐ انہ قال اذ رأیتم معاویہ و عمرو بن العاص جمیعا ففرقوا بینھما فواللہ ما اجتمعا الا علی غدر۔ علامہ طبرانی نے کبیر اور ابن عساکر نے شداد بن اوس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب تم معاویہ اور عمرو عاص کو اکٹھا دیکھو تو ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر دینا۔ قسم ہے خدا کی یہ دونوں نہیں جمع ہوں گے مگر غدر پر۔

القصہ جس طرح امیر معاویہ نے خدا و رسول کے حکم کے برخلاف مسلمہ اور متفقہ جانشین رسول خلیفہ برحق امام ہادی و رہبر حضرت علی ابن ابی طالب کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر کے اور حضرت عثمان کی خون خواہی و انتقام کا بہانہ بنا کر علی خلیفہ وقت سے بغاوت کا جھنڈا بلند فرمایا اور خلافت کے دعویدار رہے بلکہ بزعم خود اپنے آپ کو حضرت عمر سے بھی زیادہ افضل خلافت کا اہل اور حقدار بتایا۔ ملاحظہ ہو شرح صحیح بخاری تیسیر القاری جلد ۴ پارہ ۱۵ ص۱۴۷۔

پس جس طرح امیر معاویہ نے علیؑ کے دین پر ہونے سے انکار کیا: امیر معاویہ نے

حضرت علیؑ سے بغاوت اور جنگ کی اور جس طرح علیؑ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے

انکار فرمایا۔ اسی طرح علیؑ کے دین و مذہب سے بھی (جو مسلمہ اور متفقہ حسب ارشاد رسول علیؑ کا دین رسول کا دین اور خدا کا دین ہے) علیحدہ ہو جانے اور بیزار ہو جانے کا اعلان فرما دیا کہ ہم علیؑ کے دین پر نہیں ہیں۔ کبھی دربار شام میں تخت خلافت پر بیٹھ کر اور کبھی مسجد میں ممبر پر چڑھ کر۔ دیکھو تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ اور تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۴۱ جبکہ حجر بن عدی مقدس صحابی رسول کو مع ان کے ہمراہیوں کے علی کی محبت کے جرم میں گرفتار کر کے طوق و زنجیر پہنا کر زیاد نے امیر معاویہ کے پاس شام میں بھیجا جو مع چند ساتھیوں کے جو امیر معاویہ کے حکم سے شہید کر دیئے گئے حجر کے ہمراہیوں میں کریم خشعمی بھی تھے۔ انھوں نے خواہش کی کہ معاویہ کے پاس ہم کو لے چلو امیر معاویہ جس طرح کہیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ چنانچہ معاویہ کی منظوری سے ان کو امیر معاویہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ جب یہ معاویہ کے سامنے آئے تو انھوں نے خشعمی سے کہا اللہ اللہ یا معاویہ انک منقول من ھذہ الدار الزائلہ الی الدار الآخرۃ الدایمۃ ثم مسئول عما اردت بسفک دمایہ فقال ما تقول فی علی قال اقول فیہ قولک قال انبراء من دین علی الذی یدین اللہ بہ فسکت یعنی خشعمی نے معاویہ سے کہا اللہ اللہ اے معاویہ (یعنی اے معاویہ خدا کو یاد کر) تم ضرور اس کے زائل ہونے والے گھر یعنی دنیا سے آخرت کے ہمیشہ رہنے والے گھر کو جانے والے ہو یعنی تم بھی ضرور مرو گے اور پھر وہاں تم سے ضرور اس ناحق خون بہانے کی بابت سوال کیا جائے گا۔ معاویہ نے خشعمی سے کہا تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس نے کہا جو تو علی کی بابت کہتا ہے۔ معاویہ نے کہا میں تو علیؑ کے اس دین سے جس دین پر خدا نے ان کو قائم کیا علیحدہ اور بیزار ہوں۔ یہ سن کر خشعمی خاموش ہو گیا۔

نصائح کافیہ صفحہ ۷ میں علامہ ابو عثمان حافظ کی کتاب الرد علی الامامہ سے منقول

ہے کہ امیر معاویہ خطبہ کے آخر میں کہا کرتے تھے (معاذ اللہ ناقل ہذا بیان۔ نقل کفر کفر نہ باشد) اللھم ان ابا تراب الحد فی دینک وصد عن سبیلک فالعنہ لعناً وبیلا و عذبہ عذاباً الیماً وکتب بذالک الی الآفاق فکانت ھذہ الکلمات یشاد بھا علی المنابر الی ایام عمر ابن عبد العزیز

بلاشک علیؑ کے حالات ایمانی سبقت اسلامی اور نصرت وحمایت دینی سے اور خدا کے ارشاد اور رسول الہیٰ کے اقوال شریف سے ثابت اور محقق ہے کہ علیؑ کی ذات اسلام مطلق اور علیؑ کا وجود حقیقی اسلام اور مجسمہ دین وایمان ہے بلکہ ایسا حقیقی مسلم اور سچا مومن ہے کہ علی کی محبت اور علی کی پیروی اسلام کی نشانی اور ایمان کی علامت قرار پائی۔ خدا شاہد ہے اور رسول خدا گواہ ہیں۔ ازالۃ الخفا مقصد دوم صلـ۲۵۶ـ میں حضرت عمر بیان فرماتے ہیں علی کا ایمان واسلام قدر و منزلت میں زمین و آسمان دونوں جہان کے اسلام اور دین سے افضل اور برتر ہے۔

دیکھو ارجح المطالب صـ۷۶ـ - عن ابوالقاسم زمخشری عن رجالہ قال جاء رجلان الی عمر ابن الخطاب فقال ما تری فی طلاق الامۃ فقام الی خلیفۃ فیھا اصلع فقال ما تری فی طلاق الامۃ فقال الیہ احدھما جئناک امیرالمومنین فسئلناک عن طلاق الامۃ فجئت الی رجل فسالتہ فقال عمر ویلک اتدری من ھذا ھذا علی ابن ابی طالب اشھد علی رسول اللہ سمعتہ وھو یقول لوان السموٰت السبع والارضین السبع وضع فی کفتہ ووضع ایمان علی فی کفتہ لرجح ایمان علی اخرجہ دیلمی، خوارزمی ابن سنان، فضائلی وغیرہ۔ مودۃ القربےٰ علی ہمدانی۔

عدالت بلاشک اصل اسلام ہے اور حقیقی دین و ایمان ہی عدالت ہے

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں پس وہ عدل مطلق رسول الٰہی بانی اسلام علیؑ کی عدالت کو مثل اپنی عدالت کے ارشاد فرماتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ علیؑ کا ہاتھ اور میرا ہاتھ عدالت میں برابر ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد اوّل صفحہ ۶۹ میں معتمد اور صحیح روایت درج کرتے ہیں کہ حبشی بن جنادہ بیان کرتا ہے۔ قال کنت جالسًا عند ابی بکر فقال من کان لہ حاجۃ و عند رسول اللہ ولہ عدۃ فلیقم فقام رجل قول طلیق ابن طلیق حزب من الاحزاب لم یزل حربًا للہ ولرسولہ ھو و ابوہ حتی دخلا فی الاسلام کالہوین

رسول الٰہی کی وہ حدیث شریف پڑھو جو پیچھے درج کی جا چکی ہے کہ علیؑ کا وہ ایمان کامل ہے جس کا امتحان بارہا ہو چکا ہے۔ پس بلاشک علیؑ اصل ایمان ہے اور علیؑ کا وہی دین ہے جو رسول الٰہی کا دین ہے اور رسول الٰہی کا وہی دین ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا دین ہے پس جو علیؑ کے دین پر ہیں وہ رسولؐ کے دین پر ہیں اور جو رسولؐ کے دین پر نہیں وہ خدا کے دین پر نہیں اور جو خدا کے دین پر نہیں اُسے خدا سمجھے۔

اسی سے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کی بھی تصدیق ہوتی ہے جس کو تواتر کے ساتھ تمام علمائے اسلام نے اپنی کتب احادیث میں درج فرمایا ہے کہ علیؑ کا دشمن منافق ہے۔ دین سے بے بہرہ ہے۔ علیؑ کا محب حقیقی مومن اور سچا مسلمان ہے۔ ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی مقصد دوم صفحہ ۲۴۲۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ لعھد النبی الیّ انہ لا یحبنی الا مومن ولا یبغضنی الا منافق۔

نیز صفحہ ۲۴۲ حضرت ابوذر فرماتے ہیں ہم نہیں پہچانتے تھے منافقین کو مگر ان باتوں سے کہ خدا و رسول کی تکذیب کرنے والا ہو تارک نماز ہو اور علیؑ سے دشمنی رکھنے والا ہو۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم مومن و منافق کو علیؑ کی محبت یا دشمنی سے

پہچانتے تھے یعنی علیؑ سے دوستی و محبت کرنے والا مومن اور علیؑ سے دشمنی کرنے والا منافق ۔ ازالتہ الخفا ص۲۶۲ ۔

حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں ۔ سمعت رسول اللہ یقول لعلی یا علی طوبی لمن احبك وصدق فیك وویل لمن ابغضك وکذب فیك یعنی رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا یا علیؑ خوشا حال ہے اس شخص کا جو تم سے محبت کرے اور تمھاری تصدیق کرے اور ویل و برائی ہے اس کے لیے جس نے تم سے دشمنی کی اور تمھاری تکذیب کی ۔ ازالتہ الخفا ص۲۶۳ ۔

امام احمد حنبل لکھتے ہیں ۔ عن ام سلمہ قالت قال رسول اللہ لعلی لا یبغضك مومن ولا یحبك منافق ۔ سند احمد حنبل ص۲۹۲

پس یہ ہی علیؑ کا دین اور یہ ہی علیؑ کا ایمان اور اسلام ہے مگر حضرت امیر معاویہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم علیؑ کے دین سے علیحدہ اور علی کے اسلام سے بیزار ہیں نہ ہمارا وہ دین ہے جو علیؑ کا دین ہے نہ ہمارا وہ اسلام ہے جو علیؑ کا اسلام ہے (خدائے جلیل کا کلام پاک ما محمد الا رسول افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم" یعنی اگر ہمارے رسول محمد مصطفےؐ وفات پا جاویں یا شہید ہو جاویں تو تم کفر پر پچھل کھریوں ہٹ جاؤ گے) اسی پر روشنی ڈال رہا ہے اور بدلو نعمۃ اللہ کفر کی تفسیر میں حضرت عمر خلیفہ دوم یہی فرما رہے ہیں کہ دین اسلام کو کفر سے تبدیل کرنے والے بنی امیہ ہی ہیں ۔ (اور اس میں کوئی شک و شبہ بھی نہیں کہ بنی امیہ کے سرتاج اور خلافت و سلطنت اموی کے بانی مبانی حضرت امیر معاویہ ہی ہیں) اس کی تائید میں امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا کہ امیر معاویہ جبر و کراہت سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور رضا و رغبت کے ساتھ اسلام سے نکل گئے ۔ دیکھو نصائح کافیہ ص۲۴ اور قول علامہ ابن اثیر کہ علیؑ نے امیر معاویہ کے متعلق فرمایا ۔ طلیق ابن طلیق

حزبٌ من الاحزاب لم یزل حرباً للّٰہ ولرسولہ ھو وابوہ حتی دخلا فی الاسلام کارھین ۔

خدائے جلیل کی ہستی کو ماننے والے یقیناً جانتے اور مانتے ہیں کہ وہ علیم مطلق عالم کان مایکون دنیا کا مالک اپنی جملہ مخلوق کا خالق و صانع اپنی ہر ایک مخلوق و مصنوع کے حسن و قبح اور نیک و بد حالات سے واقف اور دنیا کے گذشتہ و آئندہ ہونے والے واقعات کا کامل علم رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس کی بنائی ہوئی اس دُنیا میں کیا کیا واقعات گذریں گے اور کیا کیا حالات واقع ہوں گے ۔ اس کے بندے کیا کیا کریں گے ۔ کون اس کی ہدایت کے مطابق صراطِ مستقیم پر چل کر اس کے مطیع و فرمانبردار مخلص بندے کہلانے کے مستحق ہوں گے اور کون ان کی شاہراہِ ہدایت کو چھوڑ کر نفس پرستی کا گرویدہ ہو کر ائمہ یدعون الی النار کا تمغہ حاصل کریگا اور دُنیا کیلیے موجبِ فتنہ و فساد ہوگا اور اس کی خبر اپنے مخلص برگزیدہ بندوں کو بھی جن کو چاہا دی اور ان مقدس ہستیوں حاملانِ علم الٰہی نے حسبِ مناسب بطور پیشین گوئی لوگوں کی آگاہی اور تنبیہ کے لیے اس کو ظاہر بھی فرما دیا جیسا کہ آنحضرت ختمی مرتبت[ؐ] نے اپنے مابعد کے واقعات ، اسلام میں خرابیاں پیدا ہونے اور مسلمانوں کے راہِ ہدایت و مستقیم کو چھوڑ دینے کی اطلاعیں دیں اور ان ہونے والے حالات کی خبریں بطور پیشین گوئی فرمائی ہیں جس طرح علیؑ کی صداقت و حقانیت کو ظاہر فرماتے ہوئے علیؑ کو بر سرِ حق بتایا اور علیؑ کی پیروی و اطاعت کو راہِ ہدایت و صراطِ مستقیم فرمایا اسی طرح اس مخبرِ صادق عالم علم الٰہی نے یہ بھی خبریں دیں کہ تم لوگ پچھل کھُریوں ہٹ جاؤ گے علیؑ کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر دو گے ۔ علیؑ سے مخالفتیں اور مقابلہ آرائیاں اور لڑائیوں کے ڈھنگ ڈالو گے ۔ علیؑ کی امارت سے منکر ہو جاؤ گے ۔ فتنہ و فساد کے دروازے کھول دو گے ۔ سچے اسلام کو چھوڑ دو گے ۔ شام سے فتنے اٹھیں گے

اور امیر معاویہ مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ بنیں گے۔ خلافت کا کرتہ پہن بیٹھیں گے جس میں سوائے شر و فساد کے خیر نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص۱۲۲ میں امام حاکم سے بروایت ابن مسعود جہاں اہم فتنوں کو بیان کرتے ہیں۔ وہاں درج ہے کہ آنحضرت نے فرمایا فتنۃ یقبل من الشام فتنۃ الشام من قبل بنی امیہ یعنی ملک شام سے فتنہ اٹھے گا اور یہ فتنہ بنی امیہ ہیں۔

پھر امام طبرانی سے بروایت ام المومنین حضرت عائشہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے امیر معاویہ سے فرمایا۔ اے معاویہ جب تم کو خلافت کا کرتہ مل جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہوگی۔ ان کی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ایسا ہوگا۔ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہوگا لیکن فیہ ہنات و ہنات و ہنات۔ مگر اس میں شر و فساد اور فتنہ ہی فتنہ ہے۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم ص۲۸۷۔

پس کسی شخص کے متعلق کوئی پیشین گوئی کسی واقع ہونے والے امر کی خبر اور وہ بھی جب فتنہ و شر کے الفاظ سے مملو ہو اور اس کے برے نتیجہ کی اطلاع کو بھی ظاہر کر رہی ہو تو کبھی اس شخص کے برسرِ حق ہونے اور اس کے سچے اور صادق خلیفہ و امیر بننے کے لیے حجت اور دلیل نہیں ہو سکتی اور اس کا دعویٰ حقیقتاً غلط اور اس کا نتیجہ یقیناً غضب اور ظلم ہے اور ایسے ہی ایک نااہل ظالم و غاصب کا زور پا جانا اور لالچ یا ظلم و جبر کے خوف سے دنیا کا اس کے ساتھ ہو جانا اس کے لیے صداقت و حقانیت کی کوئی دلیل قرار نہیں پا سکتی اور ایسے ہی کسی سچے امام خلق اور حقیقی ہادی و رہبر کی امامت اور دنیا کا نہ ماننا امت کا اجماع نہ کرنا۔ کسی سچے ہادی و رہبر اور حقیقی امام کی امامت و خلافت کو کسی طرح نہیں توڑ سکتا۔ رسول اللہ نے علیؑ سے خود فرمایا کہ یا علیؑ تم مثل کعبہ ہو۔ لوگ تمہاری طرف

آئیں نہ تم لوگوں کی طرف جاؤ۔ دیکھو صواعق محرقہ لیس ابن کعبہ حقیقی نے اسی پر عمل فرمایا نہ کبھی خلافت کے لیے دھوڑ دھوپ نہ کی مگر اسلام کی حمایت و حفاظت سے بھی کبھی پہلو تہی نہ فرمائی اور اظہارِ حق سے کبھی خاموش نہ رہے اور جب لوگوں نے خواہش کی اور مجبور کیا تو ظاہری خلافت کو بھی قبول فرمالیا۔ صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ سنتِ رسول اور طریقہ نبوی کو زندہ فرمایا جو ہدایت کا طالب اور حق و صداقت کا پیاسا آیا اُسے کوثری چشموں سے سیراب کر دیا اور ہدایت کے جام پلا دیے اور جو ناجائز حکومت اور دولت کے طلبگار علیؑ سے پھرے اور علیحدہ ہوگئے ان کی پرواہ بھی نہ کی نہ اظہارِ حق سے کبھی منہ موڑا اور نہ طریق رسول کو کبھی چھوڑا مگر بنی امیہ اور طالبانِ دنیا کا ہمیشہ سے یہی حال رہا ہے کہ کعبہ کے جانے والے کعبہ کو جائیں گے ہم اپنے کوئے یار کو کچھ بنائیں گے۔ دنیا اگر سچے ہادی و امام کو چھوڑ کر شام کی زرخیزیوں اور بنی امیہ کی زرپاشیوں پر مائل اور راغب ہوگئے تو بلاشک علیؑ کی امامت اور خلافت میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا اگر دنیا طلبی اور دولت پرستی سے اُمت کا اجماع خلافِ حکمِ خدا و رسول رسول کے بتائے ہوئے رسول کے حقیقی جانشین سچے ہادی و رہبر علیؑ مرتضیٰ پر نہ ہو تو علیؑ کی سچی خلافت و امامت میں کوئی نقص نہیں پڑ سکتا اور کوئی نااہل و ناقابل مکر و فریب کی چالیں چل کر لوگوں کو ملک اور دولت کے ناجائز لالچ دیکر اور ظلم و تشدد کے جابرانہ زور ڈال کر اپنی طرف کھینچ کر اور سچے خلیفۂ رسول امام برحق حقیقی امیرالمومنین سے مقابلہ آرائیاں اور جنگ آزمائیاں کر کے مسلمانوں کا امیر اور اسلام محمدی کا سلطان اور خلیفہ رسول بن بیٹھے تو وہ کبھی سچا امام اور اصلی خلیفہ رسول نہیں کہا جا سکتا۔ نمرود اور نمرودیوں کا اجتماع نہ نمرود کو خدا بنا سکتا ہے اور نہ خلیل الٰہی کی خلعت و امامت میں کوئی خلل ڈال سکتا ہے۔ نہ فرعون و فرعونیوں کی کثرت موسیٰ و ہارون کی رسالت الٰہیہ اور خلافت کو مٹا سکتی ہے اور نہ فرعون کو انا ربکم الاعلیٰ کہنے کا سچا دعویدار بنا سکتی ہے۔

پس صاحبانِ عقل وفہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ علیؑ کے مخالفوں بنی امیہ کے طرفداروں امیر معاویہ کے عاشقوں کا یہ بیان کہ علیؑ پر تو امت کا اجماع نہیں ہوا مگر حضرت امیر معاویہ رسول اللہ کی پیشین گوئی اور خبر دہی کے موافق خلیفہ بنے اور ان پر اجماعِ امت ہوگیا اس لیے معاویہ مستحق خلافت اور مسلمانوں کے سچے امیر اور خلیفہ ہیں کہاں تک قابلِ وقعت اور صحیح ہوسکتا ہے۔ حدیث و سِیَر اور مستند تاریخوں سے بخوبی ثابت ہے کہ بانیٔ اسلام اور بزرگانِ دین نے کبھی امیر معاویہ صاحب اور ان کے جانشین بنی امیہ کو خلافت رسول اور امارتِ اسلام کے قابل نہیں سمجھا اور ہمیشہ باعثِ فتنہ وفساد اور خرابیٔ اسلام ہی بتایا اور باغی و طاغی و عاصی ہی فرمایا۔ کبھی ویل لبنی امیہ کا ارشاد ہوا تو کبھی فرمایا کہ عمرو عاص اور معاویہ کا اجتماع کبھی سوائے غدر کے خیر پر نہ ہوگا۔

بانیٔ اسلام اور اصحاب کبار نے امیر معاویہ اور بنی اُمیّہ کی خلافت کو مسلمانوں کی سچی امارت نہیں فرمایا

حدیث و سِیَر اور مستند و معتبر تاریخوں سے ثابت ہے کہ بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین اصحابِ کبار اور آئمہ علیہ السلام نے امیر معاویہ اور ان کے جانشینوں بنی امیہ کی خلافت وامارت کو رسولِ الٰہی کی سچی خلافت اور مسلمانوں کی سچی اور حقیقی امارت نہیں فرمایا بلکہ برائی سے ہی یاد فرمایا اور اسلام کے لیے موجب فتنہ وفساد اور خرابی ہی بتایا اور امتِ اسلامی کو ان سے بچنے ہی کی ہدایت فرمائی۔ رسولِ عربی کے ارشادات کو ملاحظہ فرماؤ کبھی "ویل لبنی اُمیہ" کا ارشاد ہوا تو کبھی فیہ ہنات وہنات وہنات سے یاد فرمایا اور لکلّ دینٍ آفۃ وآفۃ ھذا الدین بنو امیہ فرمایا گیا۔ نصائح کافیہ صفحہ ۱۰۶ اور کبھی یہ فرمایا کہ عمرو عاص اور معاویہ دونوں کبھی سوائے غدر کے خیر وصلاح پر اکٹھے نہ ہوں گے دیکھو نصائح کافیہ صفحہ ۹۲ اور کبھی لیطلع من ھذا الفج رجل من امتی یحشر علی غیر ملتی فطلع معاویہ

یعنی اس راستے سے جو شخص آرہا ہے وہ میری امت سے ہے مگر میری ملت اور میرے دین پر نہیں ہے بس اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اسی وقت امیر معاویہ اسی راستے سے ظاہر ہوئے اور قال اذا رایتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ (یعنی رسول اللہ نے فرمایا جب امیر معاویہ کو میرے منبر پر چڑھا دیکھو تو اس کو قتل کر دو) ارشاد فرما کر کھلم کھلا اور صریح الفاظ سے ظاہر فرما دیا کہ اس سے مراد سچی خلافت رسول اور اسلام کی حقیقی امارت نہیں ہے اسلام کے لیے فتنہ و فساد اور موجب گمراہی و ضلالت ہے (تاریخ کبیر طبری جلد ۱۱ ص۳۵۷ فرزان ماموں رشید معتضد باللہ) نصائح کافیہ علامہ عقیلی ص۲۵ نیز دیکھو حضرت عمر خلیفہ دوم کلام پاک الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا کی تفسیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے اسلام کی نعمت الہیہ کو کفر سے بدل دیا اور کافر ہو گئے وہ بنی امیہ اور بنی مخزوم ہیں۔ تفسیر در منثور جلال الدین سیوطی ص۸۳ پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم اور نیز علامہ طبرانی نے حضرت عمر سے روایت فرمائی ہے۔ ان رسول اللہ قال اکثر ما اتخوف من بعدی رجل یتاول القرآن یضعہ علی غیر مواضعہ و رجل یدعی انہ احق بھذا الامر من غیرہ۔ نصائح کافیہ ص۱۰۰ یعنی حضرت عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ بہت خوف فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بعد ایک شخص قرآن کو ایسی جگہ رکھے گا کہ جہاں اس کا مقام نہیں ہے۔ وہ شخص دعویٰ کریگا کہ وہ امر خلافت کے لیے زیادہ حقدار ہے ظاہر ہے کہ صفین کے معرکے میں امیر معاویہ نے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا جو یقیناً قرآن شریف کے رکھنے کی جگہ نہیں ہے اور علیؑ سے اپنے آپ کو زیادہ تر مستحق خلافت بتایا۔ علی نفس رسول باب علوم نبوی نے کھلم کھلا ارشاد فرمایا کہ امیر معاویہ مضلین میں سے ہیں۔ ماکنت متخذ المضلین عضداً ہم گمراہوں کو اپنا دوست اور مددگار نہیں بنا سکتے۔ مدارج النبوۃ شاہ ولی اللہ ص۱۲۷ اور نیز امیر معاویہ کے علم بغاوت بلند کرکے اور علیؑ سے جنگ و مقابلہ کرنے پر خود امیر معاویہ کو تحریر فرماتے ہیں اور معاویہ کی حقیقت

اسلام کو ظاہر فرما دیتے ہیں۔ معاویہ کو لکھتے ہیں کہ دخلت فی الاسلام کرھاً و خرجت منہ طوعاً تم مجبور و تنگ ہو کر باکراہت مسلمان ہوئے اور پھر جب موقع آگیا تو بخوشی و رغبت اسلام سے نکل گئے۔ نصائح کافیہ صفحہ ۲۴ ۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۱

فرزند رسول سبط اکبر حضرت امام حسنؑ کے خطبوں

امام حسن علیہ السلام کا ارشاد

اور ارشادات کو دیکھو کہ حضرت امام حسنؑ نے بھرے مجمعوں میں معاویہ کے سامنے بھی اور معاویہ کے پیچھے بھی کھلم کھلا کیا فرمایا کہ معاویہ خلافت رسول کا اہل نہیں ہے اور ہم سے زیادہ کوئی حقدار خلافت اور جانشینی رسول کا اہل نہیں ہو سکتا مگر تمہاری بیوفائیاں اور روگردانیاں ہم کو مجبور کر رہی ہیں کہ ہم اس امر خلافت کو جس کے لیے معاویہ تمہارے خون بہانے اور لوٹ مار غارت کرنے کے لیے تلے ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اسی طرح تم کو ان کے قتل و غارت سے بچالیں تاریخ کبیر طبری جلد ۶ صفحہ ۹۲ ، تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ وسیلۃ النجات صفحہ ۲۵ نزل الابرار علامہ بدخشی صفحہ ۴۸ سعادت الکونین صفحہ ۲۵ اور تذکرہ خواص الامہ علامہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۱۳ و صفحہ ۱۱۴ وغیرہ وغیرہ۔

پھر تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۱۵ پر امام حسن علیہ السلام کے اس خطبہ کو دیکھو جو کوفہ میں بعد مصالحت امیر معاویہ اور عمرو عاص اور ولید و عتبہ کی دریدہ دہنیوں کے جواب میں ان کے روبرو بھرے مجمع میں فرماتے ہیں۔ معاویہ سے ارشاد ہوتا ہے انت یا معاویۃ لنظر النبی الیک یوم الاحزاب، فرای اباک علی جمل یحرض الناس علی قتالہ واخوک یقود الجمل وانت تسوق، فقال لعن اللہ الراکب والقائد والسائق وما قاتلہ ابوک فی موطن الا ولعنہ وکنت معہ ولاک عمر الشام فخنتہ ثم ولاک عثمان فتربصت علیہ

امام حسینؑ کا ارشاد

۔ اب دیکھو سبط اصغر فرزند رسول امام حسینؑ نے حضرت امیر

معاویہ کو ہمیشہ لفظ طاغی سے ہی یاد فرمایا اور حضرت عبداللہ ابنِ زبیر نے بھی اسکی تائید فرمائی۔ دیکھو تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۸۹ اور تاریخ کامل جلد ۴ ص ۷ وغیرہ۔ امیر معاویہ کی وفات پر جب حاکم مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کو بیعت یزید کے لیے بلایا تو یہ دونوں حضرات اس وقت مسجدِ نبوی میں تشریف رکھتے تھے قاصد آتا ہے اور کہتا ہے کہ امیر کے پاس چلو عبداللہ ابنِ زبیر حسینؑ سے پوچھتے ہیں کہ یہ بے وقت طلبی کس لیے ہے حسینؑ فرماتے ہیں کہ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بڑا طاغی یعنی امیر معاویہ فوت ہوگیا ہے اور ہم کو بیعتِ یزید کے لیے اس وقت بلایا ہے تاکہ اس خبر کے شائع ہونے سے پہلے ہم سے بیعت لے لی جاوے۔ عبداللہ ابنِ زبیر کہتے ہیں میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں۔

اور بزرگانِ دین حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر۔ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابنِ عباس وغیرہ حضرات نے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کسی نے ہرقل و کسریٰ سے مشابہ بتایا اور کسی نے فرمایا احق بہ الامر منک من قاتلک و اباک علی الاسلام یعنی اے معاویہ امرِ خلافت کے لیے تجھ سے زیادہ حقدار ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام پر جنگ فرمایا (یعنی علیؑ) یہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا ارشاد ہے دیکھو صحیح بخاری جلد ۴ پارہ ۵ ص ۱۰۷ تیسیر القاری

حسن بصری نے جو امام کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اور بزرگانِ دین میں شمار ہوتے ہیں۔ امیر معاویہ کی نسبت جو ارشاد فرمایا ہے پیچھے درج کیا جا چکا ہے کہ قال حسن البصری اربع خصال کن فی معاویہ لو لم تکن فیہ واحدۃ فکانت موبقۃ انتزاؤہ علی ھذہ الامۃ بالسیف حتی اخذ الامر من غیر مشورۃ وفیھم بقایا الصحابہ ذوالفضیلۃ معاویہ میں چار باتیں ایسی ہیں کہ اگر ایک بھی ہو تو عذاب ابدی کے لیے کافی ہے۔ معاویہ نے امت محمدی پر تلوار کھینچی بغیر مشورہ خود خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ اس سے بہتر لوگ اصحاب صاحبان فضل و بزرگی اس وقت موجود

تھے وغیرہ وغیرہ (تاریخ کبیر طبری - تاریخ کامل - تاریخ ابو الفداء)

امام شافعی کا قول

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ کو گواہی اور شہادت کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔ روضۃ المناظر علامہ ابن الولید ابی الشحنہ برحاشیہ مروج الذہب جلد اول صـ۲۲۷ روی عن الشافعی انہ اسرّ الی الربیع ان اربعۃ من الصحابہ لاتقبل لھم شہادۃ معاویہ وعمروعاص والمغیرۃ وزیاد

اور بزرگانِ دین اصحاب رسول کریم جو امیر معاویہ کی اصلیت وحقیقت سے بخوبی واقف ہیں کھلم کھلا ظالم و نااہل ناقابل خلافت وامارت بتلاتے اور ہمیشہ ان کی مخالفت کرتے رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے ہرقل وکسریٰ سے مشابہ بتایا تو عبداللہ بن عمر نے بھی نرم الفاظ میں فرمایا کہ معاویہ سے بہتر اور زیادہ مستحق امر خلافت وہی شخص ہے جو اسلام پر معاویہ اور معاویہ کے باپ سے جنگ فرماتا رہا ہے یعنی علیؑ۔ علامہ ابن قتیبہ کی سیاست والامامتہ میں صـ۱۶۲ و صـ۱۶۵ سے اس خط وکتابت کو ملاحظہ فرمایا جاوے جو امیر معاویہ نے شرفاء مکہ معظمہ کے نام لکھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کو تحریر کیے گئے۔ سعد ابن ابی وقاص کی خوشامدیں کی گئیں۔ ان بزرگواروں کی عظمت وبزرگی اسلامی کے اعتراف کیے گئے۔ یہ سب کچھ خوشامدیں کی گئیں۔ علیؑ کے معاذاللہ نقص وعیب لکھے گئے۔ ان بزرگوں کو علیؑ سے توڑنے اور اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بہت کچھ کوششیں کیں۔ ہاتھ پاؤں مارے مگر سب نے امیر معاویہ ہی کو خطاوار اور گنہگار بتایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم ناقابل و نااہل ہو۔ شرفاء مکہ و مدینہ نے جواب لکھا کہ اما بعد فانک اخطات خطاءً عظیماً واخطات مواضع النصرۃ وتناولتھا من مکان بعید وما انت والخلافۃ یا معاویہ وانت طلیق وابوک من الاحزاب فکف عنا فلیس لک قبلنا ولی ولنصیر سعد ابن ابی وقاص جواب میں لکھتے ہیں اما بعد فان اھل الشوریٰ لیس منھم احق بھا من صاحبہ غیر ان علیاً کان من السابقۃ

ولم يكن فينا ما فيه فشاركنا فى محاسننا ولم نشاركه فى محاسنه وكان احقنا كلنا بالخلافة ولكن مقادير الله تعالىٰ التى صرفتها عنه حيث شاء لعلمه وقدرته وقد علمنا انه احق بها منا ولكن لم يكن بد من الكلام فى ذالك والتشاجر فدع ذا۔ واما امرك يا معاويه فالله امر كرهنا اوله واخره (ابن قتيبه ج۱ ص۲۴)

حصہ اول) محمد ابن سلمتہ الانصاری نے امیر معاویہ کو جواب میں لکھا ولعمری یا معاویہ ما طلبت الا الدنیا ولا اتبعت الا الہوی ولئن کنت نصرت عثمان میتا لقد خذلتہ حیا ص۱۲۶

حضرت ابوہریرہ گو امیر معاویہ کے دسترخوان کے شیدائی ہیں مگر امیر معاویہ کو کسی طرح خلافت کا اہل نہیں جانتے۔ حضرت ابودردا اور ابوہریرہ دونوں صفین کے مقام پر معاویہ کو علی الاعلان کہتے ہیں کہ اے معاویہ علیؑ تجھ سے افضل اور سابق ہیں وانت طلیق وابوک من الاحزاب۔ تو طلیق ہے اور تیرا باپ رسول الٰہی سے جنگ اور لڑائیاں لڑتا رہا تو کسی طرح خلافت کے قابل نہیں۔ الامتہ والسیاستہ ص۱۷۵ و ص۱۷۶ عبدالرحمان بن عثمان کی گفتگو جو انھیں ہر دو بزرگوار صحابیانِ رسول کریم یعنی حضرت ابوہریرہ اور ابودردا سے ہوئی ہے پڑھنے کے قابل اور سننے کے لائق ہے

ابنِ قتیبہ دینوری لکھتے ہیں کہ ابوہریرہ اور ابودرداء حمص کے مقام پر عبدالرحمان بن عثمان سے ملے۔ عبدالرحمان نے ان سے پوچھا کہ کہاں گئے تھے اور کہاں سے آ رہے ہو۔ انھوں نے قصہ بیان کیا کہ معاویہ کی خواہش پر علی سے قاتلانِ عثمان کو طلب کرنے اور خلافت کو بذریعہ مجلس شوریٰ طے کرانے کی درخواست کرنے گئے تھے۔ یہ سُن کر عبدالرحمٰن نے کہا العجب منکما انکما من صحابیہ رسول اللہ اما واللہ لئن کففتما ایدیکما ما کففتما السنتکما اتاتیان علیا وتطلبان الیہ قتلۃ عثمان وقد علمتما ان المہاجرین والانصار لو حرموا دم عثمان نصروہ وبایعوا علیا علی قتلتہ فھل فعلوا واعجب من ذالک رغبتکما عن ما صنعوا

وقولکما لعلی اجعلها شوری واخلعها من عنقک وانکما لیعلمان ان من رضی لعلی خیر ممن کرہیہ وان من بالیعہ خیر ممن لم یبالیعہ ثم امرتما رسولی رجل من الطلقاء لاتحل لاتحل لہ الخلافۃ ففشا قولہ وقولہما فہم معاویہ لیقتلہ لیقتلہ ثم راقب فیہ عشیرتہ (ابن قتیبہ جلد اول ص۱۲۷)

نیز استیعاب عبدالبر۔ امیر معاویہ نے جب قیس ابن سعد کو حکومت عراقین کے جالوں میں پھنسانا چاہا اور اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں کی تو حضرت قیس نے لیلائے خلافت وامارت کے متوالے امیر معاویہ کو جو جواب لکھا ہے وہ بھی لائق دید ہے تاریخ کامل جلد ص۱۳۶ فلما قراء قیس کتابہ ورای انہ لاتفتہ معہ المنافقہ والمماطلۃ اظہر اللہ ما فی نفسہ فکتب اللہ اما بعد ما لعجب من اغترارک لی وطعمک فی واستسقاطک ایای السومنی الخروج عن طاعۃ اولی الناس بالامارۃ واقولہم بالحق واھداھم سبیلا واقربہم من رسول اللہ وسیلۃ وتامرنی بالدخول فی طاعتک طاعۃ ابعد الناس من ھذا الامر واقولہم بالزور واضلہم سبیلا وابعدہم من رسول اللہ وسیلۃ ولدضالین مضلین طاغوت من طواغیت ابلیس۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس کو بھی خط لکھا گیا تھا جواب بھی مندرجہ ذیل قابلِ ملاحظہ ہے۔ ابن قیتبہ ص۱۸۵ عبداللہ ابن عباس نے بھی امیر معاویہ کے اس خط کا جواب لکھا۔ علامہ دینوری نے امامتہ والسیاستہ جلد اول ص۱۸۴ میں نقل کیا ہے۔ قال لما اتی کتاب معاویہ الی ابن عباس ضحک ثم قال حتی متی یخطب الی معاویہ عقلی و حتی ومتی احمجم لہ عما فی نفسی فکتب بعد الحمد اللہ اما بعد فقد جاء فی کتابک فاما ما ذکرت من سرعتنا بالمساءۃ الی انصار عثمان لسلطان بنی امیہ فلعمری لقد ادرکت فی عثمان حاجتک لقد استفرک فلم تنصرہ حتی مرت الی ما صرت وبینی وبینک فی ذالک ابن عمک واخو عثمان الولید بن عقبہ واما قولک انہ لم تبق من

رجال قریش ستۃ فما اکثر رجالہا واحسن نقیبتہا وقد مالک من حنا رھا من فاتلک ولم نجد لنا الا من خذ لک واما اعزاذک اماما بعدی ونیم فابوبکر وعمر کانا خیرمنک ومن عثمان کما ان علیاً خیراً منک واما قولک انا لسن نلقاک الا بما لقینا لک بہ فقد لقی لک منا یوم بینک ما قبلہ و تخاف لہ مالعدہ واما قولک انہ لو بالعینی الناس استقمت فقد بالیعوا علیاً وھو خیرمنی فلم تستقم لہ وان الخلافۃ لاصلح الا لمن کان فی الشوری فما انت والخلافۃ وانت طلیق الاسلام وابن راس الاحزاب وابن آکلۃ الاکباد من قتلی البدر۔

پس امیر معاویہ کی خلافت و امارت اور سلطنت و حکومت اسلامی کی اصلیت و حقیقت یہ ہے جو بیان کی گئی۔ تمام اکابر مکہ معظمہ و شرفار مدینہ منورہ سرداران اسلام بزرگان دین اصحاب رسول کریم ابوایوب انصاری محمد ابن سلمہ انصاری سعد ابن ابی وقاص عبداللہ ابن عباس قیس ابن سعد عبداللہ ابن عمر عبدالرحمن ابن ابی بکر سعید ابن عثمان جیسے حضرات جو بلاشک سلطنت اسلامی کے ارکان اعظم اور بزرگان دین اسلام میں سے تھے۔ یہ سب بزرگوار علیؑ کی صداقت و حقانیت اور علیؑ کی خلافت و حکومت کو اسلام کے لیے بہترین خلافت اور صحیح ہدایت و صراط مستقیم سمجھ کر علیؑ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا فخر و فرض سمجھتے ہیں۔ اپنے سے علیؑ کو بدرجہا افضل و برتر جانتے ہیں۔ خلافت رسول اللہ اور امارت اسلام کے لیے بہترین مستحق بتلاتے ہیں اور امیر معاویہ کی اصلیت و حقیقت اسلامی کو ظاہر کرتے ہوئے ان بزرگواروں نے اپنے جوابوں میں اور اپنے مکالموں میں جو گن گائے ہیں وہ ان جوابات سے بخوبی ظاہر ہو گئے ہیں۔ ان جوابات سے امیر معاویہ کی ایمانداری کی سیاسی چالوں اور حضرت عثمان کے قتل اور خون خواہی و انتقام کے بہانوں پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ طرفہ مزہ یہ ہے کہ خود امیر معاویہ صاحب

اور ان کے وزیر شریکِ دولت عمرو عاص صاحب خود اپنے آپ کو جھوٹا اور ناقابل بتلاتے ہیں اور علیؑ کی صداقت اور حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مروج الذہب مسعودی

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ نے امیر معاویہ کو طلیق ابن طلیق کے لقب سے یاد فرمایا ہے اور پھر مدینہ میں امیر معاویہ سے فرمایا کہ اگر ہم تمہارے قتل کا حکم دے دیں تو کیا چیز ہے جو تم کو بچا سکتی ہے۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص۲۵۵ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کسریٰ و ہرقل سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری سا بزرگ و مقدس مشہور صحابی رسول علیؑ کی محبت و الفت اور اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں۔ معاویہ کی مخالفت کرتے ہیں اور علیؑ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ علیؑ کی حمایت و نصرت میں علیؑ کے مخالفین سے جنگ فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو استیعاب عبدالبر ملکی جلد اوّل ص۱۵۲ کان ابوایوب الانصاری مع علی ابن ابیطالب فی حروبہ کلھا ابوایوب انصاری نے رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ علیؑ مارقین، قاسطین و ناکثین سے جنگ فرمائیں گے۔ استیعاب جلد ۲ ص۴۶۶ نیز ابوایوب انصاری نے معاویہ کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی قابلِ غور ہے لکھتے ہیں کہ اے معاویہ حضرت عثمان کا دراصل قاتل تو ہے۔ الامامۃ والسیاسۃ ص۱۰۱ فقلت عثمان ان الذی تربص لعثمان وثبط اھل الشام عن نصرتہ لانت وان الذین قتلوہ غیر الانصار

حضرت حذیفہ یمانی جو رسول اللہ کے صاحبِ سر صحابی ہیں علیؑ کی صداقت و حقانیت کو علی الاعلان ظاہر کرتے ہیں۔ علیؑ کی بیعت فرماتے ہیں اور علیؑ کے مخالفین کو جھوٹا اور باطل بیان کرتے ہیں۔ علامہ مسعودی مروج الذہب جلد ۲ ص۷ میں جنگِ صفین کے واقعات تحریر کرتے ہیں۔ واستشھد فی ذالک الیوم صفوان وسعد ابن حذیفہ من الیمان وقد کان حذیفہ علیلاً بالکوفۃ فی سنۃ ست وثلاثین

فبلغه قتل عثمان وبیعه الناس لعلیؑ فقال اخرجونی وادعوا الصلوٰۃ جامعۃ فوضع علی المنبر فحمد اللّٰہ واثنی علیہ وصلّی علی النبی ثم قال ایھا الناس ان الناس قد بایعوا علیاً فعلیکم بتقوی اللّٰہ وانصروا علیاً ووازروہ فواللّٰہ انہ لعلی الحق اخراً ولاواً وانہ لخیر من مضی لعد بینکم ومن بقی الی یوم القیامۃ ثم اطبق عینہ علی لیسارہ ثم قال اللّٰھم اشھد انی قد بایعت علیاً و قال الحمد للّٰہ الذی القانی الی ھذا الیوم وقال لابنیہ صفوان وسعد نی رکونا معہ یکون لہ حروب کثیرۃ فیھلک فیھا خلق من الناس فاجتھدا ان تستشھد معہ فانہ واللّٰہ علی الحق ومن خالفہ علی الباطل ومات حذیفہ لعبد ھذا الیوم سبعۃ ایام۔

حضرت حذیفہ کے اس کلام روشن کے ایک ایک فقرہ پر غور فرمایا جاوے علیؑ کے متعلق تمام رازہائے سربستہ کا انکشاف فرما دیا ہے اور اوّل سے آخر تک علیؑ کی صداقت و حقانیت اور استحقاق و وراثت کو ظاہر فرماتے ہیں جیسا رسول اللہؐ سے سنا ہے اس کا انکشاف فرما دیا ہے۔

علامہ سبط ابن جوزی اپنے تذکرہ خواص الامہ صـ۱۱۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگ صفین میں امیر معاویہ کے مقابلہ پر علیؑ کی حمایت و نصرت میں علیؑ کی رکاب فیض انتساب میں بڑے بڑے بزرگ مشہور مقدس اصحاب رسول مہاجر و انصار بدری و اصحاب تبعہ الرضوان شامل اور حاضر تھے۔ عمار یاسر۔ ہاشم ابن عتبہ۔ ابن ابی وقاص۔ خزیمہ بن ثابت۔ اویس قرنی وغیرہ وغیرہ۔ شھد صفین مع امیر المومنین علیہ السلام من اھل بدر سبعۃ وثمانون رجلاً منھم سبعۃ عشر رجلاً من المھاجرین وسبعون من الانصار واما من باقی الصحابہ فکان معہ الف وثمانمایۃ منھم تسعون رجلاً بایعوا رسول اللّٰہ تحت الشجرۃ بیعۃ الرضوان۔

نیز استیعاب عبدالبر جلد ۲ صـ۴۲۳ حال حضرت عمارؓ۔ بصرہ کے مقام پر

کوکبہ مرتضوی لشکر علوی کا نقشہ علامہ مسعودی نے خوب کھینچا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص ۶۰۷ ۔ منذر بن جارود بیان کرتا ہے۔ لما قدم علیؑ البصرۃ دخل مما یلی الطف فاتی الزاویۃ فخرجت انظر الیہ فورد موکب نحو الف فارس تقدمہم فارس علی فرس اشھب علیہ قلنسوۃ وثیاب بیض متقلداً سیفاً معہ رایتہ واذا تیجان القوم وقد غلب علیہا البیاض والصفرۃ مدججین فی الحدید والسلاح فقلت من ھذا فقیل ابو ایوب الانصاری صاحب رسول اللہ وھؤلاء الانصار وغیرہم ثم تلاھم فارس آخر علیہ عمامۃ صفراء وثیاب بیض متقلداً سیفاً متنکب قوساً رایتہ علی فرس اشقر فی نحو الف فارس فقلت من ھذا فقیل ھذا خزیمۃ بن ثابت الانصاری ذوالشہادتین ثم مرّبنا فارس آخر علی فرس کمیت معتم بعمامۃ الصفراء من تحتہا قلنسوۃ بیضاء علیہ قباء ابیض مصقول متقلد سیفاً متنکب قوساً فی نحو الف فارس من الناس ومعہ رایتہ فقلت من ھذا فقیل لی ابو قتادہ بن ربعی ثم مرّبنا فارس آخر فرس اشھب علیہ ثیاب بیض و عمامۃ سوداء قد سدلہا بین یدیہ من خلفہ شدید الادمۃ علیہ سکینۃ ووقار رافع صوتہ بقراءۃ القرآن متقلداً سیفاً متنکب قوساً معہ رایتہ بیضاء فی الف من الناس مختلفی التیجان حولہ مشیخۃ وکھول وشبان کان قد اوقفوا للحساب اثر السجود قد اثر فی جباھہم فقلت من ھذا فقیل عمار بن یاسر فی عدۃ من الصحابۃ من المہاجرین والانصار وابنائہم ثم مرّبنا فارس علی فرس اشقر علیہ ثیاب بیض وقلنسوہ بیضاء عمامۃ صفراء متنکب قوساً متقلداً سیفاً تخط رجلاہ فی الارض فی الف من الناس الغالب علی تیجانہم الصفرۃ

والبياض معه رايته صفراء فقلت من هذا قيل هذا قيس بن
سعد بن عبادة فى الانصار وابنا ئهم وغيرهم من قحطان ثم
مر بنا فارس على فرس اشهل ما رأينا احسن منه عليه ثياب بيض
وعمامة سوداء قد سدلها بين يديه بلواء قلت من هذا قيل هو
عبد الله ابن عباس فى عدة من اصحاب رسول الله ثم تلا موكب آخر فيه
فارس اشبه الناس بالاولين قلت من هذا قيل قثم بن العباس
او سعيد بن العاص ثم اقبلت المواكب والرايات يقدم بعضها
بعضاً واشتبكت الرماح ثم ورد موكب فيه خلق من الناس عليهم
السلاح والحديد مختلفوا الرايات فى اوله راية كبيرة يقدمهم
رجل كانما كسر وجبر قال ابن عائشه وهذه اجزت عن
الرجل انه كسر وجبر كانما على رؤسهم الطير وقدام مسيرتهم
شباب حسن الوجه قلت من هؤلاء قيل هذا على ابن ابى طالب
وهذان الحسن والحسين عن يمينه وشماله وهذا محمد بن الحنفيه بين
يديه معه الراية العظمى وهذا الذى خلفه عبد الله بن جعفر بن ابيطالب
وهؤلاء ولد عقيل وغيرهم من فتيان بنى هاشم وهؤلاء المشائخ اهل بدر من
المهاجرين والانصار رضى الله عنهم حتى نزلوا المواضع المعروف بالزاويه
فصلى اربع ركعات وعفر خديه على التربه وقد خالط ذالك دموعه ثم
رفع يديه يدعوا اللهم رب السموات وما اظلت والارضين وما اقلت
ورب العرش العظيم هذه البصرة اسالك من خيرها واعوذبك من
شرها اللهم انزلنا فيها خير منزل وانت خير المنزلين اللهم هؤلاء
القوم قد خلعوا طاعتى ولغوا على ومكثوا ينبغى اللهم احقن دماء المسلمين۔

اس کے بعد علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے لشکر مخالف کی افہام و تفہیم میں پوری کوشش فرمائی مگر ان لوگوں نے بجز جنگ کرنے کے کسی بات کو قبول نہ کیا پھر بھی حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو بالمقابل صف باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کوئی شخص جنگ کی ابتدا نہ کرے کوئی تیر نہ پھینکے، کوئی تلوار نہ چلائے کوئی نیزہ نہ اٹھائے پھر بھی جب لشکر مخالف کسی طرح جنگ سے باز نہ آیا لڑائی شروع کی تو اس وقت بھی حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو اس طرح جنگ کے احکام صادر فرمائے

فقال ایھا الناس اذا ھزمتموھم فلا تجھزوا علی جریح ولا تقتلوا اسیراً ولا تتبعوا مولیاً ولا تطلبوا مدبراً ولا تکشفوا عورۃً ولا تمثلوا بقتیل ولا تھتکوا ستراً ولا تقربوا من اموالھم الا ما تجدونہ فی عسکرھم من سلاح او کراع او عبد او امۃ وما سوی ذالک فھو میراث لورثتھم علی کتاب اللہ۔

ناظرین با تمکین اہل انصاف حضرات غور فرماویں کہ یہ خیر و برکت سے بھرے ہوئے احکام مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے والے فرمان جو دنیا اور اہل دنیا کی بہبود کے لیے لسان الٰہی زبان محمدی نفس رسول ذات علوی سے صادر ہوئے ہیں آیا سلطنت محمدی اور سیاست نبوی کے قانون اور احکام اسلامی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ یا ابن تیمیہ صاحب کے زبردستی ظلم و جور سے بنے ہوئے امیروں خلیفوں کے احکام کو جو ظلم و تشدد اور قتل و غارت عیش پرستی کے لیے مسلمانوں کا خون بہانے اور فسق و فجور کرکے قانون اسلامی اور محمدی کو مٹانے پر مبنی ہوتے تھے۔ احکام اسلامی اور سلطنت محمدی کہا جا سکتا ہے۔ لا واللہ۔

امیر معاویہ کی خلافت و امارت اور اسلامی حکومت و سلطنت کی اصلیت و حقیقت پر ان بیانات مندرجہ بالا سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ اکابر مکہ معظمہ شرفاء مدینہ منورہ سرداران اسلام بزرگان دین رسول کریمؐ کے اصحاب نرا دے سب بزرگوار

علیؑ کی صداقت و حقانیت اور علیؑ کی خلافت و امامت جناب مرتضوی کی حکومت و سلطنت کو دینِ الٰہی اسلامِ محمدی کے لیے بہترین خلافت سچی ہدایت اور حقیقی صراطِ مستقیم بتاتے اور علیؑ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا فخر اور فرض سمجھتے ہیں علیؑ کو بدرجہا افضل و برتر جانتے خلافتِ رسول اور مسندِ رسول کے لیے علیؑ کو بہتر سے بہتر مستحق بتاتے ہیں اور اِن بزرگانِ اسلام نے امیر معاویہ کی حقیقتِ اسلامی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی لیاقت اور قابلیت اور استحقاق خلافت کے متعلق اپنے جوابوں اور مکالموں میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب ان بیانات سے جو درج کیے گئے ہیں علی الاعلان ظاہر اور روشن نظر آتے ہیں۔ حق کے جویا اور سچ کے طالب کو تاریخ و حدیث کی مستند کتابوں میں اس سے بدرجہا زیادہ نظر آئے گا۔

اِن بیانات سے امیر معاویہ کی خطائے اجتہادی اور ایمانداری کی سیاسی چالبازیوں حضرت عثمان کی خون خواہی اور انتقام کشی کے بےجا بہانوں پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے۔ خلافت و نیابتِ رسول سلطنتِ محمدی اور حکومت اسلامی کی امارت و امامت کے لیے اجماع کو دلیل و حجت بتانے والے حضرات منصفانہ نظر سے دیکھ کر واقعات پر نظر ڈال کر ارشاد فرماویں کہ آیا ان بزرگان اصحابِ کبار رسولِ کریم ہمدردانِ دین و ملت شرفاء مکہ سردارانِ مدینہ اہلِ خبرہ کا اجماع اور انتخاب قابلِ سند اور لائق قبولیت ہے یا امیر معاویہ کے اِس جمِ غفیر نام کے مسلمان شام کی اوباش و لٹیری جماعت کا اجماع مستند اور قابلِ تسلیم کہا جا سکتا ہے کہ جن کا دین و مذہب صرف کرسی کی پوجا اور جن کا ایمان و اسلام فقط امیرِ شام کی زر پاشیوں کی پرستش تھا جو امیرِ شام کے صرف پیسے کے غلام اور تلوار کے مطیع و فرمانبردار تھے جن کو نہ خدا سے کام نہ رسول سے غرض۔ نہ اسلام سے واقف نہ رسول سے آگاہ۔ جیسا امیر معاویہ نے پڑھا دیا اسی کو دین اور اسی کو اسلام

سمجھا اور جو کچھ بنی امیہ اور امیر معاویہ نے بتایا بس ویسا ہی رسولِ الہٰی کو جانا۔ مروج الذہب جلد ۲ صـ۵۲ و صـ۵۳ میں امیر معاویہ کی اِس امت اور شام کی اِس جماعت کی دینداری اور واقفیتِ اسلامی پر بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ جمعہ کی نماز بدھ کے دن امیر معاویہ پڑھاتے ہیں اور یہ پڑھتے ہیں۔ سوائے بنی امیہ اور امیر معاویہ کے کسی کو رسول کا عزیز اور رشتہ دار نہیں جانتے (خالکم بدہاں) علیؑ کو فاطمہ کا باپ اور فاطمہ کو رسول کی بی بی اور عائشہ کی بیٹی جانتے ہیں اور عائشہ کو معاویہ کی بہن بتاتے ہیں۔ یہ تھی امیر معاویہ کی سیاست اور یہ لوگ تھے امیر معاویہ کی امت۔

ابنِ تیمیہ کے دلائل خلافتِ یزید کی صحت کے متعلق

ابنِ تیمیہ یزید کی خلافت اور اس کی بیعت و اطاعت کو جائز قرار دینے کے لیے اور یزید کو مستحق خلافت بتانے کے لیے بڑے زور شور سے یہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ یزید صاحبِ سیف خود مختار فرمانروا اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا تھا اور لکھتے ہیں کہ وہ صاحبِ سیف تھا۔ عزل و نصب کرتا تھا۔ اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدودِ شرعی قائم کرتا تھا۔ کفار پر جہاد کرتا تھا۔"

کیا خلافتِ الہٰیہ۔ جانشینیٔ رسول اور امارتِ مسلمین کے لیے انھیں باتوں کی ضرورت ہے؟ ایک فاسق و فاجر خلافِ احکامِ رسول عمل کرنے والے مخالف شریعت احکام جاری کرنے والا دینِ الہٰی کی توہین کرنے والا، ظالم و جابر غاصب نفس پرست، ملکِ اسلامی اور مسندِ رسول پر بیٹھ کر دنیا میں فسق و فجور پھیلائے ظلم و جور کے دریا بہائے تو کیا ایسا شخص صاحبِ سیف خود مختار فرمانروا اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھنے والا مسلمانوں کا حقیقی پیشوا دینِ محمدی کا امام سلطنتِ

اسلامی کا امیرالمومنین ہو سکتا ہے توبہ توبہ استغفراللہ ہرگز نہیں۔ رسول الہٰی کی احادیث سے ثابت ہے کہ ایسے لوگ خلفائے رسول نہیں ہیں بلکہ گمراہ کرنے والے سلطان ہیں جن کی امامت و خلافت سے خود رسولِ خدا نے پناہ مانگی ہے یزید نے صاحبِ سیف ہونے کے باوجود کس جنگ اور کس معرکہ میں تلواریں چلائیں اور کتنے کافروں کو میدانِ جنگ سے بھگایا۔ کل علمائے اسلام کا یہی مذہب اور عقیدہ ہے کہ یزید فاسق و فاجر بے دین بلاشک جہنمی ہے اور وہ مسلمانوں کی خلافت و امارت کا اہل نہ تھا۔ بس ابنِ تیمیہ جیسے معدودے چند یزیدی طرفداروں کے سوا ہر ایک اس کو فاسق و فاجر جانتا ہے۔ ابنِ تیمیہ خواہ قسطنطنیہ والی حدیث کو لاویں یا اتفاق و اجماع کی حدیث کو یا توبہ و استغفار کو ثبوت میں پیش کریں لیکن اپنے ولی نعمت یزید کو فسق و فجور اور کفر و بے دینی کے جرم سے بچا نہیں سکتے۔

قسطنطنیہ کے سوا یزید نے کونسا جہاد کفار پر فرمایا تھا اور قسطنطنیہ میں بھی یزید کا تلواریں چلانا نظر نہیں آتا البتہ حضرت ابو ایوب انصاری کی قبر پر گھوڑے دوڑانا ضرور تاریخوں میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ پہلے سال میں بانیٔ اسلام کی آل پر چڑھائی کی۔ فرزندِ رسول کا سر کاٹا، آلِ محمد کو خون میں نہلایا۔ ذریتِ رسول کو اسیر کیا۔ دوسرے سال مدینۂ رسول پر چڑھائی کی۔ اصحاب اور اصحاب زادے قتل کیے گئے۔ مدینہ لوٹا گیا۔ قبرِ رسولؐ پر گھوڑے بندھے۔ مسجدِ رسول میں کتوں نے پیشاب کیے۔ تیسرے سال خانۂ الہٰی مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا گیا۔ منجنیق برسائے گئے۔ کعبہ پھونکا گیا، اس کے بعد جہنم کا راستہ لیا۔ یہ ہیں ابنِ تیمیہ کے صاحبِ سیف کفار پر جہاد کرنے والے خلیفہ و امام کے کارنامے۔

بنی امیہ نے دینِ اسلام کو بگاڑا مگر قربانیٔ حسینؑ نے باوجود گویا مابعد کی نفس پرست اسلامی بنام نہاد حکومتوں کی مخالفت کے اسلام کو زندہ رکھا اور جابرانہ جاہ طلب ظالمانہ و جابرانہ نام نہاد اسلامی حکومتوں یعنی بنی امیہ وغیرہ کی مستبدانہ و غاصبانہ خلافتوں نے بہ ظاہر اسلامی چولے پہن کر اور انقلبتم علیٰ اعقابکم کی تصدیق دکھلا کر بانیٔ اسلام سے اپنی پرانی مخالفتوں اور دشمنیوں کی بنیاد پر شیطانی خواہشوں نفس پرستیوں اور شہوت رانیوں کی غرض سے مسندِ رسول پر بیٹھ کر تاجدارِ رسالت بانیٔ اسلام کا جانشین بن کر زبردستی خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلا کر سچی شریعتِ الٰہی اور حقیقی اسلام محمدی کے احکام کو اُلٹ پلٹ کر دیا۔ سنتِ رسولؐ کو بدلا۔ دینِ الٰہی میں رخنے ڈالے اور اسلامِ محمدی کی حقیقت و اصلیت روحانیت و نورانیت کو بہت کچھ مٹایا جو یقیناً دین کے تمام ادیان و مذاہب پر بھاری ہے۔ وہ دینِ محمدی جو حقیقتاً دنیا کے تمام ناقص و نامکمل شریعتوں کو منسوخ کرنے اور عالم کے جملہ ادیان و مذاہب کو مٹا کر وحدت کی روح پھونک کر ایک دینِ اسلام جاری کرنے کے لیے رونما ہوا تھا اور دنیا و آخرت کے لیے خیر و برکت کا پیغام لے کر آیا تھا اس کے دلکش اور نورانی چہرہ کو اپنے کفر و زندقہ کے سیاہ دھبوں اور ظالمانہ جابرانہ بدکاریوں اور بداعمالیوں کے بدنما غلیظ و ناپاک داغوں سے سخت خوفناک اور گھناؤنا بنا دیا۔ کسی نے اسلام کو لٹیروں اور ڈاکوؤں کا دین بنایا تو کسی نے بزورِ شمشیر اسلام پھیلانے کا الزام لگایا اور کسی نے عیش پرستی کا مذہب کہا، کسی نے ظلم و جور اور خونریزی کا دین بتا کر دینِ محمدیہ سے نفرت کا اظہار کیا۔ بلاشک یہ سب خرابیاں دینِ محمدی پر بدنما دھبے اور سیاہ داغ انہیں نام نہاد اسلامی حکومتوں اور بنی امیہ کے ناجائز عیش پرستی کی خلافتوں کی بنیاد پر لگے ہیں جن کی خلافتوں اور

حکومتیں بلاشک بقول ڈوزی (فرانسیسی مورخ) محض کفر والحاد کی فتح و نصرت کی حکومتیں تھیں۔ بہرحال ان کفر و الحاد کی حکومتوں اور گمراہی و ضلالت کی خلافتوں نے حقیقی اسلام اور سچے دینِ محمدی کو مٹانے میں کچھ کسر نہ چھوڑی لیکن حسینؑ نے اپنے خون سے چمنِ اسلام کی آبیاری کی ؎

سبز دین ہو گیا خونِ حسینؑ سے

ایک انگریز کا قول امام حسینؑ کے متعلق

مسٹر گبن جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب دی فال آف رومن امپائر کی نویں جلد صفحہ ۳۴۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"امام حسینؑ کا پُر درد واقعہ ایک دُور دراز زمانہ اور دُور دراز ملک میں واقع ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بے رحم اور سنگدل لوگوں کے دلوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بے رحم ہو حسینؑ کا نام سنتے ہی اس کے دل میں ایک جوشِ ہمدردی پیدا ہو جائے گا۔"

حسینؑ کی محبت تمام مسلمانوں پر فرض ہے

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضرت رسولِ خدا کی محبت اور ان کی پیروی ہر ایک مسلمان کے لیے لازم اور واجب ہے کوئی مسلمان بغیر اس کے مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔ عقل اس پر گواہ اور شریعت اس پر شاہد ہے۔ خداوندِ عالم کا حکم ہے لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ احادیثِ نبی مندرجہ کتاب رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان جلد دوم صفحہ ۱۵ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں اے مسلمانو تم میں سے کوئی شخص جب تک مجھے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور اپنے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب

نہ رکھتا ہو وہ مومن نہیں ہے۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (عن انس صحیحین) ایضاً۔ لا یومن احدکم اکون احب الیہ من اہلہ ومالہ (صحیح بخاری مسلم)
نیز ابن حجر مکی صاحب صواعق محرقہ علامہ بیہقی اور ابو شیخ دیلمی سے نقل کرتے ہیں۔ قال رسول اللہ لا یومن احب من اہلہ وتکون ذاتی احب الیہ من ذاتہ (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۱۰۲) رسول اللہ نے فرمایا کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اور میری عترت کو اپنے نفس سے زیادہ اور میری عترت کو اپنی عترت سے زیادہ اور اپنے اہل کو میرے اہل سے زیادہ نہ سمجھے ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح اور متواتر حدیثیں ہیں جن سے علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کی محبت کے بارہ میں تاکید پائی جاتی ہے۔ آیہ قل لا اسئلکم الخ بھی اسی بارے میں ہے۔ اگرچہ آلِ محمد کے نسلی دشمن اور قدیمی مخالف بنی امیہ کی محبت کے دلدادہ اور امیر معاویہ کے پروپیگنڈہ سے رنگے ہوئے بعض مورخ اور مفسر جیسے سدی قتادہ اور ابن عساکر وغیرہ نے آلِ محمد کی اس خدا داد شرف اور بزرگی کو مٹانے کی کوشش کی اور اپنی تفسیروں اور کتابوں میں لکھ گئے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے اور قربیٰ سے مراد تمام قبیلہ قریش بلکہ عرب قبائل تھے جس طرح اب بھی بنی امیہ کا راگ گانے والے حضرات آلِ محمد پر مہربانی فرماتے ہیں اور ایسا ہی کیا کرتے ہیں لیکن سوادِ اعظم کے بہت سے لوگ مثلاً امام شافعی، فخرالدین رازی۔ علامہ شمس الدین ابن عربی۔ علامہ جلال الدین سیوطی۔ ابن صباغ مالکی شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی تائید کی ہے کہ یہ آیت اہلبیتؑ ہی کی شان میں ہے

اک ابرِ کرم فضا فضا میں برسا — پھر کفر کی گھنگھور گھٹا میں برسا
کعبے سے چلا تو چھا گیا طیبہ پر — طیبہ سے اٹھا تو کربلا میں برسا

ساغر نظامی

فہرست ان کتابوں کی

جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۱	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	سنّی	عربی
۲	تفسیر علامہ ابی السعود برحاشیہ	علامہ ابی السعود	″	″
۳	تفسیر کبیر			
۴	تفسیر حسینی	ملا حسین کاشفی	″	فارسی
۵	تفسیر جامع البیان	علامہ سید معین الدین	″	عربی
۶	تفسیر معالم التنزیل	علامہ ابو محمد الحسین الفرا البغوی	″	″
۷	تفسیر اکلیل	جلال الدین سیوطی	″	″
۸	تفسیر مدارک	ابو البرکات علامہ نسفی	″	
۹	تفسیر نیشا پوری	علامہ حسن بن محمد قمی		″
۱۰	تفسیر جلالین کمالین	نظام نیشا پوری	″	″
۱۱	تاریخ کامل	امام ابن اثیر جزری	″	″
۱۲	تاریخ کبیر	علامہ ابن جریر طبری	″	″
۱۳	تاریخ خمیس	شیخ حسین دیار بکری	″	″
۱۴	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	″	″
۱۵	تاریخ ابو الفداء	اسمٰعیل	″	″
۱۶	تذکرہ خواص الائمہ	علامہ سبط ابن جوزی	″	″
۱۷	سیرت محمدی	مولوی کرامت علی دہلوی	″	″

زبان	مذہب	مؤلف	نام کتاب	نمبر شمار
عربی	سنی	امام عبدالملک ابنِ ہشام	سیرتِ ہشام	۱۸
اردو	"	علامہ شبلی نعمانی	سیرت النبیؐ	۱۹
"	"	قاضی حاجی محمد سلیمان	رحمۃ للعالمین	۲۰
"	"	ڈاکٹر عبدالحکیم خاں	النبی والاسلام	۲۱
فارسی	"	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	مدارج النبوۃ	۲۲
عربی	"	شاہ عبدالعزیز دہلوی	سِرّالشہادتین	۲۳
اردو	"	عبیداللہ امرتسری	ارجح المطالب	۲۴
"	"	خواجہ حسن نظامی دہلوی	یزید نامہ	۲۵
"	"	"	محرّم نامہ	۲۶
عربی	"	امام ابی محمد ابن قتیبہ دینوری	تاریخ الامامۃ والسیاسۃ	۲۷
فارسی	"	محمد بن خاوند شاہ	روضۃ الصفاء	۲۸
اردو	شیعہ	خان بہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب	اعجاز التنزیل	۲۹
عربی	سنی	شیخ سلیمان الحسینی قندوزی	ینابیع المودّۃ	۳۰
"	"	ابن صباغ مالکی	فصول المہمہ	۳۱
"	"	علامہ ابوطلحہ شافعی	مطالب السؤل	۳۲
"	"	علامہ ابن حجر مکیؒ	صواعق محرقہ	۳۳
"	"	"	التطہیر اللسان والجنان	۳۴
"	"	علامہ ابی الولید محمد بن شحنہ	روضۃ المناظر	۳۵
"	"	محمد بن عیسیٰ ترمذی	صحیح ترمذی	۳۶
"	"	مسلم	صحیح مسلم	۳۷

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۳۸	مشکوٰۃ المصابیح	علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ	سنی	عربی
۳۹	تفسیر بغوی	علامہ بغوی	"	"
۴۰	صحیح بخاری	امام اسمٰعیل بخاری	"	"
۴۱	تفسیر استیعاب	عبدالبر مکی	"	"
۴۲	کنزالعمال	ملا متقی	"	"
۴۳	بہجۃ المحافل	شیخ ذکریا محمد المکی	"	"
۴۴	الشفا فی تعریف المصطفےٰؐ	قاضی عیاض	"	"
۴۵	ہدایت السائل	نواب صدیق حسن خاں	"	فارسی
۴۶	حبیب السیر	غیاث الدین ہردی	"	"
۴۷	مکتوبات مجدد صاحب سرہندی	مجدد صاحب سرہندی	"	"
۴۸	حدیقۃ الحقیقۃ	حکیم ثنائی	"	"
۴۹	وسیلۃ النجات	ملا محمد مبین فرنگی محلی	"	"
۵۰	سعادت الکونین	مفتی محمد اکرام الدین	"	"
۵۱	مقتل نور العین	ابو اسحٰق اسفرائنی	"	عربی
۵۲	مقتل ابو مخنف	ابو مخنف	"	"
۵۳	شہادت حسینؑ	میاں حسن پھلواردی	"	اردو
۵۴	تحریر الشہادتین	ابن شاہ سلیمان پھلواردی	"	فارسی
۵۵	تاریخ احمدی	نواب احمد حسین خان صاحب بہادر	شیعہ	اردو
۵۶	ارشاد الاذہان	علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ	"	عربی
۵۷	ناسخ التواریخ	لسان الملک علامہ تقی	"	فارسی

نمبر شمار	نام کتاب	مؤلف	مذہب	زبان
۵۸	شہیدِ اعظم	سید ریاض علی صاحب بنارسی	شیعہ	اردو
۵۹	شہیدِ اسلام	مولوی محمد ہارون صاحب زنگی پوری	″	″
۶۰	ذبحِ عظیم	مولوی اولاد حیدر صاحب فوق	″	″
۶۱	تاریخ روستہ الکبریٰ	مسٹر گبن	عیسائی	انگریزی
۶۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا	سی براؤن	″	″
۶۳	ہسٹری آف سارسین	آنریبل سید امیر علی	معتزلہ	″
۶۴	دُرِ ثمین	مرزا غلام احمد قادیانی	قادیانی	فارسی
۶۵	میزان الاعتدال	علامہ ذہبی	سنی	″
۶۶	ابن خلکان	علامہ ابن خلکان	″	″
۶۷	نصائح کافیہ		″	عربی
۶۸	نزل الابرار		″	فارسی
۶۹	تمدنِ اسلام		″	اردو
۷۰	شرف المؤبد		″	″
۷۱	شرح مواقف	علامہ رازی و طوسی	″	فارسی
۷۲	معارف ابن قتیبہ	علامہ ابن قتیبہ	″	″
۷۳	آیاتِ بیّنات	نواب محسن الملک	″	اردو
۷۴	آیات محکمات		شیعہ	اردو
۷۵	بغیۃ الرائد		سنی	فارسی
۷۶	احیاء المیت	علامہ سیوطی	″	عربی
۷۷	مسند امام احمد حنبل	امام حنبل	″	″
۷۸	عسقلانی شرح بخاری	علامہ عسقلانی	″	″
۷۹	تیسیر القاری بخاری		″	فارسی

انقلاب آفریں عربی کتاب "المراجعات"

مصنفہ حجۃ الاسلام آقائے عبدالحسین مجتہدِ لبنان کا دلپذیر اردو ترجمہ

دینِ حق

یہ وہ شہرۂ آفاق کتاب ہے جس کی اشاعت کے بعد قدیم یونیورسٹی "جامعہ الازہر مصر" کے نصاب میں "فقہ جعفری" کی تعلیم بھی داخلِ نصاب کی گئی جس کا سہرا علامہ شیخ سلیم البشری کے سر ہے۔ مصنفِ علّام اور مشہور عالمِ اہلسنت علامہ شیخ سلیم البشری شیخ الجامعہ الازہر کے درمیان تحقیقِ حق کے لیے خط و کتابت ہوتی رہی۔ آخر شیخ الجامعہ الازہر نے اپنے ۵۴ ویں خط میں مذہب جعفری کی صداقت کو تسلیم فرمایا۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن زیورِ طباعت سے مزیّن ہو کر مارکیٹ میں آ چکا ہے۔

طباعت و کتابت معیاری، صفحات ۸۴۳، سائز ۲۲ × ۱۸

قیمت قسم اوّل سات روپے، قسم دوم پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ پوسٹ بکس ۴۸۵ اکرم روڈ پاک نگر **لاہور**